سلسلہ مطبوعات انجمنِ ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱۰۹

تاریخ دستورِ ہند

جس میں برطانوی ہند کے دستور و آئین کی مُفصّل تاریخ
(ایسٹ انڈیا کمپنی کی ابتدا سے حال تک کی) درج ہی۔

مؤلفہ

ڈاکٹر یوسف حسین صاحب ڈی لٹ (پیرس)

ریڈر تاریخ، جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

شائع کردہ

انجمنِ ترقی اُردو (ہند) دہلی

دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۹۴۳ء قیمت مجلد [illegible] بلا جلد [illegible]

مفید عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی رام مینیجر چھپی اور سید صلاح الدین جمالی مینیجر
انجمن ترقی اُردو (ہند) نے دہلی سے شائع کی

فہرست مضامین تاریخ دستورِ ہند

تاریخ دستورِ ہند

پہلا باب

ایسٹ انڈیا کمپنی کا ابتدائی دستور

سنہ ۱۴۹۳ء میں سکندر ششم پاپائے روما نے غیر مسیحی دُنیا کو تجارتی اغراض کے لیے اسپین اور پرتگال کے درمیان تقسیم کر دیا۔ امریکہ اسپین کے اور ہندستان پرتگال کے حصّے میں آیا۔ اس زمانے میں مشرق اور مغرب کی تجارت عرب تاجروں کے ہاتھ میں تھی۔ ہندستان اور چین کا مال انھیں کے توسط سے وینس کے بازاروں میں پہنچتا تھا جو اس وقت یورپ کی بڑی منڈی اور اپنی دولت و ثروت کے لیے دُنیا میں مشہور تھا۔ پرتگیزوں کو اہل وینس کی تجارت اور ان کی دولت پر رشک تھا۔ وہ اپنے اولوالعزم بادشاہ ہنری جہازراں کے عہدِ حکومت میں پاپائی منشور کے حاصل ہونے کے پانچ سال بعد راس امید کا چکّر کاٹ کر سنہ ۱۴۹۹ء میں داسکو ڈی گاما کی سرکردگی میں کالی کٹ پہنچے اور وہاں اپنی تجارتی کوٹھی قائم کر لی۔

کالی کٹ کے حکمران زمورن نے پرتگیزی تاجروں کو خاص مراعات عطا کیں۔ سنہ ۱۵۸۰ میں پرتگال اسپین میں ضم ہوگیا اور مشرق میں پرتگیزوں نے جو مقبوضات حاصل کیے تھے وہ سلطنت اسپین کو منتقل ہوگئے۔ لیکن ہسپانوی لوگ جنوبی امریکہ کی سونے کی کانوں سے سونا نکالنے میں ایسے منہمک تھے کہ انھوں نے مشرق کی تجارت کی زیادہ پروا نہ کی۔ ولندیزی تاجروں نے جو کچھ عرصے سے پرتگیزوں کا مشرقی تجارت میں مقابلہ کر رہے تھے اس صورتِ حالات سے پورا فائدہ اُٹھایا۔ ولندیزی جہازراں اپنی جفاکشی اور مہم جوئی میں سارے یورپ میں شہرت رکھتے تھے۔ اُن کے حوصلے اس وقت سے اور بھی بلند ہوگئے تھے۔ جبکہ اُنھوں نے اپنے ملک کو اسپین کے جوئے سے آزاد کرالیا۔ ولندیزی لوگ پروٹسٹنٹ تھے۔ اور پاپائی منشوروں کی انھیں پروا نہ تھی۔ ویسے بھی مذہبی اصلاح کی تحریک سے یورپ میں پاپائی اثر کمزور پڑگیا تھا۔ غرضکہ سولھویں صدی عیسوی کے آخری زمانے میں ہندستان اور جزائر شرق الہند کی مسالے کی تجارت ولندیزی تاجروں کے ہاتھ میں آگئی اور شہر امسٹرڈم چند سال کے عرصے میں یورپ کا بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔

اسپین نے انگلستان پر حملہ کرنے کے لیے سنہ ۱۵۸۸ء میں جو زبردست جنگی بیڑا بھیجا تھا وہ طوفان کے نذر ہوگیا۔ اس سے انگریز جہاز رانوں کے حوصلے ذرا بلند ہوئے ولندیزی تاجروں کی بڑھتی ہوئی دولت لندن والوں کی نظروں میں کھٹکنے لگی۔ انگریزوں نے بھی اس دوران میں زبردست بیڑا تیار کرلیا تھا۔ اُن کے اولوالعزم جہازرانوں

اور تاجروں نے محسوس کیا کہ دُنیا کے مختلف ملکوں سے تجارتی تعلق قائم کرنا ان کی قومی زندگی کے لیے ضروری ہے ورنہ وہ یورپ کی دوسری اقوام کے مقابلے میں پیچھے رہ جائیں گے۔ چنانچہ لندن کے تاجروں نے مشرقی ممالک سے تجارت کرنے کے لیے سنہ ۱۶۰۰ء میں ایک کمپنی قائم کی جس میں ۲۱۵ حصّہ دار شریک تھے۔ اس زمانے میں یورپ کی بین الاقوامی سیاست کی ہلچل اور تصادم کے باعث سمندروں کے راستے خطرے میں تھے۔ اس واسطے مملکت کی مسلح پشت پناہی کے بغیر کوئی قوم باہر سے تجارت نہیں کرسکتی تھی۔ چنانچہ لندن کے تاجروں نے بھی مشرقی ممالک سے تجارت کرنے کا ٹھیکہ حاصل کرنے کے لیے حکومتِ وقت سے منشور کی درخواست کی۔ ۳۱ر دسمبر سنہ ۱۶۰۰ء میں ملکہ الیزبتھ نے منشور عطا کیا جس کی رو سے ارل آف کمبرلینڈ اور اس کے رفقائے کار کو جنھوں نے مشترک سرمایہ تجارتی اغراض کے لیے جمع کیا تھا خاص مراعات حاصل ہوئیں اور ایسٹ انڈیا کمپنی وجود میں آئی۔ سوا اس کمپنی کے توسط کے کوئی انگریز اس کا مجاز نہ تھا کہ مشرقی ممالک سے تجارت کرسکے۔ تجارتی اجارے کے حقوق ابتدا میں ۱۵ سال کے لیے تھے اور منشور میں اس امر کی صراحت کردی گئی تھی کہ اگر کمپنی کی تجارت سے ملک کو فائدہ نہ ہوا تو حکومت مجاز ہوگی کہ دو سال کے نوٹس پر کمپنی کو بند کرنے کا حکم دیدے۔

لندن کے تاجروں نے ابتدائی پندرہ سال میں خوب نفع حاصل

کیا۔ سنہ ۱۶۱۳ء میں بادشاہ جہانگیر کی اجازت سے سورت میں اپنی کوٹھی قائم کر لی۔ ان کی تجارت کو دن بہ دن فروغ ہونے لگا۔ شاید آج کل اس بات پر تعجب کا اظہار کیا جائے کہ آخر حکومتِ انگلستان نے تجارتی مراعات ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے کیوں محدود کر دیں اور اپنے دوسرے شہریوں کو مشرقی ممالک کی نفع بخش تجارت سے کیوں محروم کر دیا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ حکومت کی تنظیم اور رسل و رسائل کی سہولتیں اس زمانے میں ایسی نہ تھیں کہ ہر شخص کے تجارتی مال کی حفاظت ممکن ہو سکتی۔ وہ زمانہ یورپ میں ہر جگہ اجارہ داری کا زمانہ تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے قائم ہونے کے قبل ملکہ الیزبتھ لیوان کمپنی کو بحیرۂ روم کی تجارت کا اجارہ دے چکی تھی۔ یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی اس وقت تجارت اور ساہوکارہ شخصیتوں[1] کے ہاتھ میں تھا اور حکومت کو انھیں سے معاملات طے کرنے میں سہولت تھی۔ انفرادی تجارت جیسی کہ آج کل ہے اس زمانے میں ممکن نہ تھی۔ شخصیّے دوسرے ممالک میں اپنے ملک کی نمایندگی کرتے اور اپنے ہم قوموں کی عزّت و آبرو کی حفاظت کرتے تھے۔ اس ضمن میں انھیں حکومتِ وقت ممکنہ امداد دیتی تھی۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاجروں کی جان و مال کی حفاظت کے لیے حکومت نے ۶ معمولی جہاز، ۶ جنگی جہاز مع سامانِ حرب اور ۵۰۰ تجربہ کار جہازراں مقرر کر دیے۔ اس طرح یہ ممکن ہوا کہ ان تاجروں کے جہازوں کی گرفت کی جا سکے جو چھپ کے طور پر چھپ کر مشرقی ممالک سے تجارت کرتے تھے اور بحری قزّاقوں

---

(1) Corporations

سے کمپنی کے جہازوں کو محفوظ رکھا جا سکے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا ابتدائی دستور بہت سادہ تھا۔اس کے ارکان باہم مل کر الگ الگ ٹولیاں بنا لیتے تھے۔ ہر ٹولی اپنے طور پر بحری سفر کا پورا انتظام کرتی تھی۔ خود سرمایہ فراہم کرتی تھی اور نفع و نقصان کی ذمہ دار ہوتی تھی۔ ان سب جماعتوں کو جو اس طرح تجارت کرتی تھیں کمپنی کے ارکان کی حیثیت سے وہ سب مراعات حاصل ہو جاتی تھیں جو دوسرے تاجروں کو نہیں حاصل تھیں۔ لیکن اس طریق عمل کی قباحت کچھ عرصے بعد محسوس ہونے لگی اور بالآخر سنہ ۱۶۱۲ء میں تمام جماعتوں کا سرمایہ مشترک کر دیا گیا اور کل ارکان نفع و نقصان اور بحری سفر کے انتظام کے ذمہ دار ٹھیرے۔ ولندیزی کمپنی کی کارکردگی اور خوش انتظامی کو دیکھ کر لندن کمپنی نے بھی اپنے دستور کو جمہوری اصول پر مبنی قرار دیا۔ ہر سال ایک گورنر اور ۲۴ ارکان کی مجلس نظار، جسے شروع میں کورٹ آف کمیٹیز کہتے تھے، کمپنی کے حصہ داروں میں سے منتخب ہوا کرتی تھی۔ بعد میں ایک نائب گورنر معتمد اور خزانہ دار کا اضافہ کیا گیا۔ عام طور پر کمپنی کا سارا انتظام گورنر اور مجلس نظار کی مرضی کے تابع ہوتا تھا لیکن کبھی کبھی کمپنی کے حصہ دار عام جلسہ منعقد کرتے اور مجلس نظار کو خاص امور کی جانب متوجہ کرتے تھے۔ منشور کی رو سے کمپنی کو وضع قانون کے بعض محدود حقوق حاصل تھے۔ ان حقوق کی نوعیت کم و بیش اس قسم کی تھی جو اس زمانے میں بلدیات اور مختلف شخصیتوں کو حکومت کی طرف سے عطا ہوتے تھے۔ مثلاً اپنے ملازمین کو سزا دینے اور جرمانہ کرنے کا حق تاکہ

قواعد و ضوابط کی پابندی کرائی جا سکے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط موجود ہوتی تھی کہ ملازمین کے لیے جو سزائیں تجویز کی جائیں وہ کسی صورت میں بھی قوانین انگلستان کے خلاف نہ ہوں۔ سنہ ۱۶۲۱ء میں کمپنی نے اپنا دستورالعمل شائع کیا جس میں حصہ داروں کے عام جلسوں مجلس نظماء اور گورنر کے اختیارات کی صراحت کی گئی تھی۔ اس دستورالعمل میں کمپنی کی مشرقی تجارت کے متعلق مفصل ہدایات موجود تھیں۔ باوجود منشور کے شائع ہونے کے کمپنی کے بعض حریف افریقہ اور ایشیا کے مختلف ملکوں سے چھپ کر تجارت کرتے تھے۔ لندن کمپنی کے حکام کو حکومت وقت سے یہ اجازت مل گئی کہ ان کے حدود میں اگر کوئی انگریز تجارت کرے تو اس کا سارا مال ضبط کرلیں اور اس کو مجبوراً انگلستان واپس بھیج دیں جہاں اس پر باقاعدہ مقدمہ عائد کیا جائے گا۔ کمپنی نے اپنے دستورالعمل میں اپنے حکام کو ہدایت کی تھی کہ دیسی والیان ملک اور امراء وغیرہ کو جو تحفے تحائف دیے جائیں جن کا مقصد کمپنی کے مفاد کو فروغ دینا ہو ان کا اندراج باقاعدہ طور پر کمپنی کے کھاتوں میں ہونا چاہیے۔ اگرچہ لندن کمپنی کو اپنے اندرونی در و بست کے لیے ضوابط نافذ کرنے کی اجازت تھی لیکن اس کو "دی خلیج میساچوسٹس کی کمپنی" کی طرح یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ اپنے مقبوضات کے باشندوں کے لیے وضع قانون کرے۔ اس سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی خالص تجارتی نوعیت ظاہر ہوتی ہے۔

جیمز اول نے ۳۱ مئی سنہ ۱۶۰۹ء میں ملکہ الیزبیتھ کے منشور کی تجدید کرتے ہوئے کمپنی کے مستقل اجارے کے حق کو تسلیم کرلیا۔

لیکن اس شرط کے ساتھ کہ شاہ[1] تین سال کے نوٹس پر قومی مفاد کے
مدِ نظر کمپنی پر نئی شرائط عائد کر سکے گا اور اگر کمپنی کی کسی کارروائی
سے ملک کے نقصان کا اندیشہ ہو تو کمپنی کے منشور کی دفعات میں
تغیّر و تبدّل کیا جا سکے گا۔ ۱۴ دسمبر سنہ ۱۶۱۵ء میں کمپنی کو
شاہی منظوری کے ذریعے یہ اجازت مل گئی کہ اپنے جہازوں کے
کپتانوں کو تعزیری اختیار عطا کرے۔ کپتانوں کو اپنے طویل بحری
سفر کے دوران میں نظم و ضبط قائم رکھنے کے لیے اس قسم کے
خاص اختیارات کی ضرورت بہت دنوں سے محسوس ہو رہی
تھی۔ صرف معمولی سزاؤں اور جرمانوں سے کام نہیں چلتا تھا۔
جن کی انہیں پہلے سے اجازت حاصل تھی۔ اب انہیں قتل و
بغاوت جیسے سنگین جرائم کی سزا کا حق حاصل ہو گیا۔ لیکن
اس شرط کے ساتھ کہ اس قسم کے مقدمات کی سماعت اور
انفصال جیوری کیا کرے گی۔ پچھلے پندرہ سال میں کمپنی نے
ہندوستان میں متعدد کوٹھیاں قائم کر لی تھیں۔ اب ضرورت
اس امر کی تھی کہ ملازمین کمپنی کے افعال کی روک تھام کے
لیے نئے ضوابط نافذ کیے جائیں۔ کمپنی کا انتظام برطانوی حکومت
کے نمونے پر ہوتا تھا۔ ہر تجارتی مرکز کا ایک صدر ہوتا تھا جس
کی ایک مجلس عاملہ ہوتی تھی جو اس احاطے کے قدیم ترین ارکان
پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔ جیمز اوّل نے ۴۔ فروری سنہ ۱۶۲۳ء کی
خاص منظوری سے ہر احاطے کے صدر کو یہ اختیار عطا کیا کہ وہ
خطاکار ملازمین کمپنی کو جو سزائیں چاہے تجویز کرے، سوائے سنگین

Crown (1)

جرائم کی صورت میں جبکہ جیوری فیصلہ صادر کرے گی۔ اب گویا کمپنی کے حکام کو اپنے مقبوضات میں انتظام قائم رکھنے کا حق حاصل ہو گیا۔ اس زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بہ نسبت اور دوسرے مشرقی ممالک کے ہندوستان پر زیادہ توجہ شروع کردی اصل بات یہ تھی کہ وہ اپنے حریف ولندیزی کمپنی کے مقابلے کی تاب جزائر شرق الہند میں نہ لا سکی۔ جاوا اور سماترا کی سب منڈیاں ایک ایک کر کے انگریزی تاجروں کے ہاتھ سے نکل گئیں۔ اب اُن کی تمام تر توقعات لے دے کر ہندوستان کی تجارت سے وابستہ تھیں۔ ولندیزی کمپنی کے ہاتھوں ایسٹ انڈیا کمپنی کو جو پے در پے زکیں اُٹھانی پڑیں۔ اس سے انگریزی قوم کے جذبۂ حب الوطنی کو تحریک ہوئی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنے اہل ملک کی ہمدردی حاصل ہو گئی۔

اہل ملک کی ہمدردی کے باوجود انگریزی سرمایہ داروں کی ایک جماعت ایسٹ انڈیا کمپنی کی حریف تھی اور اس کے معاملات کو بگاڑنا چاہتی تھی۔ اس جماعت کا سرگروہ سر ولیم کورٹین تھا۔ جس نے بادشاہ چارلس اوّل سے سنہ ۱۶۳۵ء میں مشرقی ممالک سے تجارت کی اجازت حاصل کر لی۔ اس نئی کمپنی نے اپنا تجارتی مرکز مڈاگاسکر میں مقام اساوا کو بنایا۔ اگرچہ اس کمپنی کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی لیکن اس میں شک نہیں کہ اُس کے کاروبار کی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ دونوں کمپنیاں مشرقی ممالک سے تجارتی منافع حاصل کر رہی تھیں جبکہ

انگلستان میں سنہ ۱۶۵۳ء میں زبردست سیاسی انقلاب رونما ہوا اور کرامول نے جمہوری حکومت قائم کی۔ اب انگلستان کی تجارتی کمپنیوں کے حقوق کا تعین براہِ راست پارلیمنٹ کے قانون کے ذریعے ہونے لگا۔ کرامول نے ولندیزی حکومت سے صلح نامۂ وسٹ منسٹر (۱۶۵۴ء) کے مطابق ہرجانے کی رقم ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے حاصل کرلی اس واسطے کہ ولندیزیوں نے سنہ ۱۶۲۳ء میں جزیرۂ امبونیا کی انگریزی تجارتی کوٹھیوں کو تباہ و برباد کر ڈالا تھا اور بہت سے انگریز تاجر قتل کیے گئے تھے۔ کرامول نے اس واقعے کو انگریزی قوم کے لیے باعث ذلت تصور کیا اور ولندیزی حکومت کو صلح نامۂ وسٹ منسٹر کرنے پر مجبور کیا۔ جس کی رو سے لندن کمپنی کو ۸۵ ہزار روپے کے مساوی رقم بطور ہرجانہ ولندیزی حکومت نے ادا کی۔ جب کرامول کو ضرورت ہوئی تو اس نے کمپنی سے ۵۰ ہزار پونڈ قرض لیے۔ کرامول نے قومی مفاد کے مدِّنظر سرولیم کورٹین کی کمپنی کو ایسٹ انڈیا کمپنی میں سنہ ۱۶۵۷ء میں ضم کرنے کا حکم دے دیا تاکہ دونوں کے مشترک سرمائے سے انگریزی تجارت کو مشرقی ممالک میں فروغ حاصل ہو اور باہمی رقابت ختم ہو۔ کرامول نے یہ بھی کوشش کی کہ کمپنی کے کاروبار سے صرف چند سرمایہ دار نفع نہ اُٹھائیں۔ بلکہ اُس کے حصے ہر انگریز خرید سکے چنانچہ سنہ ۱۶۵۷ء میں کمپنی نے جو قواعد بنائے ان کے مطابق ہر انگریز کمپنی کا رکن بن سکتا تھا بشرطیکہ وہ پانچ پونڈ فیس داخلہ ادا کرے اور کم از کم سو پونڈ کا حصہ دار بن جائے۔ صرف وہ شخص کارائے

دینے کا حق رکھتے تھے جو پانچ سو پونڈ کے حصہ دار تھے۔ ہر وہ رکن جو ایک ہزار پونڈ کا حصہ دار تھا مجلس نظار کا رکن منتخب ہو سکتا تھا۔ کمپنی کے گورنر اور نائب گورنر کے عہدے دو سال کی مدت کے لیے ہوتے تھے۔

عود شاہی[1] کے بعد کمپنی کو اپنے گورنر سر جوشیا چائلڈ کے توسط سے شاہی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ چارلس دوم نے ۳۔ اپریل سنہ ۱۶۶۱ء میں کمپنی کو جو منشور عطا کیا اس کی رو سے کمپنی کو ہندستان میں نہ صرف تجارتی گودام رکھنے کا حق حاصل ہو گیا بلکہ اپنے گوداموں کی حفاظت کے لیے قلعے بنانے کی اجازت مل گئی۔ اب کمپنی کے حاکمانہ اختیارات اپنے مقبوضات میں پورے طور پر موثر ہو گئے کمپنی نظم و نسق کے لیے اپنے مقبوضات میں گورنر اور کونسل مقرر کرنے لگی۔ جنھیں یہ اختیار حاصل تھا کہ اپنے ماتحت ملازمین کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت کریں اور اپنا فیصلہ صادر کریں جو انگلستان کے قوانین کے مطابق ہو۔ اگر کسی جگہ کمپنی نے گورنر نہیں مقرر کیا تو وہاں کی کوٹھی کا منتظم اعلیٰ (چیف فیکٹر) مجاز ہوگا کہ ملزم کو یا تو انگلستان واپس بھیج دے یا ایسے مقام پر بھیج دے جہاں کمپنی کا گورنر اور کونسل باقاعدہ موجود ہیں تاکہ مقدمے کی سماعت اور فیصلہ کیا جائے۔ کمپنی اپنی کوٹھیوں کی حفاظت کے لیے جنگی جہاز اور سامانِ حرب اپنے صواب دید پر اپنے مقرر کردہ افسروں کی نگرانی میں اپنے مقبوضات کو روانہ کر سکتی تھی۔ کمپنی کے بھیجے ہوئے سامانِ حرب پر حکومت انگلستان کوئی محصول نہیں لیتی تھی۔

Restoration (1)

کمپنی کو ان دیسی والیان ملک اور امراء سے براہ راست جنگ اور صلح کرنے کا بھی اختیار حاصل ہوگیا۔ جن سے تجارت کی بدولت سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ گورنر اور کونسل کو نہ صرف کمپنی کے ملازمین میں نظم و ضبط قائم رکھنے اور اپنے ماتحت علاقہ پر حکومت کرنے کے اختیارات مل گئے بلکہ وہ ان دیسی باشندوں پر بھی حکومت کرتے تھے جو ان کے علاقے میں آباد تھے۔ وہ ملازمین کمپنی جو عدول حکمی کرتے انہیں بلا چون و چرا انگلستان واپس بھیج دیا جاتا تھا۔ غرض کہ ان سیاسی اور عدالتی حقوق کی بدولت کمپنی کی حیثیت بدل گئی اور اس کے اختیارات میں اضافہ ہوگیا۔ ۱۶۶۱ء میں جان چہارم والئی پرتگال کی بیٹی کیتھرائن شہزادی براگنزا کی شادی چارلس دوم بادشاہ انگلستان کے ساتھ ہوئی۔ حکومتِ پرتگال نے اس مسرت کے موقع پر جزیرۂ بمبئی کو شاہِ برطانیہ کے حوالے کر دیا۔ چارلس دوم نے شروع میں براہ راست اس جزیرے پر حکومت کی۔ لیکن سنہ ۱۶۶۸ء میں عملی دشواریوں کے باعث اس کو بعوض ۱۰ پونڈ سالانہ پٹہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو منتقل کر دیا۔ کمپنی دس پونڈ سالانہ کی رقم سنہ ۱۷۳۰ء تک برابر شاہ کو ادا کرتی رہی جبکہ اس کو یہ اجازت مل گئی کہ اس جزیرے کے شاہی فوجی ملازمین کو اپنی ملازمت میں داخل کر لے۔ یہ کمپنی کی پہلی باقاعدہ فوج تھی جو "بامبے فیوزلیئرز" کے نام سے موسوم ہوئی۔ کمپنی نے اس جزیرے کی نو آبادی میں اپنے قوانین نافذ کیے اور اپنا سکہ چلایا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی کمپنی کو اپنے ہندوستانی مقبوضات میں اپنا سکہ چلانے کی اجازت مل چکی تھی لیکن یہ اجازت دیسی والیانِ ملک سے ملی تھی بمبئی میں ایسا

عدالت خفیفہ جو کمپنی کے سول حکام پر مشتمل تھی اور ایک عدالت عالیہ جس کے رکن نائب گورنر اور ارکان کونسل ہوتے تھے، قائم کی گئی۔ اس آخرالذکر عدالت کے فیصلے قطعی اور آخری ہوتے تھے جن کا مرافعہ نہیں ہوسکتا تھا۔

منشور سنہ ۱۶۸۳ اس منشور کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو غیر مسیحی اقوام سے جن سے اُنھیں سابقہ پڑے صلح و جنگ کے اختیارات حاصل ہوگئے۔ اپنی تجارت کی حفاظت کے لیے کمپنی افواج رکھ سکتی تھی۔ قلعے تعمیر کراسکتی تھی اور اگر ضرورت ہو تو اپنے علاقوں میں مارشل لا کا نفاذ کرسکتی تھی۔ یہ اختیارات بیرونی حملے یا اندرونی بغاوت کی صورت میں استعمال کیے جاسکتے تھے۔ لیکن صلح و جنگ کے معاملات میں شاہ دخل دے سکتا تھا۔ چونکہ پچھلے برسوں میں کمپنی کی عدالتوں کی کارگزاری قابلِ اطمینان نہیں رہی تھی۔ اس واسطے اس منشور میں اس کی صراحت کردی گئی کہ شاہ کی جانب سے ایک عدالت ایسے مقام پر قائم کی جائے گی جسے کمپنی مناسب تصوّر کرے جو ایک ماہرِ قانون اور دو مددگاروں پر مشتمل ہوگی۔ اگر کمپنی کے اجارے کے حقوق کے خلاف کوئی انگریز براہِ راست مشرقی ممالک سے تجارت کرے گا تو اُس کا مال کمپنی کے حکام ضبط کرسکیں گے لیکن اس کا مقدمہ کمپنی کی عدالت کی بجائے شاہ کی عدالت میں پیش ہوگا۔ ڈاکٹر سینٹ جان کو سورت کی عدالت کا میرِ مجلس مقرر کیا گیا۔ سورت کے گورنر سر جان چائلڈ (جو سر جوشیا چائلڈ کا بھائی تھا) اور میرِ مجلس میں تھوڑے عرصے بعد

سخت مخالفت شروع ہو گئی۔ سر جان چائلڈ کا ادعا یہ تھا کہ شاہی عدالت کے حدود سماعت صرف ان مقدمات سے متعلق ہیں جو بحری معاملات سے تعلق رکھتے ہوں۔ سول مقدمات کی سماعت کا حق شاہی عدالت کو حاصل نہیں۔ ڈاکٹر سینٹ جان کمپنی کے گورنر کو خاطر میں نہیں لاتا تھا اس لیے کہ وہ اپنے تئیں شاہ کا نمایندہ سمجھتا تھا۔

منشور سنہ ۱۶۸۶

۱۲۔ اپریل سنہ ۱۶۸۶ء جیمز دوم بادشاہ انگلستان نے بذریعۂ منشور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ان سب مراعات کی تجدید کی جو چارلس دوم نے عطا کی تھیں۔ اس منشور کے بموجب کمپنی کو اختیار دیا گیا کہ اپنے جہازوں کے امیرِبحر (ایڈمیرل) مقرر کرے اور اپنے جہازوں کی حفاظت کے لیے بحری فوج براہِ راست بھرتی کرے اور سامانِ حرب ہمیّا کرے۔ سینٹ جارج (شہر مدراس) کے لیے بلدیاتی دستور بنانے کا حق منظور ہوا اور میر بلدہ کی عدالت قائم کرنے کی تجویز کی گئی۔ بلدیاتی شخصیتوں کا قیام شاہ کے اہم ترین اختیارات میں شمار ہوتا تھا۔ دراصل جیمز دوم کی ایسٹ انڈیا کمپنی پر خاص نظرِ عنایت تھی کہ اس نے اپنے اس اختیار کو کمپنی کے تفویض کر دیا۔ چنانچہ دسمبر سنہ ۱۶۸۷ء میں مدراس کا بلدیاتی دستور نافذ ہو گیا۔ سینٹ جارج کے گورنر اور نائب گورنر نے اس بات پر اصرار کیا کہ میر بلدہ کا تقرر براہِ راست انگلستان سے نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ اگر ایسا کیا گیا تو وہ کمپنی کے قواعد و ضوابط کی مطلق پروا نہیں کرے گا۔ اور اپنے تئیں شاہ کا نمایندہ تصوّر کرے گا۔ ان حالات میں یہ لازمی ہے کہ میر بلدیہ اور کمپنی کے اعلیٰ حکّام میں

بات بات پر تصادم پیدا ہو۔

بلدیہ سینٹ جارج کے قیام سے اس شہر کی رونق بڑھ گئی اور انتظامات بہ نسبت پیشتر کے بہتر ہوگئے۔ دستور بلدیہ کے مطابق میر بلدیہ اور ۱۲ ارکان کی مجلس مقرر کی گئی۔ میر بلدیہ کو دیوانی اور فوجداری کے عدالتی اختیارات دیے گئے۔ شہر کی صفائی وغیرہ کے انتظام کے علاوہ ایک اسکول اور ایک جیل خانہ بھی میر بلدیہ کے تحت رکھے گئے مجلس بلدیہ کو اپنی ضرورت کے بموجب اہل شہر پر محصول عائد کرنے کا حق حاصل تھا۔

سنہ ۱۶۸۸ء میں خاندان اسٹورٹ کے خاتمے کے بعد ولیم سوم والئی ہالینڈ انگلستان کے تخت و تاج کا مالک بنا۔ اس انقلاب کی اہمیت صرف یہ نہیں ہے کہ انگلستان کی تاریخ میں ایک خاندان کی جگہ دوسرے شاہی خاندان نے لے لی، بلکہ اس سے بڑی بنیادی تبدیلی یہ ہوئی کہ اب آیندہ سے پارلیمنٹ کا عمل دخل انتظام ملکی میں بہ نسبت پیشتر کے بہت زیادہ بڑھ گیا اور کابینے کا طریق حکومت مؤثر ہوا جو انگریزی نظام سیاسی کی خصوصیت خاصہ ہے۔ اس تبدیلی کا اثر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندستانی مقبوضات کے نظم و نسق پر بھی بالواسطہ طور پر مترتب ہوا۔ کمپنی کے گورنر سر جوشیا چائلڈ کا رجعت پسند قدامت پسندوں میں شمار ہوتا تھا۔ کمپنی کے مخالفوں نے اس صورت حالات سے فائدہ اُٹھا کر ایک نئی کمپنی کی بنا ڈالی جس کا نام انگلش کمپنی رکھا جو پُرانی کمپنی کو مشرقی ممالک کی تجارتی اجارہ داری سے محروم کرسکے۔ پارلیمنٹ میں بھی ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی تھی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات پر تنقید اور

نکتہ چینی کرتی تھی۔ پارلیمنٹ کے بعض ارکان نے دونوں کمپنیوں کو ضم کرنے کی جو تجاویز پیش کیں وہ سر جوشیا چائلڈ کو منظور نہ تھیں۔ اس پر پارلیمنٹ نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو تین سال کا نوٹس دے دیا جائے۔ جس کے بعد وہ جملہ مراعات سے محروم تصور کی جائے گی۔ اتفاق یہ کہ جو رقوم محصولات کمپنی حکومت کو ادا کیا کرتی تھی وہ بھی کچھ عرصے سے باقاعدہ ادا نہیں کی گئی تھیں۔ یہ وجہ بجائے خود کافی تھی جس کی بنا پر کمپنی کا منشور ضبط ہو سکتا تھا اور بغیر کسی سابقہ اطلاع کے اس کو مراعات سے محروم کیا جا سکتا تھا۔ لیکن سر جوشیا چائلڈ نہایت حوصلہ مند اور با اثر شخص تھا۔ حکومت کے اعلیٰ حلقوں میں اس کے ملاقاتی تھے۔ اس نے کچھ ان سے کام نکالا اور اس کے علاوہ رشوتوں کے ذریعے سنہ ۱۶۹۳ء میں ارباب حل و عقد سے ایک اور منشور شاہی حاصل کر لیا جس کے بموجب ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام قدیم مراعات کی تجدید ہوگئی۔ پارلیمنٹ میں اس موقع پر یہ دستوری مسئلہ بڑے زور و شور سے اٹھایا گیا کہ آیا شاہ کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ بغیر پارلیمنٹ سے استصواب کیے اس قسم کا منشور عطا کر سکے۔ بالآخر پریوی کونسل کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی موافقت اور شاہ کی تائید کی۔ سنہ ۱۶۹۳ء کے منشور کی رو سے کمپنی کے سرمائے میں ۷ لاکھ چوالیس ہزار پونڈ کا اضافہ ہوا۔ حصہ داروں کی تعداد بھی بڑھا دی گئی۔ کسی حصہ دار کو دس ہزار پونڈ سے زیادہ سرمایہ لگانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ہر حصہ دار کو ایک ہزار پونڈ پر ایک رائے کا حق حاصل تھا۔ اس طرح زیادہ سے زیادہ دس رائے ایک شخص

کے قبضے میں ہوسکتی تھیں اور سرمایہ داروں کا کوئی خاص گروہ کمپنی کے کاروبار پر کلیتہً حاوی نہیں ہوسکتا تھا۔ گورنر اور نائب گورنر کے لیے لازمی تھا کہ وہ کم سے کم چار ہزار پونڈ کے حصہ دار ہوں۔ وہ اپنے عہدوں پر دو سال سے زائد نہیں رہ سکتے تھے۔ ہر رکنِ مجلسِ نظار کے لیے ضروری تھا کہ وہ ایک ہزار پونڈ کا حصہ دار ہو۔ ارکانِ مجلسِ نظار میں سے ۸ کا ہر سال انتخاب عمل میں آتا تھا۔ اس منشور کے ذریعے حصہ داروں کی مجلسِ عام کے اختیارات میں بھی توسیع عمل میں آئی۔ اگر ۶ حصہ دار جو ایک ایک ہزار پونڈ کے حصہ دار ہوں جلسہ منعقد کرنے کی خواہش ظاہر کریں تو آٹھ روز کے اندر جلسہ منعقد کرنا ہوگا۔ ۱۲۔ اپریل سنہ ۱۶۹۸ء کے منشور میں مذکورہ بالا قواعد کی تھوڑی بہت ترمیم کی گئی۔ ۵۰ پونڈ کے حصص پر ایک رائے کا حق اور زیادہ سے زیادہ ایک شخص کو ۵ رایوں کی اجازت دی گئی۔ ارکان مجلس نظار کے لیے ۲ ہزار پونڈ کا حصہ دار ہونا ضروری ٹھیرایا گیا۔

اگرچہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مختلف منشوروں کے ذریعے اپنی مراعات کی توثیق کرالی لیکن پارلیمنٹ میں اس کی مخالفت دن بہ دِن بڑھتی گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مدِمقابل جو دوسری کمپنی قائم ہوگئی تھی اس کی پارلیمنٹ میں تائید ہونے لگی۔ اس زمانے میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس کی وجہ سے پارلیمنٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی کھُلم کھُلا مخالفت شروع کردی۔ دریائے ٹیمز میں نئی کمپنی کا ایک سامان سے لدا ہوا جہاز مشرقی ممالک کی طرف جانے کے

لیے تیار کھڑا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر کے حکم سے اس جہاز کی روانگی میں مزاحمت پیدا کی گئی اور یہ سب کچھ منشور شاہی کے بل پر کیا گیا۔ بالآخر معاملہ پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہوا۔ پارلیمنٹ نے کثرت رائے سے یہ تجویز منظور کی کہ انگلستان کے سب باشندوں کو جزائر شرق الہند سے تجارت کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ حق اس وقت تک ہر ایک کو حاصل ہے جب تک کہ پارلیمنٹ سے قانوناً امتناعی احکام نہ جاری ہوں۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ پارلیمنٹ نے اس موقع پر اس بات پہ اصرار کیا کہ انگلستان کی کوئی جماعت اسی وقت بیرونی دُنیا سے تجارت کرسکتی ہے۔ جبکہ وہ ایسا کرنے کی اجازت دے۔ باوجود پارلیمنٹ کی مخالفت کے، چونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹ مشرقی ممالک میں اپنی تنظیم رکھتے تھے، دوسرے انگریزی تاجروں کے لیے ان ممالک میں تجارت کرنا ممکن نہ ہوا۔ ہاں، پارلیمنٹ کی مخالفت سے کمپنی کے مخالفوں نے حتی المقدور فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی، لیکن وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کرسکے کہ چھپے چوری اپنے جہاز مشرقی ممالک بھیجیں۔ لیکن وہ ان ممالک کے ساتھ مستقل تجارتی تعلق نہ قائم کر سکے۔

اسی زمانے میں مسٹر مانٹیگو وزیر مال مقرر ہوئے۔ انھیں حکومتی کاروبار کے لیے رُپے کی سخت ضرورت پڑی۔ چنانچہ وہ انگلش کمپنی کو مشرقی ممالک کا تجارتی اجارہ دینے پر آمادہ تھے بشرطیکہ کمپنی مذکور حکومت کو سات لاکھ پونڈ دینے کا وعدہ کرے۔ انگلش کمپنی نے یہ رقم ادا کردی اور مشرقی ممالک کی تجارت کا باقاعدہ اجارہ

حاصل کر لیا۔ حکومت کو مزید قرض کی ضرورت ہوئی۔ تو انگلش کمپنی نے اپنے مراعات کو مستحکم کرنے کی غرض سے حکومت کو ۸ فی صدی شرح سود پر بیس لاکھ پونڈ قرض دینا منظور کیا۔ چنانچہ سنہ ۱۷۰۰ء میں انگلش کمپنی کے حقوق اجارہ داری کی توثیق پارلیمنٹ کے قانون کے ذریعے کر دی گئی تاکہ کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجایش باقی نہ رہے۔ لیکن پارلیمنٹ کے قانون میں اس امر کی کوئی صراحت موجود نہ تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو اجارے کے قدیم حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ غرض کہ دونوں کمپنیاں مشرقی ممالک سے تجارتی کاروبار کرتی رہیں۔ لیکن انگلش کمپنی کے ایجنٹ چونکہ مشرقی ممالک کے حالات سے ناواقف تھے اس واسطے اس کمپنی کو جس قدر نفع کی توقع تھی وہ حاصل نہیں ہوا۔ دونوں کمپنیوں کی رقابت سے انگلستان کی تجارت کو دوسرے ملکوں کی تجارت کے مقابلے میں سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اب سوائے اس کے کوئی تدبیر نہ تھی کہ ان دونوں کمپنیوں کا الحاق عمل میں آئے لارڈ گوڈلفن کے بیچ میں پڑنے سے دونوں میں مفاہمت کی صورت پیدا ہوئی۔ ۲۲۔ جولائی سنہ ۱۷۰۲ء کو طویل گفت و شنید کے بعد یہ قطعی طور پر طے ہوگیا کہ دونوں کمپنیوں کا سرمایہ مشترک کر دیا جائے۔ لیکن سنہ ۱۷۰۸ء تک دونوں کمپنیوں کا علیحدہ وجود باقی رہا۔ جب کہ لارڈ گوڈلفن کے تصفیے کے مطابق دونوں ایک دوسرے میں ضم ہوگئیں۔ دونوں کمپنیوں میں سے بارہ بارہ ارکان منتخب کرکے مجلس نظما بنائی گئی۔ اس متحدہ کمپنی کے دستوری انتظام

کے لیے سنہ ۱۶۹۸ء کے منشور کی دفعات میں کچھ تغیر و تبادل کیا گیا۔ نظمار کے لیے دو ہزار پونڈ کا حصّہ دار ہونا ضروری قرار پایا۔ نظمار کا انتخاب حصّہ داروں کے عام جلسے میں ہوتا تھا صرف ان حصّہ داروں کو حق رائے دہندگی حاصل تھا جو کم سے کم ۵۰۰ پونڈ کے حصّہ دار ہوں لیکن کسی رکن کو کسی حالت میں بھی ایک سے زائد رائے کا حق نہیں دیا گیا۔ مجلس نظمار کا اجلاس منعقد کرنے کے لیے کم از کم ۱۳ ارکان کی موجودگی ضروری تھی۔ حصّہ داروں کے عام جلسے ہر سال چار ہوا کریں گے۔ اگر ۱۹ ارکان جنھیں رائے دینے کا حق ہو مجلس نظما سے درخواست کریں تو ان چار عام جلسوں کے علاوہ اور جلسے بھی منعقد کیے جا سکتے تھے۔ کمپنی کا تمام تر انتظامی اور عاملانہ کاروبار مجلس نظمار کے سپرد تھا۔ مجلس نظمار کی ہدایت کے لیے عام جلسوں کے منظور کردہ قواعد و ضوابط تھے۔ ویسے مجلس نظمار کو حق تھا کہ عاملانہ ضروریات کے مطابق قواعد و ضوابط خود وضع کرے اور بعد میں ان کی عام جلسوں میں توثیق کرائے۔ مجلس نظمار کو قرض لینے، منافع تقسیم کرنے اور تجارت کے عام انتظام کے متعلق مکمّل اختیارات حاصل تھے۔ مجلس نظمار کو اختیار تھا کہ اگر کمپنی کے ملازم قواعد و ضوابط کی پابندی نہ کریں تو اُنھیں سزا دے یا اُن پر جرمانہ عائد کرے بشرطیکہ یہ قواعد و ضوابط ملکی قوانین کے مطابق ہوں۔

کمپنی کی دستوری حیثیت میں سنہ ۱۷۰۸ء سے لے کر سنہ ۱۷۶۵ء تک کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی۔ کمپنی نے گزشتہ زمانے

میں جو تجارتی مراعات اور فوجی اور عدالتی اختیارات مختلف منشوروں کے ذریعے سے حاصل کیے تھے۔ان کی توثیق کر دی گئی۔ کمپنی اپنی کوٹھیوں کی حفاظت کے لیے قلعے بنا سکتی تھی، فوج بھرتی کر سکتی تھی اور مقدمات کی سماعت اور انفصال کے لیے عدالتیں قائم کر سکتی تھی۔ بعض اوقات اُس کی عدالتوں کے فیصلے انگلستان کی عدالتوں میں تسلیم نہیں کیے جاتے تھے جس کی وجہ سے معاملات میں اُلجھاؤ پیدا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ان عدالتی دشواریوں کے مدِّنظر سنہ ۱۷۲۶ء میں بذریعہ منشور کلکتہ، مدراس اور بمبئی کی میر بلدیہ کی عدالتوں کو خاص اختیارات دیے گئے۔ ان عدالتوں کا پہلا مرافعہ گورنر باجلاس کونسل کے پاس ہوتا تھا اور وہاں سے تاج بہ اجلاس کونسل تک جاتا تھا۔ اس منشور کی رو سے گورنر بہ اجلاس کونسل کے عاملانہ اختیارات میں بڑھتی ہوئی ذمّہ داریوں کے مدّنظر اضافہ کیا گیا۔ گورنر بہ اجلاس کونسل اپنے علاقے میں ایسے قوانین نافذ کر سکتا تھا جو قوانین انگلستان کے کسی طرح خلاف نہ ہوں۔ اس طرح وضع قانون کی پوری ذمّہ داری گورنر بہ اجلاس کونسل کے سپرد کر دی گئی اس لیے کہ وہ مقامی حالات اور مصالح سے بخوبی واقف ہوتا تھا۔ ان مقامی قوانین کے متعلق گورنر بہ اجلاس کونسل کو مجلس نظماء سے استصواب کرنا ہوتا تھا۔ کچھ عرصے بعد وضع قوانین کا کام آہستہ آہستہ کمپنی کی مجلس نظماء کے ہاتھ سے بالکل نکل کر کمپنی کے ان اعلیٰ عہدہ داروں کے ہاتھ میں آگیا جو ہندستان میں رہتے تھے اور یہاں کی ضروریات اور حالات سے باخبر تھے۔

اٹھارویں صدی کے ابتدائی نصف میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کاروبار کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں کمپنی کے مال پر دو فی صدی محصول لیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۷۱۵ء میں بادشاہ فرخ سیر نے بنگال میں کمپنی کے مال کو محصول سے مستثنیٰ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس فرمان کی بدولت انگریز تاجروں نے اپنے دوسرے فرنگی حریفوں کے مقابلے میں زبردست تجارتی کامیابی حاصل کی۔ رفتہ رفتہ انھوں نے کلکتہ بمبئی اور مدراس کے آس پاس کے علاقوں میں زمینیں خرید کر اپنے احاطوں میں شامل کرلیں۔ ان شہروں میں تجارتی اغراض کے لیے ہندستانی لوگ آکر آباد ہونے لگے اور کچھ عرصے بعد ان کی رونق اور آبادی بہت بڑھ گئی۔ اس دوران میں انگریزی کمپنی کے تجارتی حریف ولندیزیوں کا آفتاب عروج غروب ہوچکا تھا اور ان کی تجارتی سرگرمیاں سست پڑگئی تھیں۔ لیکن اب انگریزوں کو ایک اور زبردست حریف کا مقابلہ کرنا پڑا۔ فرانسیسی تاجر انگریزوں کی بڑھتی ہوئی تجارت کو رشک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ لوئی چہاردہم کے عہد حکومت میں کولبیر کی نگرانی میں فرانسیسی انڈیا کمپنی سنہ ۱۶۶۴ء میں قائم ہوئی فرانسیسیوں نے جزیرہ ماریشس کو اپنا تجارتی مرکز بنایا اور ہندستان میں چندرنگر اور پانڈی چری میں اپنی کوٹھیاں قائم کیں ہندستانی تجارت کو سنبھالنے کے لیے حکومت فرانس نے یکے بعد دیگرے نہایت قابل گورنر مقرر کیے۔ فرانسیس مارتین نے فرانسیسی کمپنی کی تجارت کو ہندستان میں بہت ترقی دی۔ پھر اس کے

بعد موسیو ڈیوپلے نے اپنی گورنری کے زمانے میں نظام الملک آصفجاہ اوّل اور والیٔ کرناٹک سے دوستانہ تعلقات پیدا کر کے اپنی تجارت کو فروغ دینے کی راہ نکالی۔ سنہ ۱۷۴۲ء میں ڈیوپلے پانڈی چری کا گورنر مقرر ہوا۔ اس نے ہندستان میں فرانسیسی سلطنت قائم کرنے کا منصوبہ باندھا۔ اس نے دیسی لوگوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا اور مغربی طریق جنگ اور قواعد پریڈ سکھائی۔ سنہ ۱۷۴۴ء میں جب یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ شروع ہو گئی تو ان دونوں قوموں میں ہندستان میں بھی لڑائی چھڑ گئی۔ سنہ ۱۷۴۸ء کے صلح نامہ ایکس لاشاپل کی رو سے اگرچہ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں صلح ہو گئی تھی لیکن ہندستان میں جنگ کا سلسلہ برابر جاری رہا اس کا سبب یہ تھا کہ سنہ ۱۷۴۸ء میں نظام الملک آصفجاہ اوّل کے انتقال کے بعد دکن اور کرناٹک کی سیاست میں جو ابتری پیدا ہوئی اس سے انگریزوں اور فرانسیسیوں دونوں کو اس کا موقعہ ملا کہ دیسی امرا کے معاملات میں دخل اندازی کریں۔ انگریزوں نے فرانسیسیوں کی دیکھا دیکھی دیسی لوگوں کو اپنی افواج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ انگریزی کمپنی کی پہلی دیسی فوج میجر لارنس کی سربراہی میں مرتّب کی گئی۔ اس جدید فوجی تنظیم کے باعث کمپنی نے اس بات کی بھی ضرورت محسوس کی کہ فوجی نظم و ضبط کے نئے قواعد نافذ کیے جائیں۔ چنانچہ اس بارے میں سنہ ۱۷۵۴ء میں قانون منشور کے مطابق نظم و ضبط کے نئے قواعد نافذ ہو گئے۔ اس قانون منشور میں وہ تمام جزئیات موجود تھیں جو انگلستان کے "قوانین بغاوت" میں

ملتی ہیں۔ ہندستانی مقبوضات کے گورنروں اور کمانڈر ان چیفوں کو فوجی جرائم کے متعلق کورٹ مارشل کے ذریعے انفصال امور کے اختیارات حاصل ہو گئے۔

کلائیو نے سنہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ جیتی اور سلطنت برطانیہ کی بنیادوں کو ہندستان میں مستحکم کر دیا۔ اس کامیابی سے ایسٹ انڈیا کمپنی کا وقار انگلستان میں بڑھ گیا۔ چنانچہ سنہ ۱۷۵۸ء میں منشور شاہی کے ذریعے کمپنی کے اختیارات میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اس منشور کی رو سے کمپنی کو اجازت مل گئی کہ وہ دیسی امرا اور والیانِ ملک سے بذریعۂ صلح نامہ کوئی نیا علاقہ یا قلعہ حاصل کر سکے۔ اس مقبوضے کو چاہے کمپنی اپنے تصرف میں رکھے یا اپنی مقامی مصلحتوں کے مطابق کسی دوسرے والیِ ملک کو منتقل کر دے۔ لیکن اگر کوئی علاقہ یا قلعہ یوروپین دول میں سے کسی سے حاصل کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں اُسے منتقل کرنے یا اس پر اپنا مستقل قبضہ کرنے کے لیے شاہی منظوری لینا ضروری ہوگا۔ اگرچہ کمپنی کے ان سیاسی اختیارات سے شاہی حقوق مقتدرانہ بدستور قائم رہے لیکن کمپنی کی دستوری حیثیت میں بڑا فرق پیدا ہو گیا۔

ابتدا میں کمپنی تجارتی کاروبار سے غرض رکھتی تھی لیکن جب ہندستان کے وسیع علاقے اس کی عملداری میں شامل ہو گئے تو اس کو سیاسی امور سے واسطہ پڑا اور اس کے اختیارات کی نوعیت بھی بدل گئی۔ بالخصوص جنگِ پلاسی کے بعد بنگال میں

کمپنی کو یہ حق حاصل ہوگیا تھا کہ اپنے تجارتی محصولات کے تعیّن نیز دیگر امور میں اپنے اثر کو استعمال کرسکے۔ میر جعفر سے جو معاہدہ ہُوا اُس کی بدولت کمپنی کی سیاسی حیثیت بہت بلند ہوگئی۔

ہندستان میں کمپنی کے تین بڑے تجارتی مرکز تھے۔ کلکتہ، بمبئی اور مدراس۔ ان مرکزوں کے ساتھ جو علاقے ملحق تھے وہ پریسی ڈنسیاں (احاطے) کہلاتے تھے اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کا انتظام ایک پریسیڈنٹ یا گورنر کے تحت ہوتا تھا جو براہ راست مجلس نظمار کے سامنے جواب دہ ہوتا تھا۔ اگرچہ مختلف پریسی ڈنسیوں کے گورنر ایک دوسرے کے ماتحت نہ تھے لیکن ان میں باہم تعاون عمل کی توقع کی جاتی تھی۔ چنانچہ جب بنگال میں انگریزوں پر مصیبت آپئی تو کلائیو مدراس سے کمک لے کر وہاں پہنچ گیا اور اسی طرح کرناٹک کو بنگال سے مدد پہنچی۔ اس طرح ہندستان میں انگریزی مقبوضات کے مابین رشتۂ عمل استوار ہونا شروع ہوا۔ گورنر کی ایک کونسل ہوتی تھی جس کے مشورے سے وہ تمام اہم امور طے کرتا تھا۔ کونسل کے ارکان کی تعداد مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہے۔ بالعموم کمپنی کے دیرینہ ملازموں میں سے کونسل کے ارکان مقرر کیے جاتے تھے۔ مجلس نظار پریسی ڈنسی کے نظم ونسق میں براہ راست مداخلت کرسکتی تھی۔ مجلس نظار کو حق حاصل تھا کہ کمپنی کے کسی ملازم کو بالوجوہ برطرف کرسکے۔ گورنر اپنے علاقے کے لیے جملہ سول اور فوجی امور سے متعلق قواعد و ضوابط وضع

کر سکتا تھا بشرطیکہ وہ انگلستان کے قوانین کے خلاف نہ ہوں۔ مقامی عدالتوں کو کمپنی کے ملازموں کے علاوہ ان سب دیسی لوگوں کے متعلق بھی حق سماعت مقدمات حاصل تھا جو کمپنی کے حدود میں آباد تھے۔ اگرچہ اس امر کا تعین نہیں تھا کہ ان پر ہندستان کے قوانین عائد کیے جائیں گے یا انگلستان کے۔ اس کی وجہ سے بعد میں معاملات میں بڑی خرابی پیدا ہوئی۔

دوسرا باب

حقوق دیوانی، قانون تنظیم اور پٹ کا قانون ہند

جنگ پلاسی (سنہ ۱۷۵۷ء) کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوجی بالادستی بنگال میں مسلم ہو چکی تھی۔ کمپنی کے گورنر نوابوں کو مقرر کرتے اور اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے اُن سے مفید مطلب شرائط تسلیم کراتے تھے۔ نواب میر قاسم اور انگریزی حکام میں تجارتی محصولات کے تعین کے متعلق اَن بن ہوگئی۔ بات یہ تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم نجی تجارت سے خوب مالا مال ہو رہے تھے۔ اس لیے کہ انھیں کسی قسم کا کوئی محصول نہیں ادا کرنا پڑتا تھا۔ درحقیقت فرخ سیر کے فرمان اور نواب میر جعفر کے معاہدے کی رُو سے صرف کمپنی کے مال کو محصولات سے مستثنیٰ کیا گیا تھا۔ انگریز تاجروں نے اس کی یہ توجیہ کی کہ اندرون ملک کی تجارت پر اُن سے کوئی محصول نہیں لیا جائے۔ میر قاسم نے حکومت کی مالی ابتری دُور کرنے کے لیے کمپنی کے اعلیٰ حکام کی توجہ اس طرف منعطف کرائی، لیکن انھیں اس کی تجویز پسند نہیں آئی۔ اس واسطے کہ خود کلکتہ کونسل کے ارکان نجی کی تجارت سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ میر قاسم نے تنگ آکر تمام تجارتی محصول ہر ایک کے لیے معاف کر دیے تاکہ انگریز تاجروں کو دیسی تاجروں پر کوئی ترجیح نہ باقی رہے۔ کمپنی کے ملازم چاہتے تھے کہ دیسی تاجروں سے تو محصول وصول کیا جائے لیکن اُن سے کچھ نہ لیا جائے۔

اس پر میر قاسم اور کمپنی کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوگئی اور نوبت جنگ تک پہنچی۔ ۱۲۔ اکتوبر سنہ ۱۷۶۴ء بکسر کے مقام پر انگریزی افواج نے میر قاسم کو شکست دی۔ بادشاہ شاہ عالم اور شجاع الدولہ والئی اودھ نے اس جنگ میں میر قاسم کی اعانت کی تھی۔ اگر انگریز چاہتے تو اودھ اور الہ آباد کے علاقے بھی اس وقت اپنی عملداری میں شامل کر لیتے لیکن کلائیو نے بڑی دانش مندی سے کام لیا۔ وہ جانتا تھا کہ کمپنی میں ابھی اتنی سکت نہیں ہے کہ ان علاقوں کے نظم و نسق کا بار اٹھا سکے چنانچہ ۱۶۔ اگست سنہ ۱۷۶۵ء کلائیو نے شاہ عالم اور شجاع الدولہ سے الہ آباد میں معاہدہ کیا جسے عہد حالیہ کی دستوری تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس معاہدے کی رُو سے شاہ عالم نے کمپنی کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی یعنی مال گزاری اور دوسرے محصولات وصول کرنے کا حق عطا کیا۔ اس کے صلے میں کمپنی نے شاہ عالم کو ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ بطور حقوق شاہانہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ شجاع الدولہ سے الہ آباد اور چنار کے قلعے چھین لیے گئے اور کڑے کا علاقہ شاہ عالم کے حوالے کیا گیا۔ شجاع الدولہ نے ۵ لاکھ روپے بطور تاوان کمپنی کو ادا کیے۔ اس معاہدے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی دستوری حیثیت بہ نسبت پیشتر کے بہت زیادہ بلند ہوگئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کے حقوق دیوانی ملنے سے ان علاقوں میں دوعملی کا دور شروع ہوا۔ بنگال کے نواب کے ذمے جو کمپنی کا نامزد کردہ ہوتا تھا، صرف نظامت یعنی فوج داری کا کام رہ گیا چونکہ کمپنی پورے دَر و بست کی ذمہ دار نہ تھی۔ اس لیے انتظام میں بڑی ابتری پیدا ہوگئی۔ کلائیو نے میر جعفر کے بیٹے نجم الدولہ کو برائے نام نواب

رہنے دیا اس لیے کہ وہ پارلیمنٹ پر یہ بات ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا کہ کمپنی کے اصل اختیارات کی وسعت کس حد تک پہنچ چکی ہے۔ اس کو اندیشہ تھا کہ ایسا کرنے سے کمپنی کے مخالفین تمام معاملات کو معرض بحث وتحقیق میں نہ لے آئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب بنگال، بہار اور اوڑیسہ کی دیوانی کے انصرام کے ساتھ کمپنی پر ان علاقوں کی حفاظت کی فوجی ذمہ داری بھی عائد ہوگئی تھی۔ کلائیو نے کمپنی کے انتظام کو بہتر بنانے کی انتہائی کوشش کی۔ اُس نے کمپنی کے ملازمین سے اس اقرارنامے پر دستخط کرائے کہ وہ آیندہ ذاتی کاروبار نہ کریں گے اور نہ تحفے تحائف قبول کریں گے۔ لیکن چونکہ خود اس نے اس اصول پر عمل نہیں کیا اس لیے دوسروں نے بھی اس کی پابندی نہیں کی۔ حقوق دیوانی ملنے کے بعد کلکتہ کونسل کو براہ راست نظم ونسق سے واسطہ پڑا۔ ملکی انتظام کے متعلق کونسل کو نہایت اہم اور دور رس فیصلے کرنے پڑتے تھے۔ کلکتہ کونسل ۱۹ ارکان پر بشمول گورنر مشتمل تھی۔ سب ارکان کا کلکتہ میں رہنا لازمی تھا۔ اس لیے کہ نقل وحرکت کی سہولتیں اس زمانے میں موجود نہ تھیں۔ اگر کوئی رکن اندرونِ ملک کی کسی کوٹھی میں متعین ہو تو ایسی حالت میں اُس کی رائے حاصل کرنے میں سخت دشواری پیش آتی تھی۔ کام میں سہولت پیدا کرنے کے لیے کلائیو نے کونسل کے ارکان کی ایک مجلس منتخبہ مقرر کردی تھی جو جملہ تجارتی اور سیاسی امور کے متعلق قطعی فیصلے نافذ کرتی تھی۔ اس مجلس منتخبہ میں گورنر، کمانڈر ان چیف اور کونسل کے تین ارکان شریک ہوتے تھے۔ تجارتی اور سیاسی عہدناموں کی توثیق کلکتہ کونسل لازماً مجلس نظمار سے کراتی تھی۔

مجلس منتخبہ کو عملاً یہ اختیار حاصل ہوگیا تھا کہ وہ اپنے کسی سول ملازم کو مقتدرانہ اختیارات تفویض کر دے۔ ایسی صورت میں فوجی حکام کو بھی اس سول ملازم کی تابعداری لازم ہوتی تھی۔ دراصل کلائیو اس ترکیب سے کمپنی کے فوجی افسروں کو سول حکام کے تحت رکھنا چاہتا تھا۔

حقوق دیوانی حاصل ہونے سے انگلستان میں عام طور پر مشہور ہوگیا کہ کمپنی کی آمدنی میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ شرکائے کمپنی نے اپنے منافع کی سالانہ رقم میں اضافے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ خود حکومت انگلستان نے یکم فروری سنہ ۱۷۶۷ء کمپنی کے لیے لازمی قرار دیا کہ وہ ۴ لاکھ پونڈ سالانہ دو سال تک حکومت کو ادا کرتی رہے اس لیے کہ ہندستان میں کمپنی کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ شاہی افواج اور بیڑے کی مدد کے بغیر ممکن نہ ہوتی۔ اس رقم کے معاوضے میں کمپنی کو یہ حق دیا گیا کہ وہ ہندستان کے حاصل کردہ علاقوں کی آمدنی سے حسب دلخواہ مستفید ہو۔ شرکائے کمپنی کا منافع سنہ ۱۷۶۶ء میں ۶ فی صدی سے ۱۰ فی صدی کر دیا گیا اور سنہ ۱۷۶۷ء میں ۱۲½ فی صدی کرنا پڑا۔ اگرچہ بظاہر کمپنی کی آمدنی میں اضافہ ہوگیا تھا لیکن دراصل اس کی اندرونی انتظامی حالت قابلِ اطمینان نہ تھی۔ کمپنی کے ملازم نجی تجارت سے خوب فائدے حاصل کر رہے تھے اور دولت جمع کر رہے تھے۔ انگلستان میں اِن نو دولتوں کی تعداد دن بہ دن اس تیزی سے بڑھ رہی تھی کہ بعض لوگوں کو اندیشہ پیدا ہوگیا کہ کہیں وہ ملک کے قدیم طبقۂ امرا کی جگہ نہ لے لیں۔ لیکن باوجود کمپنی کے ملازموں کی اس انفرادی خوش حالی

اور تمول کے کمپنی پر قرض بڑھتا جا رہا تھا۔ باوجود آمدنی کے ان ذرائع کے جو کمپنی کو حاصل تھے وہ اس وقت ۶ لاکھ پونڈ کی مقروض تھی۔ کمپنی کی مستقل فوج اس وقت ۳۰ ہزار کے قریب ہوگئی تھی جس کے اخراجات کا بار اُٹھانا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ بادشاہ شاہ عالم اور نواب نجم الدولہ کو تقریباً دس لاکھ پونڈ سالانہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمپنی کے ملازموں نے وصول مال گزاری میں زیادہ ستانی سے کام لینا شروع کیا تاکہ آمدنی میں اضافہ ہو۔ صوبۂ بنگال کی رعایا پر، جو اب کمپنی کے نظم ونسق کے تحت آچکی تھی، اس دوعملی کے زمانے میں سخت مظالم روا رکھے گئے۔ باوجود اس کے کہ بنگال، بہار اور اوڑیسہ میں کئی سال سے قحط پھیلا ہوا تھا جس کے باعث تقریباً ایک چوتھائی آبادی موت کے گھاٹ اُتر گئی تھی۔ کمپنی کی مال گزاری میں کسی قسم کی تخفیف نہیں کی گئی غرض کہ حقوق دیوانی ملنے سے کمپنی کو بنگال، بہار اور اوڑیسہ میں غیر ذمہ دارانہ نوعیت کا اقتدار حاصل ہوگیا۔ نواب بنگال کے نائب یوں کہنے کو امور فوجداری میں خود مختار تھے لیکن وہ انگریزی حکام کے اشارے پر چلتے تھے۔

کلائیو کے انگلستان واپس جانے کے بعد کمپنی کے ملازم نجی تجارت کھلم کھلا کرنے لگے۔ رشوت ستانی کا بازار گرم ہوگیا۔ انگریزی گماشتے بلاروک ٹوک اہل معاملہ سے تحفے تحائف وصول کرتے تھے اس لیے کہ ان کی تنخواہیں ناکافی تھیں۔ جو حکام مالیہ جمع کرنے پر مامور کیے جاتے وہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی فکر میں رہتے اور جلد از جلد انگلستان واپس جانے کا خیال انھیں دامنگیر رہتا تھا تاکہ

وہاں پہنچ کر اپنے تئیں طبقۂ امرا میں شامل کرلیں پارلیمنٹ کے رکن
بن جائیں اور اپنے ہم چشموں میں عزت و فوقیت حاصل کریں۔ بنگال
کی اس بدنظمی کا علم ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظار کو ہوا تو انھوں نے
سوچا کہ اگر رعایا کی تباہی اور انتظامی ابتری کی حالت یہی رہی تو کمپنی
کی آمدنی آیندہ اور بھی گھٹ جائے گی۔ انگلستان کی پبلک میں عام طور
پر ان انگریزی حکام کی زیادہ ستانیوں کے قصے مشہور ہو رہے تھے
جو خود دولت مند بننے کے لیے رعایا پر ہر طرح کے ظلم کرتے تھے۔
چنانچہ پارلیمنٹ میں یہ سوال اُٹھایا گیا کہ تجارتی کمپنی کو خود اپنے صوابدید
پر تسخیر ممالک کا حق کس نے دیا؟ پارلیمنٹ کے بعض ارکان نے جن میں
برک، فورڈ، بارلے اور جنرل بورگوئین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں پارلیمنٹ
کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اگر شاہ ہندوستان کے تمام مقبوضات
کو براہ راست اپنے اقتدار و تصرف میں لینے کے لیے تیار نہیں ہو
تو اندیشہ ہو کہ کمپنی ان علاقوں کی حکومت کی ذمہ داریوں سے کماحقہ
عہدہ برآ نہیں ہو سکے گی۔ بقول برک "ایسٹ انڈیا کمپنی کا مقصد مشرق
میں صرف تجارت کی توسیع نہیں ہو بلکہ وہ اس ملک (انگلستان) کی
قوت و اقتدار کی نمایندگی کرتی ہو"۔ پس اگر کمپنی کے انتظامات کی
خرابی سے اُس کی قوت کمزور ہوگئی تو اس سے پوری انگریزی قوم
کے وقار کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اس بنا پر مجلس نظار نے وارن
ہسٹنگز کو، جو کلکتہ کونسل کا ایک رکن تھا اور وسیع تجربہ رکھتا تھا
بنگال کا گورنر مقرر کیا۔ اس کو اختیار دیا گیا کہ وہ کمپنی کے انتظامات
کو بہتر بنانے کے لیے تدابیر اختیار کرے۔ وارن ہسٹنگز نے وہ عملی

کے طریقے کو ختم کر دیا اور بنگال، بہار اور اوڑیسہ کے پورے نظم و نسق کو اپنے تحت کر لیا۔ اس نے تھوڑی بہت انتظامی اصلاح کی لیکن کمپنی کی مالی حالت میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوئی۔

اگرچہ اس زمانے میں انگلستان میں ایک جماعت ایسے ارباب فکر کی موجود تھی جو تجارتی معاملات میں حکومت کی مداخلت کو بُرا سمجھتی تھی۔ لیکن چونکہ بنگال کے حقوق دیوانی ملنے سے کمپنی کی حیثیت میں ایک نمایاں تغیر پیدا ہو گیا تھا اس لیے نئے حالات کا اقتضا یہ تھا کہ پارلیمنٹ کمپنی کے معاملات پر بالکل نئے سرے سے غور کرے۔ ہندستان میں اس وقت کمپنی کے زیر تصرّف نہایت وسیع علاقے آ چکے تھے جن کی وسعت انگلستان سے زیادہ تھی۔ اب ضرورت اس کی تھی کہ پارلیمنٹ کمپنی کے نظم و نسق کے متعلق ایک اصول مقرر کرے جس کے مطابق ہندستان میں اُس کی سیاسی ذمہ داریوں کا جائزہ لینا ممکن ہو۔ در اصل خود کمپنی کے بعض ہوشمند ملازم یہ چاہتے تھے کہ شاہ برطانیہ کمپنی کے سیاسی معاملات میں دخل دے۔ اور اس کی ذمہ داریوں میں شریک ہو۔ اہلِ نظر پر اب یہ امر پوشیدہ نہ رہا تھا کہ ہندستان میں کوئی قوت ایسی باقی نہیں رہی ہو جو کمپنی کو سلطنت مغلیہ کا جانشین بننے سے باز رکھ سکے۔ لیکن انگلستان کی سیاسی اور اقتصادی روایات اس بات کی مقتضی تھیں کہ اس باب میں پارلیمنٹ جو کچھ کرے وہ بتدریج اور احتیاط سے کرے۔ یہ ناممکن تھا کہ ایک جنبش قلم سے کمپنی کا خاتمہ کر دیا جائے اس کے سب کارگزاروں کو شاہی خدمت میں لے لیا جائے اور کمپنی کے تمام ہندستانی مقبوضات کا در و بست براہِ راست پارلیمنٹ اپنے

ہاتھ میں سے لے۔ لیکن کمپنی کی مالی حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی
اور وہ اپنی بد انتظامی کی بدولت دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ چکی
تھی۔ بنک آف انگلینڈ نے اسے قرض دینے سے انکار کردیا مجلس نظمار
کے ارکان نے مجبور ہو کر حکومت وقت سے قرض کی درخواست کی۔
لارڈ نارتھ وزیر اعظم انگلستان نے کمپنی کی مالی امداد کا وعدہ کیا بشرطیکہ
کمپنی اپنے معاملات میں پارلیمنٹ کی دخل اندازی کے اصول کو تسلیم
کرے۔ مجلس نظمار نے جب اس پر رضامندی ظاہر کی تو لارڈ نارتھ
کی تجویز پر پارلیمنٹ نے ۲۶۔ نومبر سنہ ۱۷۷۲ء کو ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر
کی جس کے ذمے یہ کام تفویض کیا گیا تھا کہ وہ کمپنی کے معاملات کے
متعلق ایک رپورٹ مرتب کرے۔ یہ رپورٹ ۱۳۔ مئی سنہ ۱۷۷۳ء کو
پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہوئی اور ۱۸۔ مئی سنہ ۱۷۷۳ء کو لارڈ نارتھ
نے قانون تنظیم کے نام سے ایک مسودۂ قانون کو پارلیمنٹ کی منظوری
کے لیے پیش کیا جس میں کمپنی کے معاملات کی درستگی کے متعلق تجاویز
تھیں۔ اس قانون کی رو سے کمپنی کے نظم ونسق میں شاہ یا وزارت
وقت کو دخل اندازی کرنے کا حق حاصل ہوگیا۔ پارلیمنٹ نے ۱۴ لاکھ
پونڈ کی رقم ۴ فی صدی سالانہ سود پر منظور کردی اور کمپنی پر لازم قرار
دیا گیا کہ وہ ششش ماہی گزرنے پر اپنے حسابات خزانہ عامرہ کے روبرو
تنقیح کے لیے پیش کرے۔ ہم قانون تنظیم کو ہندستان میں انگریزی
نظامِ حکومت کا سنگِ بنیاد کہہ سکتے ہیں۔ اس قانون کے بموجب کمپنی
کے معاملات پر پارلیمنٹ کی نگرانی قائم ہوگئی۔ نظم ونسق کی خرابیاں
دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ کمپنی کے ملازموں کے اختیارات محدود

کیے گئے۔ زیادہ ستانی، رشوت اور تحفے تحائف کی رسوم کا سدِّ باب کیا گیا اور خود مجلس نظار کے دستور میں تبدیلیاں کی گئیں تاکہ کمپنی کے انتظامات میں استحکام پیدا ہو۔ اس قانون کی اہم دفعات مندرجۂ ذیل ہیں۔

مجلس نظار کے چوبیس ارکان میں سے ہر سال چھ کا باری باری سے انتخاب ہوا کرے گا جو چار سال تک اپنے عہدے پر فائز رہیں گے۔ کوئی شخص جو ہندستان یا جزائر شرق الہند میں کسی فوجی یا سول عہدے پر رہ چکا ہو ناظم مقرر نہ ہو سکے گا سوا اس صورت کے کہ وہ ملازمت ترک کر چکا ہو اور اس کے بعد انگلستان میں دو سال سے مقیم ہو۔ نظما کے انتخاب میں کمپنی کے کسی حصّے دار کو جس کے حصّے ایک ہزار پونڈ سے کم ہوں حق رائے دہندگی حاصل نہ ہوگا۔ اگر کسی کے حصّے ایک ہزار پونڈ کے ہیں تو وہ دو رائے دینے کا مجاز ہوگا اور جس کے حصّے چھ ہزار پونڈ کے ہوں وہ تین رائے کا حق دار ہوگا۔ جس حصّے دار کے حصّے دس ہزار پونڈ یا اس سے بھی زائد رقم کے ہوں وہ چار رائے دینے کا مجاز ہوگا۔

بنگال کا گورنر گورنر جنرل کہلائے گا۔ اس کی کونسل چار ارکان پر مشتمل ہوگی جو پانچ سال کے لیے مقرر کیے جائیں گے۔ اس دوران میں انھیں برطرف نہیں کیا جاسکتا سوا اس صورت کے کہ مجلس نظما شاہ سے اس بارے میں درخواست کرے۔ صرف شاہ انھیں برطرف کرنے کا مجاز ہوگا۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل کے تمام فیصلے کثرتِ رائے سے طے ہوا کریں گے۔ اگر گورنر جنرل کو ارکان کونسل سے اختلاف ہو تو بھی وہ کثرت رائے کا پابند ہوگا۔ اگر کسی معاملے میں موافقت اور مخالفت

میں رائیں برابر ہوں تو گورنر جنرل کو فیصلہ کن رائے کا حق ہوگا۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل مدراس اور بمبئی کے احاطوں کی حکومت کی نگرانی کرے گا۔ مدراس اور بمبئی کے گورنروں کو اس کا حق نہ ہوگا کہ دیسی والیانِ ملک کے خلاف اعلانِ جنگ یا صلح کریں جب تک کہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی منظوری پہلے سے نہ حاصل کرلی گئی ہو، اِلّا اس صورت کے کہ جنگ یا صلح کی منظوری حاصل کرنے میں تاخیر کے باعث کمپنی کے مفاد کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا اس کی بابت براہ راست مجلس نظما سے گورنر کو احکام مل چکے ہوں۔ بمبئی اور مدراس کے گورنروں پر لازم ہوگا کہ ان احکام کی پابندی کریں جو انھیں وقتاً فوقتاً گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل سے ملتے رہیں۔ ان کا یہ فرض ہوگا کہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو ان تمام امور سے آگاہ کرتے رہیں جن کا تعلق ان کے علاقے میں کمپنی کے نظم و نسق، آمدنی اور دیگر مفاد سے ہو۔ اسی طرح گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل ان سب احکام کا پابند ہوگا جو اس کو مجلس نظما سے موصول ہوں اور اُن تمام امور کے متعلق جو کمپنی کے نظم و نسق، تجارت، مالیہ اور دیگر مفاد سے تعلق رکھتے ہوں مجلس نظما اس قسم کی تمام اطلاعات کو جو اسے گورنر جنرل سے موصول ہوں گی دو ہفتے کے اندر متعلقہ خط و کتابت کی نقول اور آمد و خرچ کے گوشواروں کے ساتھ مجلس وزرا کے روبرو پیش کرے گی بالخصوص کمپنی کے اہم فوجی اور سول معاملات کے متعلق خط و کتابت کی نقول متعلقہ وزیر کے سامنے پیش کرنا ضروری ہوگا۔

وارن ہیسٹنگز کو پہلا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ لفٹنٹ جنرل جان کلیورنگ

آنریبل جان مانس رچرڈ بارول اور فلپ فرانسس کونسل کے ارکان بذریعۂ قانون مقرر ہوئے۔ اگر گورنر جنرل کا انتقال ہو جائے یا وہ استعفا دیدے یا برطرف کر دیا جائے تو ایسی صورت میں اُس کی باقی ماندہ مُدتِ ملازمت کے لیے کونسل کے ارکان میں جو سب سے سینیر ہو گا اُس کو مقرر کیا جائے گا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اس کی مجاز ہو گی کہ اپنی تجارت کی ترقی کے لیے جن افسروں، ایجنٹوں اور عہدہ داروں کو چاہے مقرر کرے۔

فورٹ ولیم (کلکتہ) میں ایک عدالت عالیہ قائم کی جائے گی جو ایک میرمجلس اور تین ججوں پر مشتمل ہو گی جن کے واسطے لازمی ہو گا کہ وہ انگلستان یا آئرلینڈ میں کم از کم پانچ سال وکالت کر چکے ہوں۔ ان کی نامزدگی شاہ کی جانب سے عمل میں آئے گی۔ یہ عدالت عالیہ تمام دیوانی اور فوجداری، بحری اور مذہبی امور کے متعلق انفصالِ مقدمات کی مجاز ہو گی۔ وہ اس کی بھی مجاز ہو گی کہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے استصواب کے بعد عدالتی عہدہ داروں کا تقرر کرے اور ایسے قواعد وضوابط نافذ کرے جو قیام عدل و انصاف کے لیے ممد ہو سکیں گشتی عدالتیں کلکتہ اور اس کے مضافات نیز ان مقامات میں جہاں کمپنی کی تجارتی کوٹھیاں موجود ہیں قائم کی جائیں گی۔ عدالت عالیہ کا اختیارِ سماعت ان تمام برطانوی باشندوں پر مؤثر ہو گا جو بنگال، بہار اور اڑیسہ میں سکونت پزیر ہیں۔ وہ اس کی مجاز ہو گی کہ اگر کسی برطانوی باشندے یا کمپنی کے ملازم کے خلاف کسی جرم، نازیبا حرکت یا ظلم کے الزام میں مقدمہ دائر کیا گیا ہو تو اُس کی سماعت کرے۔ اور دادرسی کرے۔

لیکن عدالت عالیہ اس کی مجاز نہ ہوگی کہ گورنر جنرل یا کسی رکن کونسل کے خلاف کسی جرم کی بنا پر جو بنگال، بہار اور اڑلیسہ کے حدود میں ان سے سرزد ہوا ہو مقدمے کی سماعت کرے، سوائے اس حالت کے کہ ان پر سرقہ یا غداری کے الزام عائد کیے گئے ہوں۔ معمولاً گورنر جنرل یا کسی رکن کونسل پر کسی الزام کی بنا پر عدالت مذکور گرفتار کرنے یا قید کرنے کا حکم نافذ کرنے کی مجاز نہ ہوگی۔ اگر عدالت عالیہ کے فیصلے سے کسی کی حق تلفی ہو تو اُس کو حق ہوگا کہ اُس کے فیصلے کے بعد شاہ بہ اجلاس کونسل کے سامنے اس کا مرافعہ کرے۔

گورنر جنرل کی تنخواہ ۲۵ ہزار پونڈ سالانہ، ہر رکن کونسل کی تنخواہ ۱۰ ہزار پونڈ سالانہ۔ میر مجلس کی تنخواہ ۸ ہزار پونڈ سالانہ اور عدالت عالیہ کے ارکان کی تنخواہ ۶ ہزار پونڈ سالانہ ہوگی۔ مذکورۂ بالا عہدہ داروں کو اس کی مطلق اجازت نہ ہوگی کہ وہ کسی عنوان سے بھی تحفے تحائف یا نذرانے قبول کریں یا نجی کاروبار کریں۔ لیکن اگر پیشتر سے ان کا کسی پر قرضہ چلا آتا ہو تو انھیں اس کے وصول کرنے کی اجازت ہوگی۔ اسی طرح کسی افسر یا عہدہ دار کے لیے جو کمپنی کی سول یا فوجی خدمت پر مامور ہو اس کی اجازت نہ ہوگی کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ دیسی والیانِ ملک، ان کے وزراء یا ایجنٹوں سے تحفے تحائف یا انعام و اکرام وصول کرے۔ اگر کوئی افسر یا عہدے دار اس جرم کا مرتکب ہوگا تو اس سے قبول کردہ تحفے یا انعام سے دوگنی رقم بطور جرمانہ وصول کی جائے گی جس میں سے نصف کمپنی کے تصرف میں رہے گی اور باقی نصف اس شخص کو بطور انعام دی جائے گی جس نے اس کے متعلق حکام کمپنی کو اطلاع دی ہوگی۔

اگر کمپنی کا کوئی ملازم اپنی خدمت سے برطرف کر دیا جائے یا وہ خود مستعفی ہو جائے تو بغیر کمپنی کا اجازت نامہ حاصل کیے ہوئے وہ مشرقی ممالک میں نہ کاروبار کر سکے گا اور نہ کسی دوسرے تاجر کا ملازم ہو سکے گا۔ شاہِ انگلستان کی رعایا میں سے کوئی شخص جو کمپنی کا ملازم ہو اور اس پر فریب دہی کا الزام عدالت عالیہ میں ثابت ہو چکا ہو قرار واقعی جرمانے یا سزا کا مستوجب ٹھہرے گا اور آیندہ کے لیے کمپنی کی ملازمت سے محروم قرار دیا جائے گا۔ کمپنی اس کو انگلستان واپس جانے پر مجبور کر سکے گی۔

گورنر جنرل اور ارکان کونسل ایسے قواعد و ضوابط مرتب کرنے کے مجاز ہوں گے جن کو فورٹ ولیم (کلکتہ) اور کمپنی کی دوسری کوٹھیوں میں عمدہ انتظام قائم کرنے کے لیے ضرورت ہو۔ لیکن یہ قواعد و ضوابط کسی طرح بھی انگلستان کے قوانین کے خلاف نہیں ہونے چاہئیں۔ یہ قواعد و ضوابط اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتے جب تک کہ عدالت ان کی رجسٹری نہیں کر دے گی۔ گورنر جنرل ان قواعد کی نقول مجلس نظما کو روانہ کرے گا جو انھیں وزیر متعلقہ کے سامنے پیش کرے گی۔ تاج ان قواعد و ضوابط کو نامنظور کر سکے گا۔

اگر گورنر جنرل یا کوئی اور ملازم کمپنی قانون تنظیم کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی کرے یا کسی جرم یا بدعنوانی کا مرتکب ہو یا شاہی رعایا میں سے کسی کے حقوق یا کسی ہندستانی باشندے کو اس کے حقوق سے محروم کیا ہو تو ایسی صورت میں ہز مجسٹی کی عدالت میں انگلستان میں اس کے مقدمے کی سماعت ہوگی۔ اگر شاہی عدالت میں ان بدعنوانیوں کی پاداش میں، جو ہندستان میں سرزد ہوئیں، الزام ثابت ہو تو میر مجلس اور عدالت عالیہ

کے جج اور مدراس و بمبئی کی عدالت ہائے میر بلدیہ گواہوں کی شہادتوں کی تنقیح کریں گی اور اس ضمن میں جو ثبوت فراہم ہوں انھیں باقاعدہ قلم بند کریں گی۔ اگر میر مجلس یا عدالت عالیہ کے جج اس قانون (قانون تنظیم) کی خلاف ورزی کریں یا اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری میں کوتاہی کریں یا ان سے کوئی قصور سرزد ہو تو انگلستان کی شاہی عدالت مجاز ہوگی کہ گورنر جنرل اور ارکان کونسل کے ذریعے شہادت حاصل کرے لارڈ ہائی چانسلر اور دارالعوام کے صدر کو یہ اختیار ہوگا کہ اگر ہندستان میں اس قانون (قانون تنظیم) کی خلاف ورزی کی جائے تو وہ گورنر جنرل اور ارکان کونسل کے نام وارنٹ جاری کرسکتے ہیں اور میر مجلس اور عدالتِ عالیہ کے ججوں کے توسط سے شہادتیں قلمبند کرا سکتے ہیں۔ اِس کارروائی پر پارلیمنٹ کے برخاست ہونے یا ملتوی ہونے سے کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

قانونِ تنظیم کی بدولت ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظم و نسق کی بعض خرابیاں دور ہوگئیں۔ اس قانون کے نافذ ہونے کے قبل ہندستان میں تینوں پریسی ڈنسیاں ایک دوسرے سے بالکل آزاد تھیں۔ اور مجلس نظما سے براہِ راست تعلق رکھنے کی مجاز تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کمپنی کے ہندستانی مقبوضات میں جو سیاسی وحدت اور انتظامی یکسانیت ہونی چاہیے تھی وہ بالکل مفقود تھی۔ اس قانون کی رو سے کمپنی کے دروبست پر پارلیمنٹ کی نگرانی مسلم ہوگئی اور اس کے ساتھ کمپنی کی سیاسی حیثیت کو پارلیمنٹ نے باقاعدہ تسلیم کرلیا۔ لیکن اس قانون کے نفاذ سے بعض ایسی پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا ہوگئیں جن کا کمپنی کے نظم و نسق پر بہت

بڑا اثر پڑا۔ قانون تنظیم کی دفعات کے الفاظ یا تو اتفاقاً یا دیدہ و دانستہ ایسے مبہم رکھے گئے تھے کہ ان سے آگے چل کر دشواریاں پیدا ہوئیں۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل اور عدالت عالیہ کے اختیارات غیر متعین تھے اور اُن کے باہمی ربط و تعلق کی کوئی تشریح نہیں کی گئی تھی۔ غالباً اس عدم تعین کا باعث ایک تو اس وقت کے ہندستان کے سیاسی حالات تھے اور دوسرے انگلستان کے ارباب حل و عقد نے دستور کے مشکل مسائل کے حل سے جان بوجھ کر پہلوتہی کی۔ برطانوی سیاست کی ہمیشہ سے یہ خصوصیت خاصہ رہی ہو کہ بجائے اس کے کہ پہلے سے پیش بینی کر کے کسی منطقی منصوبے کے تحت دستور بنایا جائے، حالات کے اقتضا پر بہت کچھ چھوڑ دیا جاتا ہو۔ جوں جوں حالات بدلتے جاتے ہیں۔ دستور میں اُن کے مطابق تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ قانون تنظیم کے ذریعے پارلیمنٹ نے ان خاص سیاسی حالات کو تسلیم کیا جو ہندستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی کارروائیوں کی بدولت وقوع پذیر ہوئے۔ دراصل سنہ ۱۷۶۵ء میں حقوق دیوانی ملنے سے بنگال میں برطانوی محفوظہ(۱) کی شکل پیدا ہوگئی تھی۔ اس علاقے کا باقاعدہ الحاق عمل میں نہیں آیا تھا۔ بادشاہ دہلی اور ناظم صوبہ کے اختیارات ہنوز مسلم تھے اگرچہ اقتدار اعلیٰ کی تمام صفات، جو عملی سیاست میں اہمیت رکھتی ہیں کمپنی کو حاصل ہوگئی تھیں۔ گورنر جنرل کے اختیارات کچھ تو پارلیمنٹ سے ماخوذ تھے اور کچھ اس نے ناظم بنگال سے خود اپنی طرف منتقل کیے تھے۔ بقول البرٹ "کمپنی اپنی سہولت کے مطابق اپنے ان اختیارات کو جو اُسے مغل بادشاہ سے حاصل ہوئے تھے ان اختیارات کے مقابل لے آتی تھی جو اسے برطانوی

(1) Protectorate

قانون سے ملے تھے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کے تحت وہ اپنے افعال کی توجیہ کرسکتی تھی جو دوسرے کے تحت ناممکن ہوتا۔ ایک حیثیت سے کمپنی ایک غیر ذمہ دار مطلق العنان کی نمایندہ تھی اور دوسری حیثیت سے اس پر شاہی منشوروں اور پارلیمنٹ کے قوانین کی پابندی لازمی تھی ظاہر ہے اس صورت میں کمپنی کے ملازمین کے لیے یہ بات مفید مطلب تھی کہ وہ اوّل الذکر نوعیت کے تحت اپنے تئیں شمار کریں۔ اس طرح یہ بات بھی قدرتی تھی کہ انگریز مدبرین کمپنی کے مشرقی اصول حکومت کو شک وشبہہ کی نظر سے دیکھتے تھے اور انگریزی مقنن ان اصول کو ناقابلِ فہم اور ناقابلِ عمل تصوّر کرتے تھے۔" (البرٹ حکومت ہند ص۔۵۲)۔

قانون تنظیم کی زبان غیر متعین تھی۔ اگرچہ کمپنی کو عسکری اور انتظامی معاملات میں مکمل اختیارات حاصل ہوگئے تھے لیکن ان اختیارات کی نوعیت پورے طور پر بصراحت نہیں بیان کی گئی تھی۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو صدر عاملہ کے اختیارات حاصل تھے اور عدالت عالیہ کو مکمل عدالتی اختیارات دیے گئے تھے لیکن یہ بات واضح نہیں کی گئی تھی کہ اگر ان دونوں میں اختلاف رائے پیدا ہو تو کس کے فیصلے کو فوقیت حاصل ہوگی۔ عدالت عالیہ کے قائم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کمپنی کے انتظامی اور عاملانہ افعال کی روک تھام کی جائے اور اسے ان زیادتیوں سے روکا جائے جو دیسی امرا اور رعایا پر پچھلے دنوں روا رکھے گئے تھے اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو عدالت عالیہ کا اختیار گورنر جنرل کے اختیار سے زیادہ تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں اختلاف رائے پیدا ہونا لازمی تھا پھر

اس کی بھی توضیح نہیں کی گئی تھی کہ آیا کمپنی کے مقبوضات کے اندر دیسی لوگوں کے مقدمات میں اُن کے شخصی قانون کا نفاذ کیا جائے گا یا قانون انگلستان کا۔ ہندستان کے سماجی حالات اس قدر مختلف تھے کہ انگلستان کا قانون بعض اوقات نافذ کرنے سے سخت زیادتیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ جن کے باعث بے چینی پیدا ہوئی۔ قانون تنظیم اس باب میں بھی خاموش تھا کہ عدالت عالیہ کے حدود سماعت صرف برطانوی رعایا اور کمپنی کے ملازمین تک محدود ہوں گے یا ان سب باشندوں کے لیے وہ حق انفصال رکھتی ہے جو کمپنی کے مقبوضات میں سکونت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے متعلق بھی قانون تنظیم میں کوئی ذکر موجود نہیں تھا کہ عدالت عالیہ کے فیصلے ان دیسی باشندوں کے لیے کیا حیثیت رکھیں گے جو بنگال، بہار اور اڑیسہ میں رہتے ہیں اور ان علاقوں کے حقوق دیوانی کی بدولت کمپنی سے اُن کا براہ راست تعلق پیدا ہوگیا ہے۔ کیا کمپنی کے ملازموں میں ان دیسی گماشتوں کا بھی شمار کیا جائے گا جن کی خدمات مال گزاری وصول کرنے کے سلسلے میں کمپنی نے حاصل کی ہیں؟ آخر اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ فلاں شخص پر عدالت عالیہ کے فیصلے کا اطلاق ہوگا اور فلاں پر نہیں ہوگا؟ ایک حیثیت سے کمپنی کو حقوق دیوانی ملنے کے بعد سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کے کل باشندے برطانوی رعایا کہلائے جا سکتے تھے لیکن دوسرے نقطۂ نظر سے صرف وہ انگریز برطانوی رعایا کے زمرے میں آتے تھے جو انگلستان میں پیدا ہوئے تھے بعض مقننوں کے نزدیک کلکتے کے کل باشندے عام اس سے کہ وہ انگریز ہوں یا ہندستانی برطانوی رعایا شمار ہونے چاہئیں۔ غرضکہ ان مختلف قانونی توجیہوں کے سبب اس مسئلے میں بہت

اُلجھاؤ پیدا ہوگیا اور قانون کا اصلی منشاء غیر متعین رہا۔ چنانچہ قانون تنظیم کے نفاذ کے بعد گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل اور عدالت عالیہ میں ان تمام مذکورۂ بالا مسائل کے متعلق سخت اختلافات پیدا ہوئے جن کے سبب سے نظم و نسق کی دشواریوں میں اضافہ ہوا۔

کمپنی کے عاملانہ اختیار رکھنے والے عہدہ داروں اور عدالت عالیہ کے باہمی نزاع کو طے کرنے کے لیے وارن ہیسٹنگز نے یہ تجویز کی کہ عدالت عالیہ کے میر مجلس سر ایلیجا امپی کو صدر دیوانی عدالت کا بھی میر مجلس مقرر کر دیا تاکہ دیسی عدالتوں کے فیصلوں کے مرافعے اس کے ہاں ہوسکیں اور اس طرح دونوں عدالتوں کا باہمی تصادم کسی حد تک رفع ہو جائے۔ لیکن اس تدبیر سے مسئلہ حل نہ ہوا اور جو اُلجھاؤ پیدا ہو چکا تھا وہ نہ سُلجھ سکا۔ بالآخر سنہ ۱۷۸۱ء میں پارلیمنٹ نے قانون تنظیم کی ترمیم اور اس امر کی توضیح کر دی کہ عدالت عالیہ کو گورنر جنرل اور ارکان کونسل پر اقتدار حاصل نہ ہوگا۔ عدالت عالیہ کو مال گزاری کے متعلق کسی معاملے میں دخل دینے کا اختیار نہ ہوگا۔ گورنر جنرل اپنے حسب صوابدید صوبہ جاتی کونسلوں اور عدالتوں کے طریق کار کے متعلق قوانین وضع کر سکے گا۔ مال گزاری کے تمام معاملات دیسی عدالتوں میں طے ہوتے تھے جن کے طریق کار کا تعین کلیتہً گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے وضع کردہ قواعد و ضوابط کے بموجب ہوتا تھا۔ گورنر جنرل کے لیے ضروری تھا کہ وہ ان قواعد و ضوابط کی نقول مجلس نظما کو روانہ کرے اور ان کی منظوری حاصل کرے۔ غرضکہ قانون تنظیم کی اس جزوی ترمیم سے بعض عدالتی نقائص دُور ہو گئے۔ ہیسٹنگز کی تجویز کے مطابق دیسی عدالتوں میں مقامی رسوم و آئین کے

مطابق فیصلے ہونے لگے۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے وضع کردہ قواعد و ضوابط کی عدالت عالیہ میں رجسٹری ضروری نہیں رہی۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گورنر جنرل کے نمایندوں یعنے کلکٹروں کے لیے جو کمپنی کی مال گزاری وصول کیا کرتے تھے کسی قسم کا کوئی دباؤ باقی نہ رہا۔ سر الیجا امپی چاہتا تھا کہ کمپنی کے مقرر کردہ مجسٹریٹوں کی زیادہ ستانی کے خلاف اگر کوئی شخص مقدمہ عائد کرے تو اُس کی سماعت عدالت عالیہ میں ممکن ہو۔ لیکن روز مرّہ کے نظم ونسق میں یہ دونوں ایک دوسرے سے آزاد جماعتیں یعنی گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل اور عدالت عالیہ بغیر تصادم کے اپنے اپنے فرائض سے عہدہ برا نہیں ہوسکتی تھیں۔ خود گورنر جنرل کی کونسل کے ارکان میں آپس میں جھگڑے پیدا ہو گئے تھے جن کے سبب سے نظم ونسق میں خرابیاں رونما ہوگئیں۔ وارن ہیسٹنگز کے مخالفوں نے انگلستان میں اس کے خلاف خوب پروپگنڈا کیا۔ اور انتظام ملکی کی تمام بدعنوانیوں کا اس کو ذمّہ دار ٹھیرایا ان حالات میں پارلیمنٹ کی توجہ کمپنی کے نظم ونسق کی طرف ہوئی۔ وارن ہیسٹنگز اور سر الیجا امپی دونوں کو انگلستان واپس بلانے کے متعلق پارلیمنٹ نے تجویز منظور کی۔ لیکن مجلس شرکاے کمپنی نے اس تجویز کی کثرت رائے سے مخالفت کی اور اپنے دونوں عہدہ داروں کو واپس بلانے سے انکار کر دیا۔

۲۰۔ نومبر سنہ ۱۷۸۳ء کو مسٹر فاکس نے پارلیمنٹ میں ایک مسودۂ قانون پیش کیا کہ کمپنی کے نظم ونسق کو اُس وقت درست کرنا ممکن ہوگا جبکہ اس کا انتظام براہ راست شاہ اور وزرا کے تحت آجائے۔ مجلس شرکاے کمپنی اور مجلس نظما کو ختم کرکے ان کی بجائے سات ارکان کا ایک بورڈ مقرر

کرنا چاہیے جو کمپنی کے دروبست کا ذمہ دار ہو اور اگر ضرورت ہو تو عہدہ داروں کو برطرف کر سکے۔ اس طرح کمپنی کے نظم و نسق میں شاہی عمل دخل کے ذریعے سے اصلاح کی صورت ممکن ہوگی۔ پارلیمنٹ میں اس مسودہ قانون کی سخت مخالفت کی گئی۔ کمپنی کے حامیوں نے کہا کہ کمپنی کو اس کے جائز حقوق سے محروم کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ برک کی جادو بیانی مسودۂ قانون کی تائید میں تھی۔ رائے شماری کے وقت ۲۰۸ ارکان پارلیمنٹ نے موافقت میں اور ۱۰۲ نے مخالفت میں رائے دیں۔ لیکن دارالامرا میں اس مسودۂ قانون کی بڑے شد و مد کے ساتھ مخالفت کی گئی۔ خود بادشاہ جارج سوم نے اس کی مخالفت میں اپنا اثر استعمال کیا اور بالآخر کثرت رائے سے مسودۂ قانون دارالامرا میں رد کر دیا گیا۔ اسی زمانے میں لارڈ نارتھ کی وزارت کے مستعفی ہونے کے بعد ولیم پٹ نے اپنی وزارت قائم کی۔ انگلستان کی سیاست کی یہ ایک بوالعجبی ہے کہ مخالف فریق اپنی خاص مصلحتوں کی بنا پر ایک تجویز کی مخالفت کرتا ہے لیکن تھوڑے دنوں بعد جب وہی فریق برسر اقتدار ہو جاتا ہے تو کم و بیش اسی نوعیت کی تجویز کو جس کی اس نے پہلے مخالفت کی تھی، اب اپنی طرف سے پارلیمنٹ کی منظوری کے لیے پیش کرتا ہے۔ پٹ اور اس کی قدامت پسند جماعت نے فاکس کے مسودہ قانون کی دارالعوام میں سخت مخالفت کی تھی لیکن برسر اقتدار ہونے کے بعد تقریباً اسی نوعیت کا مسودۂ قانون پیش کرنے پر وہ مجبور ہوئے اس واسطے کہ کمپنی کے نظم و نسق کی اصلاح میں زیادہ تاخیر سے خطرناک نتائج کا اندیشہ تھا۔ یہ درست ہے کہ پٹ نے اپنے مسودۂ قانون میں کمپنی کے حق ملکیت کو ختم کرنے کی تجویز نہیں کی اور نہ اس کے ظاہری

اختیارات کم کیے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ فاکس بھی کمپنی کو اپنے حقوق سے بالکل محروم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا منشا صرف یہ تھا کہ کمپنی کے معاملات میں پارلیمنٹ کا عمل دخل بڑھ جائے۔ پٹ نے اپنے مسودۂ قانون کا منشا ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے :۔ "اس قانون کا مقصد یہ ہے کہ کمپنی کے معاملات پر سخت نگرانی قائم ہو جائے اور کمپنی کے مشرقی مقبوضات جمہور کے لیے محفوظ ہو جائیں ہم کمپنی کو اس کے حقوق ملکیت سے نہیں محروم کرنا چاہتے لوگوں کے مسلمہ حقوق میں مداخلت کیے بغیر ہم کمپنی کے نظم ونسق کو بہتر بنانا چاہتے ہیں" (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد ۵ ص ۲۰۰)۔ پٹ کے قانونِ ہند (سنہ ۱۷۸۴ء) کی اہم دفعات مندرجۂ ذیل ہیں :۔

ہز مجسٹی ملک معظم چھ ارکان کا ایک بورڈ مقرر کریں جو پریوی کونسل کے ارکان پر مشتمل ہو۔ ان چھ ارکان میں انگلستان کے وزیر مال اور ایک وزیر سلطنت کا شریک ہونا ضروری ہے۔ اس بورڈ کا نام مجلس نگراں (بورڈ آف کنٹرول) ہوگا۔ اس بورڈ کو مشرقی ممالک کے برطانوی مقبوضات کے سول، فوجی اور مالی معاملات میں دربست کے پورے اختیارات حاصل ہوں گے بورڈ کے ارکان کمپنی کے تمام کاغذات کا معائنہ کرنے کے مجاز ہوں گے۔ مجلس نظما کے لیے لازمی ہوگا کہ وہ اپنی تمام کارروائیوں اور احکام کی نقول بورڈ کو روانہ کرے، نیز ان مراسلات کی نقول بورڈ کے ارکان کے پاس بھیجی جایا کریں جو کمپنی کے مشرقی مقبوضات سے موصول ہوں مجلس نظما جو احکام اپنے ملازمین کے لیے بھیجے ان کے متعلق پہلے بورڈ کی منظوری لینا ضروری ہوگا۔ بورڈ ان کی نسبت دو ہفتے کے اندر تصفیہ کرکے مجلس نظما کو مطلع کرے گا۔ اگر بورڈ چاہے تو ان احکام میں تغیر وتبدل کر سکے گا۔ بغیر بورڈ کی منظوری کے مجلس نظما کسی

قسم کے احکام براہ راست اپنے عہدہ داروں کو بھیجنے کی مجاز نہ ہوگی۔
اگر بورڈ کو اندیشہ ہو کہ کوئی خاص احکام مجلس نظما کے توسط سے بھیجنے میں تاخیر ہوگی تو وہ براہ راست احکام بھیج سکتا ہے۔ مجلس نظما کے ارکان میں سے تین کی ایک خفیہ کمیٹی قائم کی جائے گی جو بورڈ آف کنٹرول کے احکام معمولاً ہندستان روانہ کیا کرے گی۔ لیکن ان تینوں ارکان کا فرض ہوگا کہ دوسرے نظما کو ان کارروائیوں کا علم نہ ہونے دیں۔ اس خفیہ کمیٹی کے توسط سے گورنر جنرل اور گورنروں کو جو احکام پہنچیں ان کی پابندی لازمی ہوگی۔ بورڈ آف کنٹرول کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین مقرر کرنے کا حق نہ ہوگا۔ مجلس نظما(۱) کو اختیار ہوگا کہ اعلیٰ عہدوں پہ کمپنی کے ملازمین سے کسی کا تقرر کرے لیکن گورنر جنرل، کمانڈر ان چیف اور گورنروں کے عہدوں پر کمپنی کے ملازمین کے علاوہ باہر کے دوسرے اشخاص کا تقرر کیا جاسکے گا۔ ہز مجسٹی ملک معظم گورنر جنرل، گورنر یا کسی فوجی یا سول عہدہ دار کو برطرف کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اگر ایسی صورت پیش آئے تو ملک معظم کے احکام کی نقل مجلس نظما کے صدر کے پاس بغرض اطلاع بھیجی جائے گی مجلس شرکائے کمپنی(۲) مجلس نظما کے کسی ایسے فیصلے کو رد نہیں کرسکے گی جسے بورڈ آف کنٹرول نے منظور کر لیا ہو۔

گورنر جنرل کی کونسل تین ارکان پر مشتمل ہوگی۔ ان تین میں کمانڈر ان چیف بھی شامل ہوگا۔ بمبئی اور مدراس کے گورنروں کی کونسلیں بھی گورنر کے علاوہ تین تین ارکان پر مشتمل ہوں گی اور پریسی ڈنسی کا کمانڈر ان چیف ان تین ارکان میں شامل ہوگا۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو اس کا اختیار

Board of Directors (۱)
Board of proprietors, (۲)

دیا جاتا ہو کہ وہ دوسری پریسی ڈنسیوں کی حکومت کی نگرانی کرے اور دیسی والیان ملک کے ساتھ جو انھیں معاملات پیش آئیں اُن میں ان کی رہنمائی کرے۔ ان پریسی ڈنسیوں کی افواج اور آمدنی کو بہ حالت جنگ گورنر جنرل اپنے اختیار تمیزی سے کمپنی کے مفاد کے لیے استعمال کر سکے گا۔ گورنروں پر گورنر جنرل کے احکام کی پابندی لازمی ہوگی اِلّا اس صورت کے کہ کسی خاص معاملے میں انھیں براہ راست مجلس نظما کی خفیہ کمیٹی سے احکام پہنچ گئے ہوں اور گورنر جنرل کو ان کے متعلق علم نہ ہو۔ گورنر جنرل اس کا مجاز نہ ہوگا کہ بغیر مجلس نظما یا خفیہ کمیٹی سے استصواب کیے دیسی والیان ملک میں سے کسی کے ساتھ جدید معاہدہ کرے یا اعلانِ جنگ کرے۔ اگر کمپنی کے مقبوضات پر والیانِ ملک میں سے کسی نے حملہ کر دیا ہو تو گورنر جنرل دفاعی کارروائی کر سکتا ہو اس صورت میں گورنر جنرل کا فرض ہوگا کہ اس کے متعلق مفصل اطلاع مجلس نظما یا خفیہ کمیٹی کو روانہ کرے۔

کوئی گورنر دیسی والیانِ ملک میں سے کسی کے خلاف معاہدہ یا اعلانِ جنگ نہیں کر سکتا جب تک کہ گورنر جنرل یا مجلس نظما یا خفیہ کمیٹی کے پاس سے اس کو اس باب میں قطعی ہدایات نہ مل گئی ہوں۔ لیکن اگر کمپنی کے علاقے پر حملہ کر دیا گیا ہو اور کمپنی کے مفاد کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں وہ دفاعی کارروائی کر سکے گا۔ اگر گورنر کوئی معاہدہ کرے تو اس میں یہ دفعہ ضرور رکھی جائے کہ اس کے نفاذ کے لیے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی منظوری لازمی ہوگی۔ وہ گورنر اور اس کی کونسل کے ارکان جو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے بحکم گورنر جنرل برطرف کیے جا سکتے ہیں۔ کمپنی کے عہدہ داروں پر لازم ہوگا کہ وہ ہندستان

کی روایات و رسوم کے مطابق مالیہ وصول کریں۔ گزشتہ زمانے میں زمینداروں اور کاشتکاروں کے ساتھ جو بے انصافی ہوئی ہو اس کی پوری تحقیقات کی جائے۔ کمپنی کے کسی ملازم کو اس کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ تحفے تحائف قبول کرے۔ اگر وہ اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا تو اس پر مقدمہ عائد کیا جائے گا۔

پٹ کے قانونِ ہند سے اگرچہ مجلس نظما کا ظاہری بھرم قائم رہا لیکن اصلی قوت اس کے ہاتھ سے نکل کر بورڈ آف کنٹرول کے قبضے میں آگئی جس پر حکومت وقت کے افراد پوری طرح حاوی تھے۔ اس طرح مجلس شرکائے کمپنی (بورڈ آف پروپرائٹرز) کے اختیارات بھی ختم ہوگئے یہ مجلس اگرچہ برائے نام باقی رہی لیکن اس کو یہ اختیار نہیں رہا کہ بورڈ آف کنٹرول کے منظور کردہ احکام میں ترمیم یا تبدیلی کرسکے۔ شرکا کا تعلق اب کمپنی سے بس اتنا رہ گیا کہ انھیں سالانہ منافع میں شریک کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ کمپنی کے معاملات میں براہِ راست ان کا کوئی عمل دخل باقی نہیں رہا۔ بورڈ آف کنٹرول وزارت کا ایک شعبہ ہوتا تھا جس کے ارکان میں حکومت کے بدلنے پر تبدیلی عمل میں آتی تھی بورڈ آف کنٹرول ایسٹ انڈیا کمپنی کے ان تمام معاملات میں بالعموم دخل دیتا تھا جن کا تعلق سیاسی حکمت عملی سے ہوتا تھا۔ تجارتی نظم ونسق بدستور مجلس نظما کے تحت رہا چونکہ مجلس نظما سے تمام کارروائیوں کی ابتدا ہوتی تھی اس لیے اس کے تھوڑے بہت سیاسی اختیارات بھی قائم رکھے گئے اور مسٹر ڈنڈس، صدر مجلس نظما کا کمپنی کے معاملات میں اثر باقی رہا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندستانی مقبوضات کے نظم ونسق میں پٹ

کے قانون ہند سے نہایت اہم تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ قانون تنظیم کی رو سے گورنر جنرل کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ صلح و جنگ کے متعلق تمام امور میں گورنروں کو مشورہ دے سکتا ہو لیکن اس کو یہ اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ جنگ کے اخراجات کے متعلق بھی وہ پریسی ڈنسیوں کی حکومت کو حکم دے سکے گا۔ پٹ کے قانون ہند کی رو سے گورنر جنرل کو یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ وہ جنگ کے اخراجات کے متعلق بھی پریسی ڈنسیوں کی حکومت کو احکام بھیج سکے۔ اس سے جنگ کے انتظام میں بڑی سہولت ہو گئی۔ حکومت بنگال کی حیثیت اس طرح بڑھ گئی۔ مرکزی حکومت ہند کی تشکیل میں یہ پہلا قدم تھا۔ جو اس قانون کی بدولت ہندستان میں اُٹھایا گیا۔ عملاً دوسرے مقبوضات اب کلیتہً کلکتے کی مرکزی حکومت کے تابع ہو گئے۔ اگرچہ قانوناً مجلس نظما کو گورنر جنرل کی تمام کارروائیوں میں مداخلت کرنے کا حق تھا۔ لیکن عملاً گورنر جنرل اپنی مرضی کو، باوجود مجلس نظما کی مخالفت کے اکثر اوقات موثر بنانے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ رسل و رسائل اور فاصلے کی دشواریوں کے باعث مجلس نظما مجبور تھی کہ گورنر جنرل کی مرضی پر بہت کچھ چھوڑ دے۔ لیکن جب مجلس نظما چاہتی تو اپنی مرضی کے مطابق گورنر جنرل کو کارروائی کرنے پر مجبور کر سکتی تھی۔

اگرچہ پٹ کے قانون ہند کی رو سے گورنر جنرل کی کونسل کے ارکان کی تعداد بجائے چار کے تین ہو گئی تھی لیکن پھر بھی اس کا امکان باقی تھا کہ اکثریت اس کے خلاف ہو جائے اور وہ اپنی رائے کو موثر نہ بنا سکے۔ وارن ہیسٹنگز کی واپسی پر جب لارڈ کارنوالس کمپنی کے ہندستانی مقبوضات کا گورنر جنرل مقرر ہوا تو اس نے اس عہدے کو اس شرط

پر قبول کرنے کی آمادگی ظاہر کی کہ گورنر جنرل کو اپنی کونسل کی اکثریت کی رائے کے خلاف عمل کرنے کا حق دیا جائے۔ وارن ہیسٹنگز کے عہد حکومت میں گورنر جنرل اور کونسل کے اختلافات کے باعث نظم ونسق میں اس قدر خرابیاں پیدا ہوئی تھیں کہ مجلس نظما اور بورڈ آف کنٹرول دونوں اس شرط کو منظور کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ سنہ ۱۷۸۶ء میں پٹ کے قانونِ ہند کی ترمیم عمل میں آئی اور گورنر جنرل کو حق دیا گیا کہ کمپنی کے مفاد کے مدّنظر وہ اپنی ذاتی ذمّہ داری پر کونسل کی اکثریت کے فیصلے کے خلاف عمل کر سکتا ہے۔

پٹ کے قانونِ ہند کے نافذ ہونے کے کچھ عرصے بعد مجلس نظما اور بورڈ آف کنٹرول میں اختلاف رائے پیدا ہوا۔ بات یہ تھی کہ بورڈ آف کنٹرول نے مجلس نظما کی مرضی کے خلاف شاہی افواج ہندستان بھیج دیں جن کے اخراجات کی ادائی کمپنی کے ذمّے تھی مجلس نظما نے اس پر اعتراض کیا۔ چونکہ مالی معاملات پٹ کے قانون ہند کی رو سے مجلس نظما کی منظوری کے بغیر نہیں طے ہو سکتے تھے اس لیے نہایت پیچیدہ دستوری مسئلہ پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہوا۔ بالآخر مفاہمت کی صورت پیدا ہوئی۔ بورڈ آف کنٹرول کا یہ حق تسلیم کیا گیا کہ وہ اپنے صوابدید پر شاہی افواج ہندستان بھیج سکے جن کے اخراجات کا بار کمپنی کی مالیات پہ ہوگا لیکن فوج کی تعداد محدود کر دی گئی۔ پارلیمنٹ نے اس کی صراحت کر دی کہ ہندستان میں تسخیر و توسیع سلطنت کے منصوبے انگریزی قوم کے منشا، اس کے وقار اور اس کی حکمت عملی کے قطعاً منافی ہیں۔

عملی حیثیت سے پٹ کا قانون ہند سنہ ۱۸۵۸ء تک رائج رہا۔ ضمنی تبدیلیاں بعد میں مختلف منشوروں کے ذریعے عمل میں آتی رہیں۔ لیکن کوئی بنیادی فرق ان کی وجہ سے نہیں پیدا ہوا۔ اس قانون کی منظوری کے بعد کمپنی کے ہندستانی مقبوضات برطانوی مقبوضات قرار پائے۔ اب ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات کی ایسی زبردست سیاسی اہمیت ہوگئی تھی کہ انھیں ایک تجارتی کمپنی پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا بلکہ ضرورت اس امر کی محسوس کی گئی کہ وہاں انگلستان کے بادشاہ کی فرماں روائی قائم ہو۔ چنانچہ ۱۷۸۴ء کے بعد کمپنی کے ہندستانی مقبوضات کے نظم ونسق کی یہ خصوصیت ہے کہ کمپنی اور شاہ برطانیہ دونوں ذمہ داری میں برابر کے شریک ہیں۔ کمپنی کی حکومت تنہا ان ذمہ داریوں کا بار اُٹھانے سے قاصر تصور کی گئی جو ہندستان کے وسیع علاقوں کے اس کے تحت آجانے سے اس پر عائد ہوگئی تھیں۔ اس کے ماسوا اس زمانے میں حیدر علی اور مرہٹوں کے درباریں فرانسیسی مہم جویوں کی ساز باز سے کمپنی کے لیے سیاسی خطرات پیدا ہو رہے تھے۔ ظاہر ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی شاہی اعانت کے بغیر ان خطروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ پٹ کے قانون ہند کی بدولت پارلیمنٹ کا عمل دخل کمپنی کے دروبست میں بڑھ گیا اور ہندستان کے سیاسی معاملات کا تعلق صرف ایسٹ انڈیا کمپنی سے نہیں رہا بلکہ کل انگریزی قوم سے ہوگیا جس کی نمایندگی شاہ اور پارلیمنٹ کرتے ہیں۔

تیسرا باب

ہندستان میں انگریزی اقتدار کی توسیع

منشوراتِ شاہی

(سنہ ۱۷۹۳ء تا سنہ ۱۸۵۳ء)

قانون منشور سنہ ۱۷۹۳ء

ایسٹ انڈیا کمپنی کو سنہ ۱۷۷۳ء میں ہندستان کا تجارتی ٹھیکہ بیس سال کے لیے حاصل ہوا تھا۔ کارنوالس کی گورنر۔ جنرلی کے اختتام پر یہ بیس سال کی توسیع ختم ہوئی۔ چنانچہ سنہ ۱۷۹۳ء میں یہ مسئلہ زیرِ غور آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ فرانس اور انگلستان میں یورپ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اس لیے پارلیمنٹ میں مسئلۂ ہند پر اتنا وقت بحث و مباحثہ کے لیے نہیں وقف کیا جا سکتا تھا جتنا کر ویسے امن کی حالت میں کیا جاتا۔ مسٹر ڈنڈس صدر مجلس نظما کی تحریک پر پارلیمنٹ نے کمپنی کے ٹھیکے میں مزید بیس سال کی توسیع کر دی۔ بورڈ آف کنٹرول کے ارکان اور عملے کی تنخواہوں کا بار مالیات ہند پر ڈالا گیا اور بورڈ کے دو ارکان کے لیے پریوی کونسل کی رکنیت کی شرط لازمی نہیں قرار دی گئی۔ گورنر جنرل اور گورنروں کی کونسلوں کے طریق کار کا تعین کیا گیا۔ یہ بھی منظور ہوا کہ گورنر جنرل کی کونسل کے ارکان میں کمانڈر ان چیف کا ہونا ضروری نہیں ہے جب تک کہ اس کو خاص طور پر مجلس نظما رکن

مقرر نہ کرے۔ اگر گورنر جنرل، کمانڈر ان چیف اور کمپنی کے دوسرے اعلیٰ عہدہ دار ہندستان سے یورپ آنے کے لیے روانہ ہوں گے تو تصور کیا جائے گا کہ وہ اپنے عہدے سے علیحدہ ہوگئے ہیں۔ گورنر جنرل کے اختیارات کو کمپنی کے تمام ہندستانی مقبوضات پر اور زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا۔ گورنر جنرل کے اپنی کونسل کی اکثریت کے خلاف فیصلہ کرنے کے حق کو مکرر واضح کیا گیا اور یہی حق بمبئی اور مدراس کے گورنروں کو اپنی کونسلوں کے متعلق دیا گیا۔

کمپنی کی تجارت اور مالی حالت کے متعلق اس منشور کی چند دفعات میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔ شرکائے کمپنی کو ان کے سرمایے پر دس فی صدی منافع دیا جائے گا اور کمپنی کے خزانے میں، اپنے ضروری اخراجات، سالانہ منافع اور قرضے کا سود نکال کر جو کچھ بچے گا اس میں سے ۲۵ لاکھ پونڈ سالانہ شاہ برطانیہ کو ادا کیا جائے گا تاکہ اصل قرضہ بتدریج ہلکا ہوتا جائے کمپنی اور شاہ کے مابین فوجی اخراجات کے باہمی مطالبات کی فہرست نہایت طویل تھی۔ چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ کمپنی پر اس ضمن میں جو رقم واجب الادا ہے وہ واگزاشت کر دی جائے اور آیندہ سے صرف ان شاہی افواج کے خرچے کا بار کمپنی پر عائد کیا جائے جو کمپنی کی ملازمت میں ہندستان میں موجود ہیں۔ یہ مسئلہ اب تک مابہ النزاع تھا کہ اگر مشرقی ممالک کے کسی سمندر پر ارتکاب جرم ہو تو اس کا مقدمہ ہندستان میں پیش ہوگا یا انگلستان میں؟ اس منشور کی رو سے عدالت عالیہ کو مجاز گردانا گیا کہ وہ ان مقدمات کی سماعت کرے جن کا تعلق مشرقی ممالک کے سمندروں سے ہے۔ پریسی ڈنسیوں میں محکمۂ حفظان صحت کو رعایا پر علیحدہ محصول

عائد کرنے کی اجازت دی گئی اور منشیات کی فروخت کے لیے لائسنس ضروری قرار دیا گیا۔ اس منشور کے بعد سنہ ۱۷۹۹ء، سنہ ۱۸۰۰ء اور سنہ ۱۸۰۷ء میں پارلیمنٹ کی حکومت کے سبب ضمنی قوانین منظور کئے جن کا زیادہ تر تعلق عدالتی اصلاح سے تھا۔

قانون منشور سنہ ۱۸۱۳ء

ولزلی کے پیشِ نظر یہ مقصد تھا کہ انگریزی غلبہ اور سیادت کو ہندستان کے والیانِ ملک سے تسلیم کرائے۔ اس غرض کے لیے اس نے عہدِ معاونت کے اصول پر عمل کیا جس کے بموجب دیسی والیانِ ملک کمپنی سے معاہدہ کرتے تھے کہ وہ اپنی حفاظت کے لیے انگریزی فوج رکھیں گے جس کے اخراجات کا بار ان کے خزانے پر ہوگا اور کسی خارجی قوت کے ساتھ کمپنی کی اجازت کے بغیر سیاسی تعلقات نہیں قائم کریں گے۔ لطف یہ ہو کہ ولزلی اپنی اس حکمت عملی کو پٹ کے قانونِ ہند کے مطابق بتاتا تھا جس میں صریحاً مذکور تھا کہ ہندستان میں فتوحات حاصل کرنا اور اپنے مقبوضات میں اضافہ کرنا اہل انگلستان کے منشا وقار اور حکمت عملی کے قطعاً منافی ہو۔ لیکن اس قانون میں گورنر جنرل کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ دفاعی جنگ کرسکتا ہو۔ چنانچہ ولزلی نے اپنی تمام جنگوں اور سیاسی منصوبوں کو دفاعی قرار دیا اور یہ تاویل پیش کی کہ بغیر جنگ کے برطانوی مفاد کی حفاظت ناممکن ہو۔ اگرچہ ولزلی کی غیر معمولی فتحمندی سے اس کے مخالفوں کی زبانیں بند ہوگئی تھیں لیکن اس کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے کمپنی کے خزانے کو بہت زیر بار ہونا پڑا۔ اس کے علاوہ کمپنی کا بیس سال کا ٹھیکہ ختم ہونے والا تھا اس لیے ضرورت تھی کہ اس کے معاملات پر غور و فکر کیا جائے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۰۸ء میں دارالعوام کی ایک مجلس

مقرر کی گئی تاکہ کمپنی کی مالی حالت کے متعلق تحقیقات کرے اور پارلیمنٹ کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کرے۔ برابر چار سال کی چھان بین کے بعد مجلس نے سنہ ۱۸۸۲ء میں اپنی رپورٹ پیش کی جس میں ہندوستانی مقبوضات کے طریق مال گزاری، عدالت اور پولیس کے انتظام پر نہایت مفصل اور مفید معلومات جمع کی گئیں۔ انگلستان کے تجارت پیشہ لوگ کمپنی کے ہندستانی ٹھیکے کے سخت خلاف تھے۔ کمپنی کے نظما کی یہ کوشش تھی کہ بلا شرکت غیرے ہندستانی تجارت کا ٹھیکہ انھیں کے پاس رہے۔ چونکہ نپولین اعظم نے یورپ کی بیش تر بندرگاہوں میں انگریزی مال کی درآمد ممنوع قرار دے دی تھی اس لیے انگریزی مال کی نکاسی بہت کم ہو گئی تھی۔ انگریزوں کے تاجر پیشہ طبقے پر نہایت پریشانی کا زمانہ گزر رہا تھا۔ چنانچہ جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے ٹھیکے کی تجدید کا زمانہ آیا تو انگلستان کے صنعتی شہروں کی طرف سے پارلیمنٹ کے سامنے محضر پیش کیے گیے اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہندستان کی تجارت بلا مزاحمت تمام انگریز تاجروں کے لیے کھول دی جائے کہ بغیر اس کے ملک کی صنعت کی ترقی ممکن نہیں۔ کمپنی کے نمایندوں نے اپنے مفاد و مراعات کو بچانے کی ہر چند کوشش کی اور یہ دعویٰ پیش کیا کہ بغیر تجارتی ٹھیکے کے کمپنی ہندستان کی سیاسی ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برآ نہیں ہو سکے گی لیکن پارلیمنٹ رائے عامہ کے سامنے مجبور ہو گئی اور کمپنی کو ٹھیکہ توڑنا پڑا۔

اس مسئلے پر بہت بحثیں رہیں۔ تجربہ کار لوگوں کی شہادتیں قلمبند کی گئیں۔ بوڑھے وارن ہیسٹنگز نے بھی دارالعوام کے سامنے شہادت دیتے ہوئے اس امر کی تصدیق کی کہ اگر انگریز تاجروں کو بلا روک ٹوک ہندستان سے تجارت کرنے کی اجازت دے دی گئی تو اس کے نتائج بہت برے

نکلیں گے ۔ سر جان شور، سر جان ملکم اور سر ٹامس منرو جیسے تجربہ کار اور
کاردان حاکموں نے بھی وارن ہیسٹنگز کی تائید کی ۔ لیکن انگلستان کی اقتصادی
حالت کا اقتضا یہ تھا کہ ہندستان کے ساتھ تجارت کرنے کی عام اجازت
دی جائے ۔ چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ ہر مہم جو اور دولت جو کو ہندستان
جانے کا موقع نہیں دینا چاہیے ۔ بلکہ قیود عائد کرنی چاہئیں اور صرف
باعزت لوگوں کو جانے کی اجازت دینی چاہیے ۔ اس ضمن میں مسیحی مبلغین
کا معاملہ بھی زیر بحث آیا ۔ ولزلی اور بالخصوص منٹو کے زمانے میں مسیحی
مبلغین کی سرگرمیوں کو کمپنی کی حکومت بہ نظر استحسان نہیں دیکھتی تھی سنہ
۱۸۰۷ء میں منٹو نے اپنی ایک عرضداشت میں صدر مجلس نظما کو ان
خطرات سے آگاہ کیا تھا جو ہندستان میں مسیحی تبلیغ کے عام کرنے سے انگریزی
حکومت کے لیے پیدا ہو سکتے ہیں ۔ چنانچہ مسیحی مبلغین کے حامیوں نے اس
وقت جب کہ کمپنی کی مراعات کی تجدید کا مسئلہ پارلیمنٹ کے سامنے پیش تھا
اپنے مطالبات پیش کیے اور کمپنی کی حکومت کا یہ فرض ٹھیرایا کہ وہ مسیحی
تبلیغ کی ہندستان میں ہر ممکنہ طریق پر ہمت افزائی کرے ۔ غرض کہ مفاہمت
اس پر ہوئی کہ کمپنی مبلغین مسیحیت کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا
کرے گی اور انھیں اپنا کام کرنے کی آزادی حاصل ہوگی ۔ کئی سال کے
بحث مباحثوں کے بعد سنہ ۱۸۱۳ء میں قانون منشور منظور ہوا جس کی
اہم وضاحتیں مندرجہ ذیل ہیں ۔

انگلستان کے تاجر براہ راست بلا کمپنی کے توسط کے درآمد و
برآمد کر سکیں گے ۔ کمپنی کو ہندستان کی تجارت میں صرف چائے کی تجارت
کا ٹھیکہ حاصل ہوگا ۔ چین کی کل تجارت پر ہندستان کا ٹھیکہ بدستور قائم

رہے گا۔ بورڈ آف کنٹرول سیاسی امور کے علاوہ کمپنی کے تجارتی معاملات کی
بھی نگرانی کرے گا۔ کمپنی اپنی آمدنی میں سے ½۱۰ فی صدی منافع شرکائے
کمپنی کو تقسیم کرے گی۔ مجلس نظما کو گورنر جنرل، کمانڈر ان چیف اور گورنروں
کے تقرر کا حق بدستور حاصل رہے گا۔ بشرطیکہ شاہ کی رضامندی حاصل کر لی
گئی ہو۔ فوجی تعلیم کے لیے اڈس کمب کا مدرسہ برقرار رکھا جائے گا۔ کوئی
شخص اس وقت تک کمپنی کا محرر (رائٹر) مقرر نہ ہو سکے گا۔ جب تک
کہ اس نے ہیلی بری کے مدرسے میں ۴ میقاتیں نہ گزاری ہوں۔ یہ دونوں
مدرسے بورڈ آف کنٹرول کے ماتحت ہوں گے۔ شاہی افواج بیس ہزار
سے زیادہ سوا غیر معمولی حالات کے ہندستان نہ بھیجی جائیں گی جن کے
خرچے کا بار کمپنی کے خزانے پر ہوگا۔ کمپنی کی حکومت ہند کو اختیار ہوگا
کہ اپنی دیسی افواج کے لیے قواعد و ضوابط منظور کرے، سامانِ حرب
تیار کرائے اور ضرورت کے وقت کورٹ مارشل کا نفاذ کرے۔ پریسی
ڈینسیوں کی حکومت کو بورڈ آف کنٹرول کی منظوری لینے کے بعد اپنے
علاقے کے باشندوں پر محصول عائد کرنے اور نادہندگی کی صورت میں
انھیں سزائیں دینے کا اختیار ہوگا جو انگریز تجارت کی غرض سے ہندستان
میں سکونت پذیر ہونا چاہیں انھیں مجلس نظما سے اس کے لیے اجازت
لینا ہوگی اور لائسنس حاصل کرنا ہوگا۔ وہ اس وقت تک ہندستان میں رہنے
کے مجاز متصوّر کیے جائیں گے جب تک کہ ان کا چال چلن اطمینان بخش
رہے گا ان پر ان شرائط و قیود کی پابندی لازمی ہوگی جو وقتاً فوقتاً ان
پر عائد کی جائیں گی۔ اگر کوئی انگریز بغیر لائسنس حاصل کیے ہوئے ہندستان
جائے گا تو اس پر ہندستان کی عدالت میں مقدمہ عائد کیا جائے گا۔ وہ

انگریز جو کلکتہ، مدراس اور بمبئی کے شہروں کی حدود سے دس میل یا اس سے زیادہ فاصلے پر سکونت اختیار کرنا چاہیں انھیں اپنے نام باقاعدہ عدالت میں رجسٹری کرانے ہوں گے۔ ہندستان کے اہل علم کی ہمت افزائی اور ترقیٔ تعلیم کے لیے کمپنی کے میزانیہ میں سے ایک لاکھ رُپے سالانہ کی رقم مختص کر دی جائے گی کلکتے میں ایک بشپ مقرر کیا جائے گا جس کے تحت تین آرچ ڈیکن ہوں گے۔ ان کلیسائی عہدہ داروں کی تنخواہیں کمپنی ادا کرے گی۔ مسیحی مبلغین جو کمپنی کے ہندستانی مقبوضات میں سکونت اختیار کرنے کے خواہش مند ہوں انھیں بھی لائسنز حاصل کرنے ہوں گے ان مسیحی مبلغین کو اجازت ہوگی کہ دیسی لوگوں کی مذہبی اور اخلاقی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے انھیں مفید علوم سکھائیں۔ قانون منشور کی اس دفعہ میں اس امر کی بھی توثیق کی گئی ہے کہ کمپنی اہل ہند کے مذہبی معاملات میں پوری آزادی کے اصول کو تسلیم کرتی ہے۔

قانون منشور سنہ ۱۸۳۳ء

قانون منشور سنہ ۱۸۱۳ء کے نفاذ کے بعد ہندستان میں کمپنی کی تجارتی حیثیت دن بدن کم اور اس کی سیاسی حیثیت بڑھنے لگی۔ مارکوئس آف ہیسٹنگز کے عہد حکومت میں ہندستان کے وسیع علاقوں پر انگریزی اقتدار اعلیٰ مسلم ہو چکا تھا۔ انگلستان کی تاریخ میں یہ وہ زمانہ ہے جبکہ لبرل اصول کا عام طور پر چرچا تھا۔ سنہ ۱۸۳۲ء کا رفارم ایکٹ منظور ہو چکا تھا جس کی رو سے عوام کو حق رائے دہندگی حاصل ہوا۔ میکالے بورڈ آف کنٹرول کا معتمد اور جیمز مل انڈیا ہاؤس میں کمپنی کی خط و کتابت کی نگرانی پر مامور تھے۔ یہ دونوں لبرل جماعت کے رکن تھے۔ ان دونوں کے خیالات کا اثر ہمیں کمپنی کے معاملات

میں بھی نظر آتا ہے۔ چونکہ منشور شاہی کی تجدید کا زمانہ قریب آ رہا تھا پارلیمنٹ نے کمپنی کے معاملات کے متعلق تحقیق کرانی شروع کی۔ کمپنی کا چائے کا اجارہ انگلستان کے تاجروں کی نظر میں کھٹک رہا تھا۔ چائے کا استعمال اس زمانے میں انگلستان میں بہت عام ہو چکا تھا اور کمپنی چائے کی درآمد پر خزانۂ عامرہ کو ۴۰ لاکھ پونڈ سالانہ محصول ادا کرتی تھی:

ہندستان میں لارڈ ولیم بنٹنگ نے کمپنی کے طرز حکومت کی اصلاح کی کوشش کی۔ وہ در اصل سب سے پہلا گورنر جنرل ہے جس نے اس بات کو محسوس کیا کہ حکومت کا فرض رعایا کی فلاح و بہبود ہے۔ ہندستان میں کمپنی کے سب بڑے بڑے دشمن کمپنی کو اپنا مقتدر اعلیٰ مان چکے تھے۔ لارڈ ولیم بنٹنگ کو اس کا موقع ملا کہ اپنا پورا وقت ملکی اصلاحات نافذ کرنے میں صرف کرے۔ غرضکہ انگلستان اور کمپنی کی حکومت ہند کے برل رجحانات کا اثر ہمیں سنہ ۱۸۳۳ء کے قانون منشور میں نظر آتا ہے۔ اس قانون سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے دستور اساسی میں اہم تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ اس کی اہم دفعات کا خلاصہ یہ ہے:-

آیندہ بیس سال تک ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے ہندستانی مقبوضات پر متصرف رہے گی لیکن وہ حکومت ہند کی خدمت ہز مجسٹی ملک معظم اور ان کے جانشینوں اور ورثا کی جانب سے بطور کفالت انجام دے گی۔ ہندستان میں کمپنی کو چائے کی تجارت کا اجارہ حاصل تھا۔ وہ ختم کر دیا جائے گا۔ کمپنی چین کی تجارت کی بھی اجارہ دار نہ رہے گی۔ بلکہ انگلستان کے تاجر اس ملک کے ساتھ بھی براہ راست تجارت کرنے کے مجاز ہوں گے۔ کمپنی کو چاہیے کہ جلد از جلد ہندستان میں اپنے کاروبار کو ختم کر دے۔ آیندہ سے وہ

حکومت ہند کی آمدنی میں سے ½ ۱۰ فی صدی کی حق دار ہوگی جس سے اس کا قرضہ بے باق کیا جائے گا۔ جن حصہ داروں کا سو پونڈ کا کمپنی میں حصہ ہوگا انھیں دو سو پونڈ دیے جائیں گے اور اس غرض کے لیے ۲۰ لاکھ پونڈ کمپنی پارلیمنٹ کو ادا کرے گی تاکہ آیندہ یہ رقم سود در سود سے اتنی ہو جائے کہ حصہ داروں کے مطالبات پورے ہو سکیں۔

ہندستان کے برطانوی مقبوضات کا سول اور فوجی نظم و نسق گورنر جنرل اور اس کے ارکان کونسل کے تفویض ہوگا جو آیندہ سے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کہلائے گا۔ اعلیٰ عہدوں کے تقرر کے اختیارات مجلس نظما کو بدستور حاصل رہیں گے۔ گورنر جنرل کی کونسل کے ارکان کی تعداد چار ہوگی۔ ایک رکن وضع قانون کے لیے ہوگا جس کا کمپنی کے ملازموں میں سے ہونا ضروری نہیں۔ بمبئی اور مدراس کی پریسی ڈنسیوں کے گورنروں کی کونسل میں ارکان کی تعداد دو ہوگی۔ گورنر جنرل کو اختیار ہوگا کہ اگر مناسب سمجھے تو پریسی ڈنسی کی حکومت گورنر کے تفویض کر دے اور ارکان کو سبک دوش کر دے۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو ہندستان کے کل برطانوی مقبوضات کے لیے وضع قوانین کا اختیار ہوگا۔ گورنر اپنے اپنے علاقوں کے لیے جو ضوابط نافذ کرنا چاہیں ان کے مسودات پہلے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی منظوری کے لیے پیش کرنا ہوں گے۔ اگر پریسی ڈنسیوں کو وضع قانون کے حق سے محروم نہ کیا جاتا تو ہندستان کے کل برطانوی مقبوضات میں ایک مشترک اور یکساں قانون نافذ کرنا ممکن نہ ہوتا۔ مقامی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے گورنروں کو قواعد و ضوابط بنانے کی اجازت دی گئی تھی تاکہ ان کے کام میں بھی رکاوٹ

نہ پڑے۔

گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل مجاز ہوگا کہ

(الف) کمپنی کے ہندستانی مقبوضات میں جو قانون یا قواعد نافذ ہیں ان میں ترمیم یا تبدیلی کرسکے۔

(ب) کمپنی کے ہندستانی مقبوضات میں جتنی بھی عدالتیں ہیں چاہے وہ منشورِ شاہی سے قائم ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں، ان میں اپنے منظور کردہ قوانین کو نافذ کرے۔

(ج) مذکورہ مقبوضات کے تمام حصّوں، مقامات اور اشیا پر گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے منظور کردہ قوانین کا اطلاق ہوگا۔ کمپنی کے مقبوضات کی حدود میں جو لوگ بھی آباد ہوں چاہے وہ انگریز ہوں یا ہندستانی کمپنی کے ملازم ہوں یا نہ ہوں یا وہ انگریز جو اُن والیانِ ملک کے ہاں ملازم ہوں جن کے ساتھ کمپنی کا معاہدہ ہوچکا ہو۔ ان سب پر گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے منظور کردہ قوانین کا اطلاق ہوگا۔

اس کے ساتھ اس کی صراحت کردی گئی ہو کہ مندرجۂ ذیل امور کے متعلق گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو وضع قانون کا حق حاصل نہ ہوگا۔

(الف) گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کوئی ایسا قانون وضع کرنے کا حق نہیں رکھتا جس کی رو سے سنہ ۱۸۳۳ء کے قانون منشور کی دفعات کی خلاف ورزی، تنسیخ، تبدیلی یا التواعمل میں آنے کا اندیشہ ہو جو تاج یا کمپنی کے فوجی افسروں یا سپاہیوں کی فراری بہ حالت جنگ یا ان کی

بغاوت کو فرو کرنے کے متعلق وضع کیے گئے ہیں۔

(ب) کوئی ایسا قانون وضع نہیں کیا جا سکتا جس سے تاج کے اختیارات یا پارلیمنٹ کا اقتدار یا کمپنی کا دستور اساسی یا اس کے حقوق یا برطانیہ کے غیر تحریری دستور کا کوئی حصہ متاثر ہوتا ہو۔

(ج) ایسے قوانین وضع نہیں کیے جا سکتے جن کے متعلق پہلے سے مجلس نظما سے منظوری نہ حاصل کر لی گئی ہو یا جن کی بدولت ان عدالتوں کو جو منشورات شاہی کے ذریعے وجود میں آئی ہیں اور دوسری عدالتوں کو یہ حق حاصل ہو جائے کہ وہ ہز مجسٹی ملک معظم کی رعایا کے ان افراد کو جو یورپ میں پیدا ہوئے ہیں یا ان کی اولاد ہیں سے کسی فرد کو سزائے موت دینے کا حق حاصل ہو جائے۔

(د) ان عدالتوں کو جو منشورات شاہی کے ذریعے قائم ہوئی ہیں گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے منظور کردہ قوانین سے توڑا نہیں جا سکتا۔

گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے تمام منظور کردہ قوانین پارلیمنٹ کے سامنے بغرض منظوری پیش کیے جائیں گے۔ پارلیمنٹ کو یہ حق رہے گا کہ کمپنی کے ہندستانی مقبوضات کے لیے براہ راست وضع قانون کر سکے یا گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے قوانین کو منسوخ کر دے۔

کمپنی کے ہندستانی مقبوضات کے لیے جو قوانین وضع کیے جائیں گے ان کی ترتیب و تدوین کا کام حکومت ہند کرے گی تاکہ اس کے تمام مقبوضات میں یکساں عدالتی نظام قائم ہو۔ ان قوانین کی پابندی سب باشندوں پر جو کمپنی کے مقبوضات کی حدود میں آباد ہیں۔ بلا لحاظ طبقہ اور بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ یورپین ہیں یا ہندستانی لازمی ہوگی۔ باشندوں کے رسم و رواج

کا وضع قانون کے وقت خاص لحاظ رکھا جائے گا۔ جن مقامات میں رسم و رواج بمنزلہ قانون ہو، وہاں رسم و رواج کو تسلیم کرنا چاہیے اور اگر موقع ہو تو اس میں کچھ تبدیلی کی جائے۔

اس قانون منشور میں گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو ہدایت کی گئی ہو کہ تدوینِ قوانین کے لیے ایک کمیشن قانونِ ہند (انڈین لاکمیشن) مقرر کیا جائے جس کا کام یہ ہوگا کہ کمپنی کے موجودہ مقبوضات میں جتنے رواجی ضابطے نافذ ہوں ان کے متعلق پوری چھان بین کرے اور رواجی قوانین کے متعلق بھی تحقیق کرکے اپنی رپورٹ پیش کرے۔ یہ رپورٹ پارلیمنٹ کے غور کے لیے پیش ہوگی۔ میکالے اس کمیشن کا رکن تھا۔ اس کمیشن کے سفارشات اور تجویزات پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیے گئے۔ اس کے بعد تعزیراتِ ہند مرتب ہوئی اور پھر ضابطہ ہائے دیوانی و فوجداری مرتب کیے گئے۔

سنہ ۱۸۳۳ء کے قانون منشور میں اس امر کی بھی صراحت کی گئی ہو کہ ہز مجسٹی ملک معظم کی رعایا کے ہر فرد کو جو انگلستان میں پیدا ہوا ہو اس کی اجازت ہوگی کہ کمپنی کے ہندستانی مقبوضات میں جہاں چاہے سکونت اختیار کرے یا ان میں سے ہو کر گزر سکے لیکن اس کا فرض ہوگا کہ اپنا نام، مقام کا پتا جہاں وہ جانا چاہتا ہو اور ہندستان آنے کی جو اس کی غرض ہو اس کے متعلق کرٹوڑگیری کے متعلقہ افسر کو مطلع کر دے ہر وہ شخص جو انگلستان میں پیدا ہوا ہو اس کا مجاز ہوگا کہ کمپنی کے ہندستانی مقبوضات میں جایداد خرید سکے۔ لیکن گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو اختیار ہوگا کہ ان اشخاص کا داخلہ کمپنی کے ہندستانی مقبوضات میں ممنوع قرار دے

جن کے متعلق اس کو خیال ہو کہ اُن کا یہاں آنا یا رہنا مناسب نہ ہوگا۔ ایسے انگریز جو بلا اجازت نامہ (لائسنس) لیے ہوئے ہندستان آئیں گے وہ قانوناً سزا کے مستوجب ہوں گے۔ یورپین لوگوں کا اگر کہیں دیسی باشندوں سے میل جول بڑھے تو اس صورت میں گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل مجاز ہوگا کہ جلد از جلد ایسے قوانین وضع کرے تاکہ دیسی باشندوں کی حفاظت ہو سکے اور ان کی ذات پات، مذہب اور رسوم کی ہتک نہ ہو۔ کمپنی کے ہندستانی مقبوضات کا کوئی دیسی باشندہ اور نہ ہز مجسٹی ملکۂ معظمہ کی رعایا کا کوئی فرد جو انگلستان میں پیدا ہوا ہو اور اس وقت ہندستان میں سکونت پذیر ہو اپنے مذہب، جائے پیدائش، نسل و رنگ یا ان میں سے کسی ایک وجہ سے کمپنی کے تحت اعلیٰ عہدوں پر مامور ہونے سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اس دفعہ کا مقصد یہ تھا کہ دیسی لوگوں کو کمپنی کی ملازمت اور حکومت میں شریک کیا جائے اور تعلیم یافتہ ہندستانیوں کو اس کا موقع دیا جائے کہ وہ اپنے تئیں ذمہ داری کا اہل ثابت کریں۔ بنٹنک نے اس قانون منشور کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی اور مغربی تعلیم و تہذیب کی اشاعت انگریزی حکومت کی مستقل حکمت عملی قرار پائی۔ اس زمانے میں یہ بھی محسوس کیا گیا کہ کمپنی کی انتظامی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اہل ہند میں انگریزی تعلیم کا رواج بڑھایا جائے تاکہ انگریزی حکومت اور عوام کے درمیان ایک خاص طبقہ بطور اتصالی کڑی کے وجود میں آجائے۔ پچھلے چالیس سال کے تجربے نے ظاہر کر دیا تھا کہ کارنوالس کی انتظامی حکمت عملی کامیاب نہ ہوئی۔ کارنوالس نے ہندستانیوں کو انتظام ملکی میں مطلق

حصہ نہیں لینے دیا اور انھیں اعلیٰ عہدوں کی ذمہ داری کے نا اہل قرار دیا۔ لیکن بنٹنگ نے حکومت ہند کے میزانیہ میں توازن پیدا کرنے کی جو تدابیر کیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ ہندستانیوں کو متوسط درجہ کی اہمیت کے عہدوں پر مامور کیا جائے۔ لیکن اعلیٰ خدمات جن کی تنخواہیں ۵۰۰ پونڈ سالانہ سے زائد تھیں معاہدی سول سروس (کاوے نَنٹڈ سول سروس) کے ارکان کے لیے مختص رہیں۔

اس قانون منشور کے بعد سے حکومت ہند جو قانون بنائے گی وہ ایکٹ کہلائیں گے جس طرح کہ اس سے پیشتر وہ ضوابط (ریگولیشن) کہلاتے تھے۔ کمپنی کے ہندستانی مقبوضات میں وہ پارلیمنٹ کے منظور کردہ قوانین کی طرح مؤثر ہوں گے۔ بشرطیکہ مجلس نظماء اور بورڈ آف کنٹرول کی منظوری ان کے متعلق لے لی گئی ہو۔ مجلس نظما اور بورڈ آف کنٹرول کو اختیار ہوگا کہ جو مسودات قانون گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی جانب سے پیش ہوں انھیں نامنظور کردے۔ لیکن ایسی صورت بہت کم پیش آئی۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے اختیارات کا لحاظ اس لیے اور بھی ضروری ہوگیا کہ انگریزوں کی تعداد ہندستان میں بڑھ گئی تھی اور نئے انتظامی معاملات کی پیچیدگیاں پیدا ہوگئی تھیں جنھیں بہ حیثیت مقامی اعلیٰ عہدہ دار کے وہ بہتر طور پر سمجھ سکتا تھا۔

قانون منشور سنہ ۱۸۵۳ء | یہ آخری قانون منشور ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندستانی مقبوضات کے نظم ونسق کے متعلق منظور کیا گیا۔ گزشتہ منشور کو منظور ہوئے اب بیس سال گزر چکے تھے اور کمپنی کے منشور کی تجدید کا زمانہ آچکا تھا۔ پارلیمنٹ نے ارل آف ڈربی کی تجویز کے

مطابق ہندستانی معاملات پر تحقیق کرنے کے لیے مجلس منتخبہ مقرر کی۔ راے عامہ کا رجحان یہ تھا کہ کمپنی کے بجائے تاج ہندستانی مقبوضات کے نظم و نسق اور تمام ذمہ داریوں کو اپنی طرف منتقل کرلے۔ لیکن اس قسم کی بنیادی تبدیلی پارلیمنٹ کے لیے قابل قبول نہ تھی۔ انگریزی سیاست کی ہمیشہ سے یہ خصوصیت خاصہ رہی ہے کہ بتدریج تمام کام کیے جاتے ہیں اور اس طرح ماضی کے سلسلے کو یک لخت نہیں توڑا جاتا اگرچہ گزشتہ نصف صدی میں مجلس نظما کے اختیارات بہت کچھ سلب ہوچکے تھے لیکن اب بھی پارلیمنٹ اس مجلس کی ماہرانہ رایوں سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت محسوس کرتی تھی۔ تقررات کے معاملے میں مجلس نظما کی راے کی زیادہ وقعت باقی نہیں رہی تھی لیکن سنہ ۱۸۴۲ء میں مجلس نظما کے اصرار پر لارڈ النبرو کو انگلستان واپس بلا لیا گیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۳ء کے منشور میں بھی اس امر کی صراحت کر دی گئی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی بدستور اس وقت تک تاج کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتی رہے گی جب تک کہ پارلیمنٹ اس کے خلاف فیصلہ نہ کرے۔ اس قانون منشور کی رد سے معاہدی سول سروس کے ارکان بجائے نامزدگی کے عام مقابلے کے ذریعے مقرر ہونے لگے۔ لارڈ میکالے کی صدارت میں ایک کمیٹی مقرر کی گئی تاکہ سول سروس کے امتحان کے قواعد و ضوابط وضع کرے۔ امتحان انگلستان میں ہونا طے ہوا۔ گزشتہ قوانین منشور میں کمپنی کے اختیارات کی بیس سال کے لیے توسیع کی گئی تھی لیکن اس دفعہ کوئی میعاد نہیں مقرر کی گئی۔ اس قانون کی اہم دفعات مندرجۂ ذیل ہیں۔

مجلس نظما کی تعداد بجائے ۲۴ کے ۱۸ کر دی جائے جن میں سے
۶ کو تاج نامزد کرے گی۔ باقی بارہ میں سے ۶ کے لیے ضروری ہو گا
ہندستان میں کمپنی کی خدمت میں کم سے کم دس سال ضرور صرف کر چکے
ہوں۔ انتظامی سہولت کے مدنظر بنگال کا علیحدہ لفٹنٹ گورنر مقرر کیا جائے
گورنر جنرل کی کونسل کے قانونی رکن کی وہی حیثیت ہوگی جو دوسرے ارکان
کی ہو اس کو کونسل کے اجلاسوں میں حق شرکت و رائے دہندگی حاصل
ہوگا۔ اب تک رکن قانونی کو صرف وضع قوانین کے معاملات سے تعلق تھا
دوسرے عاملانہ اور انتظامی مسائل میں اس کی رائے نہیں طلب کی جاتی
تھی۔ گورنر جنرل کی کونسل میں وضع قانون کی سہولت کے مدنظر ۶ ارکان
کا مزید اضافہ کیا گیا جن میں سے ایک بنگال کا چیف جسٹس اور ایک
بنگال کی عدالت عالیہ کا جج ہوگا۔ باقی چار ارکان کو بنگال، مدراس، بمبئی
اور صوبہ شمال مغربی کی حکومتیں نامزد کریں گی۔ ان ارکان کے لیے ضروری
ہوگا کہ وہ ہندستان میں کمپنی کی ملازمت کے سلسلے میں کم از کم دس
سال رہ چکے ہوں۔ پہلے گورنر جنرل کی کونسل ۶ ارکان پر مشتمل تھی یعنے
گورنر جنرل، کمانڈر ان چیف اور چار ارکان کونسل۔ اب ۶ مزید ارکان کو
ملا کر تعداد ۱۲ ہوگئی۔ اگرچہ گورنر جنرل کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ کونسل
کے وضع کردہ قوانین و ضوابط کو منظور نہ کرے لیکن وہ اس کا مجاز نہ
ہوگا کہ ارکان کونسل کی اکثریت کے خلاف بذات خود کوئی قانون وضع
کر دے اور اس کا حکم دیدے۔ کونسل کے وضع کردہ قوانین اسی
وقت نافذ ہوسکیں گے جبکہ گورنر جنرل اُن کی منظوری دے گا۔ گورنر
جنرل اور گورنروں کی کونسلوں کے ارکان کے تقررات تاج کی جانب

سے ہوا کریں گے۔ معاہدی سول سروس کے تقررات انگلستان میں مقابلتی امتحان کے ذریعے ہوں گے۔ امتحانات کے متعلق بورڈ آف کنٹرول اسکیم منظور کرے گا جس کی پابندی کی جائے گی۔

سنہ ۱۸۵۴ء میں پارلیمنٹ نے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو انتظامی سہولت کے مدِنظر یہ اختیار دیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندستانی مقبوضات میں اپنے صوابدید پر نئے حکام مقرر کرے چنانچہ آسام، صوبۂ متوسط اور برما کے چیف کمشنر اس کے تحت مقرر ہوئے جنھیں نظم و نسق کے پورے اختیارات تفویض ہوئے۔

چوتھا باب

ایسٹ انڈیا کمپنی کا خاتمہ ۔ قانون ہند سنہ ۱۸۵۸ء

دراصل سنہ ۱۸۵۳ء کے قانون منشور کی رو سے جب سے مجلس نظما کی تعداد کم کرکے اس کے چھ ارکان کا تقرر براہِ راست تاج برطانیہ سے متعلق کردیا گیا تھا تو اُس وقت اس کا صاف یہ مطلب تھا کہ پارلیمنٹ کمپنی کے درو بست پر پوری طرح حاوی ہوگئی ہے ۔ انیسویں صدی عیسوی کے شروع سے جو منشورات شاہی حکومتِ ہند کی تشکیل کے لیے وقتاً فوقتاً نافذ ہوئے ان میں ہمیں ایک مستقل حکمت عملی کا پتا چلتا ہے جو لبرل خیالات کی ترجمانی کرتی ہے ۔ لبرل رجحان یہ تھا کہ کمپنی کے معاملات میں تاج کو براہ راست عمل دخل حاصل ہوجائے ۔ یہاں یہ بحث بےسود ہے کہ تاج کو کسی شخصیے کے معاملات میں اس طرح دخل دینے کا کیا حق ہے ۔ واضح رہے کہ اس وقت حالات اس نوبت پر پہنچ چکے تھے کہ ہندستانی مقبوضات سے صرف ایک شخصیے کو استفادہ کرنے کا حق باقی باقی نہیں رہا تھا بلکہ پوری قوم اس میں اپنی شرکت کا حق جتا رہی تھی ۔ پھر ظاہر ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی بغیر قومی امداد کے ہندستان کے مقبوضات ہی حاصل نہ کرسکتی ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے تجارتی مشاغل کی وجہ سے بعض اوقات اپنی سیاسی ذمہ داریوں سے کماحقہ عہدہ برآ نہیں ہوسکتی تھی اور اس وجہ سے معاملات میں الجھنیں پیدا ہو رہی تھیں ۔ تجارتی مقاصد

اکثر اوقات سیاسی اعتبار سے غیر ترقی پذیر اور خود غرضانہ ہوتے ہیں۔ سیاسی مصالح کا پورے طور پر ایک سیاسی جماعت ہی خیال رکھ سکتی ہے۔

سنہ ۱۸۵۷ء کی شورش عظیم نے ہندستان میں برطانوی حکومت کی بنیادوں کو ہلا دیا انگلستان کے صاحب فکر لوگوں نے سوچا کہ کمپنی کے ہندستانی مقبوضات اگر براہ راست کمپنی سے لے کر تاج کے سپرد کر دیے جائیں تو انگریزی راج قائم ہو سکتا ہے ورنہ ابتری میں اور اضافہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ نظمائے کمپنی نے ہر چند کوشش کی کہ کمپنی کو باقی رہنے دیا جائے اور تھوڑے بہت اس کے اختیارات بھی برقرار رہیں جیسا کہ گزشتہ نصف صدی میں منشورات شاہی کے نفاذ کے بعد کیا گیا تھا۔ لیکن سنہ ۱۸۵۷ء کے واقعات سے برطانوی قوم اس قدر بدگمان ہو گئی تھی کہ اب نظمائے کمپنی کی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ اگست سنہ ۱۸۵۸ء میں ہندستان میں "بہتر نظم و نسق قائم کرنے والا قانون"(۱) پارلیمنٹ میں منظور ہوا جس کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کا خاتمہ کر دیا گیا اور کمپنی کے تمام ہندستانی مقبوضات براہ راست تاج برطانیہ کے تحت آ گئے۔ اس دستوری تغیر کا نفاذ ہندستان میں ملکۂ وکٹوریہ کے ایک اعلان کے ساتھ کیا گیا جس میں آیندہ حکومت کی حکمت عملی واضح کی گئی۔ اس اعلان میں ملکۂ وکٹوریہ نے اقرار کیا ہے کہ اُس کی سلطنت میں سب رعایا ایک نظر سے دیکھی جائے گی۔ کوئی شخص اپنی ذات پات، نسل، مذہب یا رنگ کی وجہ سے سرکاری عہدوں سے محروم نہیں کیا جائے گا بشرطیکہ وہ اپنی تعلیمی قابلیت اور دیانت کے لحاظ سے اس کی اہلیت رکھتا ہو۔ حکومت کسی کے عقائد میں دخل اندازی نہیں کرے گی۔

---

(1) An act for the better Government of India

اس ضمن میں والیان ریاست کو یقین دلایا گیا ہو کہ تمام معاہدات اور قرار دادیں جو ان کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کی تھیں ان کا پورا احترام کیا جائے گا۔ نیز یہ کہ برطانوی حکومت اپنے موجودہ ملکی مقبوضات میں کسی اضافے کی خواہاں نہیں ہو اور جس طرح وہ اس بات کی روادار نہیں ہو کہ اس کے حقوق میں دخل اندازی ہو اسی طرح وہ اس بات کو بھی جائز نہیں تصور کرے گی کہ کسی دوسرے کے حقوق یا ملک میں دخل اندازی کرے۔

ملکہ وکٹوریہ کے متذکرہ بالا اعلان کے بعد سے تاریخ ہند میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہو۔ سنہ ۱۸۵۷ء کی شورش فرو ہو چکی تھی۔ برطانوی غلبہ و تسلط ہندستان کے ہر گوشے میں مسلم ہو چکا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے خاتمے کے بعد تاج اور پارلیمنٹ نے ہندستان کا نظم و نسق اپنے ذمے لے لیا تھا۔ اس نئی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے برطانوی کابینہ میں وزیر ہند کا اضافہ کیا گیا۔ بورڈ آف کنٹرول کی جگہ مجلسِ ہند (انڈیا کونسل) قائم ہوئی تاکہ وزیر ہند کو ہندستان کے متعلق جملہ امور میں مشورہ دے سکے۔ غرض کہ ہندستان کے نظم و نسق میں بنیادی تبدیلی کی گئی۔ سنہ ۱۸۵۸ء کے قانون ہند کی اہم دفعات مندرجہ ذیل ہیں۔

ہندستان کے برطانوی مقبوضات کا نظم و نسق براہ راست تاج کی ماتحتی میں ایک سکریٹری آف اسٹیٹ (وزیر ہند) کے توسط سے انجام پائے گا۔ مجلس نظما اور بورڈ آف کنٹرول کے جملہ اختیارات اس سکریٹری آف اسٹیٹ (وزیر ہند) کو منتقل ہو جائیں گے۔ وزیر ہند کی کونسل پندرہ ارکان پر مشتمل ہو گی جن میں سے ۸ براہ راست تاج کی جانب سے

نامزد ہوں گے اور ۷ کا انتخاب ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظما کریں گے۔
ان نامزد کردہ اور منتخب شدہ ارکان میں سے بیشتر وہ اشخاص ہونے
چاہئیں جو کم سے کم دس سال ہندستان میں کمپنی کی ملازمت کے سلسلے
میں رہ چکے ہوں یا کم سے کم دس سال تک ہندستان میں سکونت پذیر
رہ چکے ہوں۔ اور جنھیں ہندستان سے واپس ہوئے دس سال سے زائد
نہ ہوئے ہوں۔ وزیر ہند کی کونسل کے ارکان کی رکنیت اس وقت
تک باقی رہے گی جب تک کہ ان کا رویہ قابل اطمینان رہے گا لیکن
اگر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں ان میں سے کسی کے متعلق علیحدگی
کا فیصلہ ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ وزیر ہند کی کونسل کی رکنیت
سے برطرف کر دیے جائیں گے۔ وزیر ہند انڈیا کونسل کا صدر ہوگا اور کونسل
سے اختلاف کی صورت میں وہ اپنا فیصلہ ناطق کرنے کا مجاز ہوگا،
سوا ان معاملات کے جن کا تعلق اجرائی تمسکات، ملکیت کی فروخت
یا رہن، رقوم کی نشان دہی، معاہدوں یا تنخواہوں میں تغیر یا رخصت
کے قواعد میں تبدیلی سے ہو۔ وزیر ہند کو اختیار ہوگا کہ بغیر کونسل میں
بغرض مشورہ پیش کیے ہوئے اہم سیاسی نوعیت کے احکام براہ راست
ہندستان بھیج سکے، خاص کر ایسے احکام جن کا تعلق صلح و جنگ پالیسی
والیان ملک کے متعلق کوئی خاص حکمت عملی اختیار کرنے سے ہو۔ ہندستان
سے جو خفیہ مراسلے (جن پر خفیہ لکھا ہو) وصول ہوں گے وہ بغیر
وزیر ہند کی اجازت کے انڈیا کونسل کے سامنے نہیں پیش ہو سکتے۔
وزیر ہند کا عملہ فی الحال مجلس نظما اور بورڈ آف کنٹرول کے عملے پر
مشتمل ہوگا لیکن بعد میں اس کی جدید تنظیم کی جائے گی۔

حکومت ہند کے اعلیٰ عہدہ داروں کا تقرر تاج یا وزیر ہند کی جانب سے ہوگا۔ لفٹنٹ گورنروں کا تقرر گورنر جنرل کرے گا جس کی منظوری تاج سے حاصل کرنا ضروری ہوگی۔ ہر مجسٹی ملکۂ معظمہ کی رعایا میں سے ہر ایک کو حق ہوگا کہ سول سروس کے امتحان کے لیے اپنے آپ کو پیش کر سکے جس کی بابت جملہ انتظامات وزیر ہند بہ اجلاس کونسل، سول سروس کے کمشنروں کی مدد سے کرے گا۔ حکومت ہند کی آمدنی کو خرچ کرنے کی ذمہ داری وزیر ہند پر ہوگی۔ اس آمدنی میں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے اصلی حصہ داروں کو منافع دیا جائے گا اور کمپنی کے قرضے کی ادائی اس میں سے کی جائے گی۔ ان حسابات کی تنقیح ایک خاص ناظر حسابات کے ذمے ہوگی۔ قانونی اغراض کے لیے وزیر ہند ان تمام حقوق اور واجبات کا ذمہ دار قرار پائے گا جو بہ حیثیت جانشین ایسٹ انڈیا کمپنی اس پر عائد ہوں گے کمپنی کی افواج اور بحریہ جو ہندستان میں ہے تاج کی ملازمت میں منسلک کر لیا جائے گا۔ ان فوجی ملازموں کی تنخواہوں اور ان کے حقوق و مراعات میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

گورنر جنرل اور اس کی کونسل کے رکن قانونی اور گورنروں اور ایڈووکیٹ جنرل کا تقرر براہ راست تاج کرے گا۔ گورنر جنرل کی کونسل کے باقی ارکان کا انتخاب وزیر ہند بہ اجلاس کونسل کرے گا اور ایسا کرنے میں کونسل کی اکثریت کے فیصلے کی پابندی لازمی ہوگی۔ وزیر ہند اگر ہندستان میں کسی والیٔ ملک کے خلاف اعلان جنگ کا حکم بھیجے تو اس پر لازم ہوگا کہ تین ماہ کے اندر اس کی اطلاع پارلیمنٹ کو کر دی جائے۔ ہندستانی مقبوضات کے باہر اگر ہندستانی افواج کو

استعمال کیا جائے تو اس کے اخراجات کا بار حکومت ہند کے خزانے پر نہ ہوگا ۔ سوا اس حالت کے کہ ہندستان کی سرحد کی حفاظت کے لیے افواج کو سرحد پار بھیجنا ضروری ہوگیا ہو یا اس طرح کی کوئی اور غیر معمولی اور اچانک صورت پیش آجائے۔ وزیر ہند ہر سال ہندستان کی مادّی اور اخلاقی ترقی کی بابت پارلیمنٹ کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کیا کرے گا۔

پانچواں باب

تاج برطانیہ کی حکومت

انتظامی اور دستوری اصلاحات

شورش عظیم کے بعد ہندستان میں ایسے سیاسی حالات پیدا ہوئے جن کا اقتضا یہ تھا کہ برطانوی حکومت ہر قسم کی انتشاری قوتوں کو دبائے اور مرکزیت کو مؤثر بنائے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۵۸ء کے قانون ہند کی رو سے حکومت ہند کی مرکزیت مکمل کر دی گئی۔ شورش عظیم نے انگریزی قوم کو یہ سبق دیا کہ اہل ہند پر حکومت کرنے کے لیے ان کی رائے عامہ سے حکومت کو واقف ہونا چاہیے۔ خفیہ پولیس کی رودادوں سے رائے عامہ کا صرف ایک رُخ حکومت کو معلوم ہو سکتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ حکومت کا تعلق رعایا کے ساتھ زیادہ واضح، گہرا اور پائیدار ہو۔ دیسی والیان ملک کو یہ آسانی تھی کہ ان کی حکومت کوئی غیر ملکی حکومت نہ تھی اس لیے اس کا تعلق جمہور کے ساتھ وابستہ تھا۔ شورش عظیم سے انگریزی حکومت کو یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اس کے اور عوام الناس کے درمیان جو بے گانگی ہے اس کے باعث اس کی نیت پر بہت جلد شبہہ کیا جا سکتا ہے۔ بالخصوص وضع قوانین کا کام اس نوعیت کا ہے کہ جن لوگوں کے لیے حکومت قانون وضع کرنا چاہتی ہے ان کے منشا اور خواہشات کی اسے اطلاع ہونی چاہیے۔

حکومت ہند یہ مقصد صرف اس وقت حاصل کرسکتی تھی جبکہ وضع قوانین کے لیے غیر سرکاری عنصر کو اپنے ساتھ شریک کرے جو جمہور کی نمایندگی کرسکے۔ یہ بات اب قرین مصلحت نہیں سمجھی گئی کہ وضع قانون کا سارا کام حسب سابق گورنر جنرل اور اس کی کونسل کے سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ پارلیمنٹ میں وزیر ہند سر چارلز وڈ نے ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس میں ان تمام انتظامی خرابیوں کو دور کرنے کی تجاویز پیش کی گئیں جو سنہ ۱۸۵۸ء کے قانون ہند کے نفاذ کے بعد حکومت ہند میں رونما ہوئی تھیں۔ اس قانون کی اہم دفعات یہ ہیں۔

قانون مجالس ہند سنہ ۱۸۶۱ء | گورنر جنرل کی کونسل کے معمولی ارکان کی تعداد پانچ ہوگی جن میں سے تین ایسے شخص ہونے چاہئیں جو ہندوستان میں تاج کی ملازمت میں کم سے کم دس سال سے ہوں۔ باقی دو میں سے ایک بیرسٹر یا ایڈووکیٹ ہونا چاہیے جو کم سے کم پانچ سال وکالت کر چکا ہو۔ ارکان کونسل میں مختلف قلمدان (پورٹ فولیوز) تقسیم کرنے کے متعلق بھی قواعد بنائے گئے۔ وضع قانون کے لیے گورنر جنرل کی کونسل میں مزید ۶ یا زیادہ سے زیادہ ۱۲ ارکان کو گورنر جنرل نامزد کرے گا۔ ان ارکان میں سے نصف کا غیر سرکاری عنصر پر مشتمل ہونا لازمی ہوگا۔ ان کی میعاد عہدہ دو سال ہوگی۔ اس مجلس وضع قانون میں سوائے قانون بنانے کے اور دوسرے مسائل نہیں پیش ہوسکیں گے۔ یہ مجلس وضع قانون ہندستان کے برطانوی مقبوضات کے مروّجہ قوانین میں تبدیلی، ترمیم یا تنسیخ کرنے کی مجاز ہوگی۔ اور اس کو جدید قوانین بنانے کا اختیار ہوگا بشرطیکہ یہ نئے قانون برطانیہ عظمیٰ کے دستور یا

غیر تحریری آئین کے کسی طرح خلاف نہ ہوں۔ مجلس وضع قانون میں کوئی ایسی تجویز جس کا تعلق قرضۂ عامہ یا مالیاتِ عامّہ اور بحری اور بری افواج سے ہو اُس وقت تک نہ پیش ہو سکے گی جب تک کہ گورنر جنرل اس کے پیش کرنے کی اجازت نہ دیدے۔ گورنر جنرل کو اختیار ہوگا کہ مجلس وضع قانون کی منظور کردہ تجویز کو منظور کرے یا رَد کردے یا ہر مجسٹی ملکۂ معظمہ کا اس کی بابت منشا معلوم کرنے کی غرض سے ملتوی کردے۔ گورنر جنرل کو اختیار ہوگا کہ ضرورت کے وقت چھ ماہ کے لیے احکام خصوصی (آرڈیننس) نافذ کردے۔ حکومت مدراس وبمبئی اپنی مقامی ضروریات کے مطابق قواعد وضوابط بنا سکتی ہیں۔ اگر ان قواعد وضوابط کا تعلق قرضۂ عامّہ، زرِ مروجہ، ٹپہ اور تار، تعزیرات کی تبدیلی، مذہبی امور، فوجی اور بحری مسائل یا امورِ خارجی سے ہوگا تو بغیر گورنر جنرل کی منظوری کے ان کا نفاذ نہ ہو سکے گا۔ بمبئی اور مدراس کے گورنروں کو اختیار ہوگا کہ وہ ایڈووکیٹ جنرل کا تقرر کریں اور اپنی کونسل میں مزید چار اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ارکان کو نامزد کریں جن میں سے نصف کا غیر سرکاری ہونا ضروری ہوگا۔ ان صوبجاتی مجالس وضع قانون میں مقامی حالات کے مدنظر جو قواعد وضوابط منظور کیے جائیں گے وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتے جب تک کہ گورنر جنرل کی منظوری ان کی بابت نہ حاصل کرلی جائے۔ گورنر جنرل کی طرح مدراس اور بمبئی کے گورنروں کو اپنی کونسلوں کے جلسوں کے انعقاد کے متعلق قواعد بنانے کا اختیار ہوگا۔

اگرچہ مجلس وضع قانون میں جو سنہ ۱۸۶۱ء کے قانون کی رو سے قائم کی گئی تھی صرف وہی قوانین منظور ہو سکتے تھے جنھیں حکومت

نافذ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اس مجلس کے وجود میں آنے سے اتنا ضرور ہوا کہ غیر سرکاری ارکان کا نقطۂ نظر حکومت کے سامنے پیش ہونے لگا مجلس وضع قانون کو ملکی نظم و نسق کے متعلق تجاویز پیش کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔ جو قوانین مجلس وضع قانون نافذ کرے ان کے نفاذ کا حق عدالتوں کو دیا گیا۔

قانون انڈین ہائی کورٹس سنہ ۱۸۶۱ء اس قانون کے منظور ہونے سے قبل تدوین قوانین کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ ضابطۂ دیوانی سنہ ۱۸۵۹ء میں اور تعزیرات ہند سنہ ۱۸۶۰ء میں ہندستان میں نافذ ہو چکے تھے۔ ضرورت اس کی تھی کہ قوانین کے نفاذ میں یکسانیت اور کارکردگی بڑھائی جائے۔ چنانچہ قانون انڈین ہائی کورٹس کے ذریعے اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس قانون کی رو سے کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں ہائی کورٹ قائم کیے گئے۔ قدیم عدالت ہائے عالیہ عدالت ہائے صدر دیوانی اور عدالت ہائے فوج داری کو انھیں ہائی کورٹوں میں ضم کر دیا گیا۔ جدید ہائی کورٹ ایک میر مجلس (چیف جسٹس) اور زیادہ سے زیادہ ۱۵ ججوں پر مشتمل ہوں گے۔ ان پندرہ ججوں میں سے لازماً ⅓ تعداد بیرسٹروں پر مشتمل ہوگی اور ⅓ سول سروس کے ارکان ہوں گے ہائی کورٹ کے ہر جج کے لیے ضروری ہوگا کہ اس کو کم سے کم دس سال کا وکالت کا تجربہ حاصل ہو یا جج ہونے سے قبل ۵ سال تک کسی عدالتی عہدے پر فائز رہ چکا ہو۔ جج اپنے عہدے پر اس وقت تک فائز رہیں گے جب تک کہ ہر مجسٹی ملکۂ معظمہ کی مرضی ہوگی۔ ہائی کورٹ میں ماتحت عدالتوں سے مرافعے ہوا کریں گے۔ ہائی کورٹوں کو حق ہوگا کہ ماتحت عدالتوں

کی کارروائیاں ایک نہج پر رکھنے کے لیے قواعد وضوابط نافذ کریں نیز مقدمات کو ایک عدالت سے دوسری عدالت میں منتقل کرسکیں۔ ماتحت عدالتوں کی عام انتظامی نگرانی بھی ان کے ذمے ہوگی۔

صوبجاتی مالیات قانون مجالس ہند سنہ ۱۸۶۱ء نے اگرچہ پریسی ڈنسیوں کی مقامی حکومت کو مقامی حالات کے مدنظر وضع قانون کا اختیار دے دیا تھا لیکن اب تک ہندستان کی مالیات مرکزی حکومت ہی سے متعلق تھی۔ چنانچہ کل برطانوی ہند کی آمدنی ایک جگہ جمع ہوتی تھی جس کے خرچ کی منظوری ہندستان کے مختلف حصوں کی ضروریات کے لحاظ سے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل دیتا تھا۔ یہ انتظام ہندستان جیسے وسیع ملک کے لیے موزوں نہ تھا جہاں ہر صوبے کے حالات اور ضروریات مختلف ہیں۔ صوبجاتی حکومتوں کو محصول عائد کرنے یا قرض لینے کی اجازت نہ تھی۔ وہ صرف مقامی محصول (سس) وصول کرسکتی تھی جو سڑکوں اور ابتدائی مدارس کے اخراجات کے واسطے لیے جاتے تھے۔ معمولی معمولی اخراجات کے لیے انھیں مرکزی حکومت کی منظوری لینی ہوتی تھی۔ پھر ہر صوبے کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ مرکزی حکومت سے زیادہ سے زیادہ رقم وصول کرے۔ اگر کوئی صوبہ اپنے اخراجات میں کمی اور کفایت کرتا تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا اس لیے کہ بعض صوبوں کی کفایت سے مرکزی حکومت کے پاس جو رقم بچتی تھی وہ دوسرے اپنے کام میں لاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر صوبہ فضول خرچی کی طرف مائل تھا اور مرکزی حکومت کے سامنے اپنے مطالبات خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرتا تھا۔ اپنے مقامی ذرائع آمدنی کو ترقی دینے کی طرف بھی صوبے غفلت برت

رہے تھے۔ لارڈ میو کی حکومت نے سنہ ۱۸۷۰ء میں ایک تجویز منظور کی جس کی بدولت صوبجاتی حکومتوں کو بعض مالیاتی حقوق حاصل ہو گئے اور بعض محکموں کے انتظام کے لیے مرکزی حکومت سے مستقل امداد مقرر ہوگئی۔ اگر کسی صوبے کی آمدنی اور خرچ متوازن نہ ہوں تو ایسی حالت میں صوبجاتی حکومت یا تو مقامی محصولوں سے کمی پوری کرے گی یا اپنے اخراجات کم کرے گی۔ اگر اختتام سال پر صوبجاتی حکومت کے پاس کچھ رقم بچ رہے گی تو وہ مرکزی حکومت کو واپس نہیں کی جائے گی بلکہ صوبجاتی حکومت کے تصرف میں رہے گی۔ صوبجاتی حکومتوں کو یہ اختیار بھی حاصل ہوگیا کہ وہ ۲۵۰ روپے ماہوار تک کی خدمات پر تقرر کرسکیں۔ لارڈ میو کا خیال تھا کہ اس انتظام سے مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں کے تعلقات میں ہم آہنگی پیدا ہوجائے گی جس سے دونوں کے لیے سہولت ہوگی۔ لیکن مختلف صوبوں کی حقیقی ضروریات اور ان کے اخراجات کا باقاعدہ تعین نہیں کیا گیا۔ سنہ ۱۸۷۱ء میں جو مختلف صوبوں کے اخراجات تھے۔ انھیں کو تعین رقوم کی بنیاد قرار دیا گیا۔ حالانکہ ظاہر ہو کہ وہ صوبے جو حال ہی میں برطانوی مقبوضات میں شریک کیے گئے تھے ان کی ضروریات ان صوبوں سے مختلف تھیں جو پہلے سے انگریزی حکومت کے تحت آچکے تھے۔ اس طرح بعض صوبوں کے ساتھ مرکزی حکومت فیاضی سے پیش آئی اور بعض دوسرے صوبوں کے ساتھ بے انصافی کی گئی۔

لارڈ میو کی حکومت کی یہ تجویز عہد حالیہ کی انتظامی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہو۔ اس تجویز میں ایک جگہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہو کہ مقامی حکومت خود اختیاری کے اداروں کی اس وقت

ترقی ممکن ہوگی جبکہ حکومت کی مالیات میں عدم مرکزیت پیدا کی جائے گی۔ بغیر ایسا کیے تعلیم، حفظان صحت، تعمیرات اور دوسری مقامی ضروریات کو پورا کرنا مشکل ہوگا۔

لارڈ لٹن کے زمانے میں ایک قدم اور آگے بڑھایا گیا۔ حکومت ہند نے صوبجاتی حکومتوں کو مالیاتی حقوق منتقل کرنے کے بعد محسوس کیا کہ وہ محاصل کی وصولیابی میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتی ہیں اس لیے کہ ایسا کرنے میں انھیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ حکومت ہند نے یہ طے کیا کہ بعض محکموں کے انصرام کو کلیتہً صوبجاتی حکومتوں سے متعلق کر دیا جائے اور ان کے اخراجات کے لیے بعض مخصوص وسائل آمدنی میں ان کا حصہ رسدی مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ مال گزاری، اسٹامپ اور آبکاری کی آمدنی کو مرکزی صوبجاتی حکومتوں کے مابین تقسیم کر دیا گیا۔ اس مالیاتی اصلاح کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ لارڈ رپن کی اصلاحات کے لیے ان سے راستہ صاف ہوگیا اور صوبجاتی حکومتوں کی حیثیت ایک حد تک متعین ہوگئی جو پہلے نہ تھی۔ لارڈ رپن نے آمدنی کی بعض مدات کلیتہً صوبجاتی حکومتوں کے سپرد کر دیں اور بعض دوسری مدات حکومت ہند اور صوبجاتی حکومت کے درمیان تقسیم ہونے لگیں بغرض کہ ان تجاویز سے صوبوں کو مالیاتی معاملات میں مرکزی حکومت سے بڑی حد تک آزادی حاصل ہوگئی اور انھیں مقامی اداروں کو ترقی دینے کا موقع ملا۔

مقامی حکومت خود اختیاری سنہ ۱۸۸۲ء	لارڈ رپن کی حکومت نے سنہ ۱۸۸۲ء میں مقامی حکومت خود اختیاری

کی جو تجویز منظور کی اس کا منشا یہ تھا کہ تعلیم یافتہ ہندستانیوں کو مقامی

حکومت میں حصہ لینے کا موقع ملے۔ لارڈ موصوف کا پہلے خیال تھا کہ مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں میں لبرل اصلاحات نافذ کی جائیں لیکن ہندستان کے حالات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ بہتر ہوگا کہ پہلے مقامی اداروں میں اہل ہند کو سیاسی تجربہ حاصل کرنے کا موقع دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سیاسی تجربے کی بدولت جو غلطیاں ہوں گی وہ مقامی نوعیت کی ہوں گی جن سے پورے ملک کو زیادہ نقصان نہیں ہوگا۔ اس ضمن میں رپن نے وزیر ہند کو جو یادداشت بھیجی تھی اس میں بتلایا تھا کہ اہل ہند کے سیاسی ارتقا کے لیے ضرورت ہے کہ مقامی نمائندہ مجالس کا قیام جلد از جلد عمل میں آئے تاکہ تعلیم یافتہ اہل ہند کو اپنے اہل ملک کی خدمت کرنے کا موقع حاصل ہو اور ان میں شہری ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو۔ ممکن ہے کہ ان مقامی مجالس کے ناتجربہ کار ارکان شروع میں غلطیاں کریں لیکن سیاسی شعور پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو غلطیاں کرنے کی آزادی دی جائے۔ چنانچہ حکومت ہند کی تجویز میں صاف صاف مذکور تھا:-

"مقامی حکومت خود اختیاری کی تجویز کا اصلی مقصد یہ نہیں ہے کہ نظم و نسق میں بہتری پیدا کی جائے اس کا منشا عوام الناس کی سیاسی تربیت ہے۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو اس امر کا یقین ہے کہ جوں جوں مقامی حالات کے علم میں اضافہ ہوگا اور مقامی مفاد کو پیش نظر رکھا جائے گا اس کا نتیجہ مقامی نظم و نسق کی اصلاح کی شکل میں ظاہر ہونا لازمی ہے۔"

لارڈ رپن کی تجویز کے مطابق تمام ہندستان میں مجالس ضلع اور بلدیات کی جدید تنظیم کی طرف توجہ کی گئی۔ مجوزہ قواعد کی رو سے ان مجالس کی تشکیل میں نمائندہ عنصر کو داخل کیا گیا اور غیر سرکاری ارکان کی

اکثریت رکھی گئی۔ سرکاری عنصر کسی حالت میں بھی ⅓ سے زائد نہ ہوگا۔ مجالس ضلع اور بلدیات کی صدارت غیر سرکاری ارکان کے لیے ممکن ہوگی۔ بلدیات کو محصولات عائد کرنے اور وصول کرنے کا حق دیا گیا۔ جہاں غیر سرکاری ارکان میں مجلس ضلع کی صدارت کے لیے کوئی موزوں شخص موجود نہ ہو تو صدر نشین حاکم ضلع ہوگا۔ حاکم ضلع کی نگرانی میں مقامی مجالس ضلع بعض مخصوص مدات کے تحت محصول عائد کر سکیں گی اور قرض لے سکیں گی۔ لیکن حاکم ضلع سے توقع کی جائے گی کہ وہ حتی المقدور مجلس کے فیصلوں میں ردّ و بدل نہ کرے سوائے ایسے حالات کے جیسے بلدیاتی ملکیت کی فروخت، قرضے لینا یا ایسے محصول عائد کرنا جن کی مجلس کو اجازت نہیں ہے۔ بہر نوع غیر سرکاری ارکان کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ ان کے ہاتھ میں قوت دی گئی ہے اور انھیں نہایت اہم ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونا ہے۔ جہاں حالات اس کی اجازت دیں وہاں مجالس ضلع کے صدر غیر سرکاری ارکان میں سے ہو سکتے ہیں جنھیں مجلس نے کثرت رائے سے منتخب کیا ہو۔ اگر حاکم ضلع مجلس ضلع کا صدر ہوگا تو اس کو اس کی کارروائیوں میں رائے دینے کا حق نہ ہوگا۔

لارڈ رپن کی مقامی حکومت خود اختیاری کی اصلاحات اور سنہ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے قیام سے اہل ہند کے سیاسی شعور میں اضافہ ہوا اور ان کے تعلیم یافتہ طبقے کو یہ خواہش ہوئی کہ اس کو حکومت میں شریک کیا جائے۔ لارڈ ڈفرن نے اپنے زمانے کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا اور اپنے ایک مراسلے میں جو اس نے وزیر ہند کو بھیجا تھا اہل ہند کے ارادوں اور خواہشات کی صحیح ترجمانی کی۔ اس نے

وزیر ہند کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ انگریزی حکومت کو چاہیے کہ بہت جلد سیاسی اصلاحات نافذ کرے تاکہ تعلیم یافتہ اہل ہند کو اپنے ملک کی حکومت میں شرکت کا موقع حاصل ہوسکے۔ لارڈ ڈفرن نے اپنی مجلس عاملہ کی ایک کمیٹی ہندستان میں سیاسی اصلاحات نافذ کرنے کے متعلق غور کرنے کے لیے مقرر کی۔ اس کمیٹی نے جو سفارشات پیش کیں ان میں سب سے اہم یہ تجویز تھی کہ گورنر جنرل اور گورنروں کی مجالس وضع قانون میں نیابتی طریقے کو رائج کیا جائے۔ اب تک ان مجالس میں انتخابی عنصر بالکل نہیں رکھا گیا تھا بلکہ تمام ارکان نام زد شدہ ہوتے تھے۔ لارڈ موصوف نے اپنے دوسرے مراسلے میں واضح کر دیا کہ ہماری اسکیم درحقیقت مجالس وضع قانون کی توسیع کرنا چاہتی ہے، ان کی حیثیت کو بلند کرنا، ان کے وظائف کو بڑھانا اور ایک حد تک طریق انتخاب کو رائج کرنا بھی مقصود ہے تاکہ سیاسی اداروں کی حیثیت سے ان کے عام خط و خال لبرل نظر آئیں۔ لارڈ موصوف نے اس کی پوری طرح وضاحت کی کہ ہم ہندستان میں پارلیمانی طریق حکومت رائج کرنے کا خواب و خیال بھی نہیں رکھتے۔ یہ اس لیے کیا گیا تاکہ انگلستان کی قدامت پسند جماعت ان کی اسکیم کی طرف سے بدظن نہ ہوجائے۔ باوجود اس محتاط نقطۂ نظر کے جو اسکیم مرتب کرتے وقت اختیار کیا گیا وزیر ہند نے صاف جواب دے دیا کہ اس وقت تک حکومت ہند میں کوئی ایسی بنیادی تبدیلی کرنے کے متعلق غور نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کی تائید میں قطعی شہادتیں نہ فراہم کرلی جائیں۔

لارڈ ڈفرن کی حکومت نے سنہ ۱۸۸۶ء میں سرچارلس ایچی سن

کی صدارت میں ایک کمیشن مقرر کیا تاکہ اس مسئلے پر غور کرے کہ ہندستانیوں کی تعداد اعلیٰ خدمات پر بڑھانے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ اس کمیشن کے ۱۵ ارکان میں ۵ ہندستانی تھے۔ انڈین نیشنل کانگریس کی اس تجویز پر غور کیا گیا کہ انڈین سول سروس کا مقابلتی امتحان انگلستان کے ساتھ ساتھ ہندستان میں بھی ہونا چاہیے۔ لیکن یہ تجویز منظور نہیں کی گئی اس لیے کہ ایسا کرنے سے اندیشہ تھا کہ اہل ہند کے بعض اہم طبقے جو تعلیم میں نسبتاً پیچھے تھے، اس تجویز سے مطلق فائدہ نہیں اُٹھا سکیں گے کمیشن نے اس ضمن میں تمام تنقیحات پر غور و خوض کیا اور پبلک سروس کو چار حصّوں میں تقسیم کرنے کی سفارش کی، امپریل، سنٹرل، پراونشل اور سبارڈینیٹ۔ اوّل الذکر کے تقررات وزیر ہند کی جانب سے ہوں گے۔ ثانی الذکر کا تعلق تمام تر مرکزی حکومت ہند سے رہے گا۔ اس کے تحت مالیات، ریلوے اور ٹپہ، وغیرہ کی اعلیٰ خدمات ہوں گی۔ پراونشل اور سبارڈینیٹ سروس کے ارکان کا تقرر صوبجاتی حکومت کرے گی۔ اُن کے ارکان ترقی کرکے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، ڈسٹرکٹ جج اور سیشن جج کی خدمات پر فائز ہوسکیں گے۔ یہ دونوں سروسیں تمام تر ہندستانیوں پر مشتمل ہوں گی۔ کمیشن نے اس کی بھی سفارش کی کہ قابل نوجوان ہندستانیوں کو امپیریل سول سروس میں داخل ہونے کے لیے آسانیاں بہم پہنچائی جائیں اور ان کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ چونکہ انگریزی عنصر کو کم کرنے سے نظم و نسق میں خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اس لیے احتیاط لازم ہو گی۔

اس دوران میں انڈین نیشنل کانگریس نے اپنے سالانہ اجلاسوں میں مزید سیاسی اصلاحات کا مطالبہ پیش کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت

کانگریس کی سربراہی اعتدال پسند لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ بعض انگریزوں نے بھی کانگریس کے قیام میں مدد دی۔ ان میں مسٹر ہیوم، سر ولیم وڈربرن، سر ہنری کاٹن اور مسٹر جارج یول کے نام یادگار رہیں گے۔ انڈین نیشنل کانگریس کی فرمائش پر مسٹر بریڈ لانے سنہ ۱۸۸۹ء میں دارالعوام میں ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس میں گورنر جنرل اور گورنروں کی مجالس وضع قانون کے ارکان کی تعداد بڑھانے، ان میں انتخابی عنصر شامل کرنے اور ان کے اختیارات وسیع کرنے کے متعلق تجاویز تھیں۔ لیکن موصوف کے انتقال کے باعث اور آئرستان کے مسئلے کے انہماک کی وجہ سے پارلیمنٹ ہندستان میں سیاسی اصلاحات نافذ کرنے کے مسئلے پر غور نہ کر سکی۔

قانون مجالس ہند سنہ ۱۸۹۲ء

لارڈ لینسڈاون کے عہد حکومت میں کانگریسی انتہا پسندوں کا زور بڑھنا شروع ہوگیا۔ لارڈ موصوف کی سفارش پر پارلیمنٹ میں ہندستان کے مسئلے پر کافی بحث و مباحثہ ہوا اور بالآخر سنہ ۱۸۹۲ء میں ایک مسودۂ قانون پیش ہوا جس کا منشا سنہ ۱۸۶۱ء کے قانون ہند کی ترمیم تھا۔ مسٹر (بعد میں لارڈ) کرزن نے جو اس وقت نائب وزیر ہند تھے اس مسودۂ قانون کو دارالعوام میں پیش کرتے وقت کہا تھا کہ اس کا مقصد حکومت ہند کی بنیاد کو وسیع کرنا اور اس کے فرائض میں وسعت پیدا کرنا ہے تاکہ ہندستانیوں کے غیر سرکاری عنصر کو حکومت کے کام میں زیادہ شرکت کے مواقع حاصل ہوسکیں۔ یہ گویا سرکاری طور پر اس نمایاں ترقی کا اعتراف ہے جو اہل ہند کے اعلیٰ طبقے نے سیاسی معاملات سے دلچسپی اور اظہار صلاحیت کی شکل میں سنہ ۱۸۵۸ء سے اس وقت تک کی ہے۔ قانون مجالس ہند سنہ ۱۸۹۲ء کے بموجب مندرجۂ ذیل سیاسی حقوق

حاصل ہوئے۔

گورنر جنرل کی کونسل (امپریل کونسل) کے زائد ارکان کی تعداد بجائے بارہ کے سولہ کر دی گئی۔ صوبجاتی مجالس وضع قانون کی تعداد بمبئی، مدراس اور بنگال کے لیے ۲۰ اور صوبۂ شمال مغرب کے لیے ۱۵ ہوگئی۔ پنجاب اور برما میں پہلی مرتبہ مجالس وضع قانون قائم کی گئیں۔ گورنر جنرل اور گورنروں کو اختیار دیا گیا کہ مجالس کے ارکان کی نامزدگی کے متعلق اس قانون کے تحت اپنے حسب صوابدید تفصیلی قواعد مقرر کریں تاکہ مختلف مفادوں کی نمایندگی ہو سکے۔ بلدیات، مجالس ضلع، جامعات اور تجارتی ایوان ان مجالس کے لیے حلقہ ہائے انتخاب مقرر ہوئے۔ حکومت ہند کا سالانہ میزانیہ بحث و تمحیص کے لیے ارکان کے سامنے پیش کیا جائے گا اور ہر رکن کو چند یوم قبل میزانیہ کی ایک نقل بھیج دی جائے گی۔ ارکان کو اختیار ہوگا کہ میزانیہ کی مدات کے متعلق تنقید و بحث کریں۔ صدر محکمہ متعلقہ یا صدر مجلس ان اعتراضات کا جواب دے گا۔ میزانیہ کے متعلق ارکان کوئی نئی تجویز پیش کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ ارکان مجلس کو سوالات اور ضمنی سوالات کرنے کا حق ہوگا تاکہ کسی مسئلے کے متعلق حکومت سے معلومات فراہم کی جائے جن کی اطلاع پہلے سے کرنا ہوگی۔ صدر مجلس کو اختیار ہوگا کہ اگر کسی سوال کو نامناسب خیال کرے تو اُس کے پیش کرنے کی اجازت نہ دے۔ صوبجاتی مجلسوں کو اختیار ہوگا کہ گورنر جنرل کی اجازت حاصل کرنے کے بعد امپریل کونسل کے کسی ایسے منظور کردہ قانون کی ترمیم و تنسیخ کے متعلق بحث کر سکیں جو اس صوبے سے تعلق رکھتا ہو۔

سنہ ۱۸۹۲ء کے قانون مجالس ہند سے امپریل کونسل اور صوبجاتی

مجلسوں کی سیاسی اہمیت میں اضافہ ہوگیا۔ اب ان کا کام محض وضع قانون نہیں رہا بلکہ انتظامی معاملات کے متعلق ارکان مجلس حکومت سے سوالات کرسکتے تھے۔ اس کے علاوہ ان مجالس کے قیام میں بالواسطہ طور پر طریق انتخاب پہلی مرتبہ ہندستان میں رائج ہوا۔ یہ دونوں باتیں سیاسی اعتبار سے نہایت اہم تھیں۔ انڈین نیشنل کانگریس نے سنہ ۱۸۹۲ء کے قانون مجالس ہند کو غیر تشفی بخش اور اپنی توقعات سے بہت کم قرار دیا اور مزید سیاسی حقوق کے مطالبات پیش کیے۔

یہ عجب بات ہے کہ وہی مسٹر (بعد میں لارڈ) کرزن جس نے بہ حیثیت نائب وزیر ہند قانون مجالس ہند کی تائید میں دارالعوام میں تقریریں کی تھیں جب گورنر جنرل ہوکر ہندستان آیا تو اس قانون کی اصلی روح کو اس نے اوروں سے زیادہ مٹانے کی کوشش کی۔ اس کی حکمت عملی کا اصول یہ تھا کہ اہل ہند کو نظم ونسق میں شریک کرنا اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنا کہ ملکی انتظام کی کارگزاری کو بڑھانا۔ اس کو اندیشہ تھا کہ اہل ہند کو سیاسی اختیارات ملنے سے نظم ونسق کا وہ اعلیٰ معیار نہیں قائم رہ سکے گا جو ہندستان میں حکومت برطانیہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اس کی بعض انتظامی تدابیر کے باعث، بالخصوص تقسیم بنگالہ کی وجہ سے، ملک کے طول و عرض میں سیاسی بے چینی اور ہلچل پیدا ہوگئی۔ دہشت پسندی کی تحریک کو زور پکڑنے کا موقع ملا۔ انگلستان میں تقریباً بیس برس سے قدامت پرست جماعت ملکی سیاست پر حاوی تھی۔ یہ جماعت اہل ہند کو ملکی اصلاحات دینے کے مخالف تھی۔ اس عرصے میں ہندستان میں شورش بڑھی۔ اور ادھر سنہ ۱۹۰۵ء میں انگلستان میں لبرل جماعت برسر اقتدار ہوگئی۔

سر ہنری کیمبل بینر مین کی وزارت میں لارڈ مارلے وزیر ہند مقرر ہوئے۔ لارڈ مارلے لبرل جماعت کے سرگرم رکن اور مشہور صاحب فکر شخص تھے۔ اپنے عہدے کا جائزہ لینے کے بعد انھوں نے ہندستان کی سیاسی حالت کی تحقیقات شروع کرادی اور لارڈ منٹو کو ہندستان کا گورنر جنرل اور وائسرائے اس واسطے مقرر کیا گیا کہ وہ لبرل خیالات کے حامی تھے اور اس سے قبل کناڈا میں دستوری گورنر جنرل کی حیثیت سے کام کر چکے تھے۔

لارڈ منٹو نے ہندستان پہنچنے کے بعد ہندستان کے صاحب رائے اشخاص سے نجی کے طور پر مشورے شروع کر دیے۔ اس نے اپنی کونسل کے چند ارکان کی ایک کمیٹی مقرر کی تاکہ وہ ہندستان کے سیاسی حالات کا جائزہ لے کر اپنی رپورٹ پیش کرے۔ اس ضمن میں صوبجاتی حکومتوں سے بھی رائے طلب کی گئی۔ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء میں باقاعدہ سرکاری طور پر امپیریل کونسل میں اس کا اعلان کیا گیا کہ عنقریب ہندستان میں سیاسی اصلاحات رائج کی جائیں گی تاکہ اہل ہند کو اپنے ملک کی حکومت میں شریک ہونے کا موقع مل سکے۔ ایک اہم مسئلہ اس وقت لارڈ منٹو کے سامنے یہ تھا کہ اگر کونسلوں کی تشکیل میں انتخابی عنصر رائج کر دیا جائے تو اس کا اندیشہ ہے کہ ہندستانی معاشرہ کے بعض نہایت اہم طبقے جو نسبتاً تعلیم میں پیچھے ہیں کہیں نیابت سے محروم نہ رہ جائیں، جیسے زمیندار، ساہوکار، مسلمان، وغیرہ یکم اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء کو مسلمانان ہند کے ایک وفد نے سر آغا خان کی سربراہی میں لارڈ منٹو سے ملاقات کی اور مسلمانوں کے لیے جداگانہ حق انتخاب کا مطالبہ پیش کیا۔ اسی سال مسلم لیگ کی بنا پڑی جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندستان کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ اس وقت

تک ہندستان کے مسلمان ملکی سیاست سے بالکل علٰحدہ رہے تھے۔ لیکن اب انھوں نے محسوس کیا کہ سیاست کو نظر انداز کرنے سے خود نظر انداز ہونے کا اندیشہ ہو۔ لارڈ منٹو کی خدمت میں مسلم لیگ کے وفد نے جو ایڈریس پیش کیا تھا اس میں یہ مطالبہ کیا کہ مسلمانانِ ہند کی اس ملک میں جو سیاسی حیثیت ایّامِ گزشتہ میں رہی ہو اس کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے سیاسی حقوق کا تعین کیا جائے۔ چونکہ اب تک مرکزی اور صوبجاتی کونسلوں میں ان کے فرقے کی نمایندگی بہت ناکافی رہی ہو۔ اس لیے انھیں حق ملنا چاہیے کہ وہ جداگانہ انتخاب کے ذریعے اپنے نمایندے کونسلوں میں بھیج سکیں۔ اس کے علاوہ سرکاری ملازمتوں میں بھی مسلمانوں کی تعداد بڑھانی چاہیے۔ لارڈ منٹو نے جداگانہ حق انتخاب کا اصول مسلمانوں کے لیے تسلیم کر لیا اگرچہ لارڈ مارلے نے شروع میں اس کی مخالفت کی لیکن بالآخر وہ بھی رضا مند ہو گئے۔ لارڈ مارلے نے قانون مجالس ہند کا مسودہ جسے "مارلے منٹو اسکیم" بھی کہتے ہیں، سنہ ۱۹۰۹ء میں پارلیمنٹ میں منظوری کے لیے پیش کیا جس کی اہم دفعات مندرجۂ ذیل ہیں:-

قانون مجالسِ ہند سنہ ۱۹۰۹ء گورنر جنرل کی امپیریل کونسل کے زائد ارکان کی تعداد بجائے ۱۶ کے ۶۱ کر دی گئی اور صوبجات بمبئی، مدراس، بنگال اور صوبۂ شمال مغربی میں زیادہ سے زیادہ ۵۰ زائد ارکان ہوں گے اور پنجاب اور برما میں ان کی تعداد تیس ۳۰ ہو گی۔ صوبجاتی مجلسوں کے زائد ارکان میں غیر سرکاری عنصر کو اکثریت حاصل ہو گی لیکن امپیریل کونسل میں سرکاری عنصر کو اکثریت حاصل رہے گی۔ مجالس بلدیہ، مجلس ضلع، طبقۂ زمینداران، ایوان ہائے تجارت اور جامعات کو

ارکان منتخب کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ مسلمانوں کی نیابت جداگانہ طریق انتخاب سے مرکزی اور صوبجاتی مجالس میں ہوگی۔ مرکزی اور صوبجاتی مجالس کے ارکان کو تجاویز پیش کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ میزانیہ ہر سال مجالس کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس پر بحث کرنے اور رائے دینے کی اجازت ہوگی۔ صدر کی اجازت سے ارکان کو سوالات اور ضمنی سوالات کرنے کا حق ہوگا۔ مرکزی مجلس کے ارکان کا انتخاب تین سال کے لیے ہوگا۔ لیکن سرکاری ارکان کی نامزدگی اس سے کم مدت کے لیے بھی ہوسکے گی۔ فوجی سیاسی اور صوبجاتی امور پر مرکزی مجلس وضع قانون میں بحث نہیں ہوگی۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل اگر کسی مسئلے پر بحث کرنے کو خلاف مصلحت تصور کرے تو وہ پیش نہ ہوسکے گا۔ صدر مجلس کو اختیار ہوگا کہ کسی تجویز کو پیش ہونے سے اس بنا پر روک دے کہ ایسا کرنے سے مفادِ عامہ کو نقصان پہنچے گا۔

سنہ ۱۹۰۹ء کے قانون مجالس ہند کے نافذ ہونے کے بعد قواعد منظورہ کے تحت مرکزی مقننہ کی ترتیب حسبِ ذیل تھی:۔

گورنر جنرل۔

مجلس عاملہ کے ۱۷ ارکان۔

۲۹ سرکاری حکام جن میں سے ۲۸ نامزد شدہ حکام ہوں گے جو نو صوبوں کی مقامی حکومتوں کی طرف سے بھیجے جائیں گے نیز صوبہ دہلی کا چیف کمشنر یا پنجاب کا لفٹنٹ گورنر بہ اعتبار عہدہ شرکت کا مجاز ہوگا۔

۳۲ غیر سرکاری ارکان جن میں سے ۵ نامزد شدہ ہوں گے اور

۲۷ منتخب شدہ۔

کل تعداد ۶۹ ہوگی جن میں سے ۴۱ زائد ارکان ہوں گے۔

مرکزی مقننہ کے لیے حق رائے دہندگی مفصلۂ ذیل کو حاصل تھا:۔

(الف) صوبوں کی مجلس مقننہ کے غیر سرکاری ارکان ۱۳ ارکان منتخب کریں گے۔

(ب) چھو صوبوں (یعنی بمبئی، مدراس، بنگال، یو۔پی، سی۔پی اور بہار و اوڑیسہ) کے مسلمہ حیثیت کے زمینداروں کو اپنے صوبے سے ۷ زمیندار منتخب کرنے کا حق ہوگا۔

(ج) مذکورہ چھو صوبوں کے مسلمہ حیثیت کے مسلمان ۵ ارکان منتخب کریں گے۔

(د) یورپین ایوان ہائے تجارت (بنگال و بمبئی) کی جانب سے دو رکن منتخب ہوں گے۔

(ر) مرکزی اور صوبجاتی مقننہ کے حقوقِ انتخاب میں فرق تھا۔ مرکزی مقننہ کے لیے ۱۰ ہزار سالانہ مال گزاری ادا کرنے والے حقِ انتخاب رکھتے تھے یا اعلیٰ خطاب یافتہ اشخاص۔ بنگال کے مسلمانوں کو بطور رعایت یہ حق تھا کہ ان کے آنریری مجسٹریٹ، آمدنی پر محصول ادا کرنے والے اور حکومت کے جملہ پنشن یافتہ اشخاص کو حق رائے دہندگی حاصل ہوگا، اس لیے کہ آمدنی کے معیار سے دیکھا جاتا تو بہت کم مسلمان حق رائے دہندگی کے مستحق ہوتے۔

بعض صوبوں کی مجالس مقننہ کا حال مندرجۂ ذیل نقشے

سے ظاہر ہوتا ہے:-

ارکان	بنگال	مدراس	بمبئی	یو۔پی	پنجاب
گورنر یا لفٹننٹ گورنر	۱	۱	۱	۱	۱
مجلسِ عاملہ	۳	۳	۳	—	—
نامزد شدہ سرکاری ارکان	۱۶	۱۷	۱۵	۲۰	۱۰
نامزد شدہ غیر سرکاری ارکان	۴	۵	۷	۶	۶
منتخب شدہ ارکان	۲۸	۲۱	۲۱	۲۱	۸
ماہرین نامزد شدہ	۲	۲	۲	۲	۲
کل تعداد	۵۴	۴۹	۴۹	۵۰	۲۷

غرض کہ مارلے منٹو اسکیم کے ذریعے جو طریق انتخاب رائج ہوا اس کی رو سے اصلی رائے دہندوں اور نمایندوں میں بہت بعید کا تعلق ہوتا تھا۔ اس کو براہ راست نیابتی طریق انتخاب کے بجائے بالواسطہ انتخاب کہنا مناسب ہوگا۔ اگرچہ صوبوں میں برائے نام غیر سرکاری ارکان کو اکثریت حاصل تھی لیکن چونکہ ان غیر سرکاری ارکان میں نامزد شدہ ارکان بھی ہوتے تھے اس واسطے سرکاری ارکان اپنے حسب منشا اکثر اوقات صوبجاتی مقننہ میں غلبہ حاصل کر لیتے تھے۔ اعتدال پسند ہندوؤں اور مسلمانوں کی مدد سے حکومت صوبجاتی مقننہ میں بآسانی توازن قائم رکھ سکتی تھی اور حسب منشا معاملات طے کرا سکتی تھی۔ باوجود انتخابی عنصر کی موجودگی کے مخصوص مفاد کی نمایندگی کرنے والے موجود تھے جو حکومت کے ساتھ اپنے

آپ کو وابستہ سمجھتے تھے۔ غرض کہ بالواسطہ انتخاب کی وجہ سے نیابتی اصول محض جزوی طور پر رائج ہوا۔

واضح رہے کہ قانون مجالس ہند سنہ ۱۹۰۹ء کی رو سے پارلیمنٹ نے پہلی مرتبہ نیابتی اصول کو مجالس مقننہ کے لیے تسلیم کیا، چاہے وہ نیابت بالواسطہ ہی کیوں نہ ہو اور صوبجاتی حکومتوں کی اہمیت اور حیثیت بہ نسبت پہلے کے بہت بلند ہو گئی۔ اب نظم و نسق کے اہم امور معرضِ بحث میں لائے جا سکتے تھے اور صوبجاتی حکومتیں اپنا میزانیہ علیحدہ تیار کرتی تھیں۔ سنہ ۱۹۰۹ سے قبل صوبجاتی مسودہ ہائے میزانیہ مرکزی حکومت کی منظوری کے لیے پیش ہوا کرتے تھے اور اکثر اوقات ان میں ایسے تغیرات کیے جاتے تھے کہ وہ بالکل بدل جاتے تھے۔ لیکن اب ایسا کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ یہ قاعدہ مقرر ہو گیا کہ اگر کوئی صوبجاتی حکومت ایسی نئی اسکیم پیش کرے جس میں پانچ ہزار روپے سے زائد خرچ ہوتا ہو تو وہ اسکیم مرکزی مقننہ کی ایک کمیٹی کے سپرد کی جائے گی تاکہ وہ اس کے متعلق ضروری تنقیح اور جانچ کر کے اپنی سفارشات پیش کرے۔ اس کمیٹی کے ارکان میں نصف منتخب شدہ ارکان کی شرکت لازمی تھی۔

مرکزی اور صوبجاتی مقننہ میں جو تجاویز کثرتِ رائے سے منظور ہوں گی ان کی حیثیت حکومت کے لیے محض سفارشات کی ہوگی۔ حکومت ان کے مطابق عمل کرنے کے لیے پابند نہ ہوگی۔ صدر کو اختیار ہوگا کہ بلا وجہ بتائے ہوئے جس تجویز کو چاہے مقننہ میں پیش ہونے سے روک دے۔ میزانیہ کی تمام مدات کے متعلق قطعی فیصلے گورنر جنرل

بہ اجلاس کونسل کرے گا۔ ارکان کی راے کے مطابق گورنر جنرل بہ اجلاس
کونسل میزانیہ میں تبدیلی کرسکتا ہو لیکن ارکان کو از خود یہ حق حاصل نہ ہوگا
کہ میزانیہ کے متعلق کوئی تجاویز پیش کریں۔ میزانیہ کی منظوری کے لیے
مجلس میں راے نہیں لی جائے گی۔ آمدنی کی بعض مدات مثلاً اسٹامپ،
کرُوڑ گیری اور دیسی والیان ملک کا خراج وغیرہ کے متعلق بحث نہ ہوسکے
گی۔ اسی طرح بعض خرچ کی مدات مثلاً فوج، بحریہ، قرضۂ عامہ، دفاع
سرکاری ریلیں، سیاسی پنشنیں، اور امور مذہبی کے متعلق بھی کسی قسم کی
بحث کی اجازت نہ ہوگی۔ ان امور کے علاوہ مفاد عامہ یا نظم ونسق کے
دوسرے مسائل معرض بحث میں لائے جاسکیں گے۔ سوالات کرنے کے
لیے قاعدے مقرر ہوں گے جن کی پابندی لازمی ہوگی۔

دسمبر سنہ ۱۹۰۷ء میں جبکہ مارلے منٹو اصلاحات کا خاکہ زیر بحث تھا
سورت میں انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں
انتہا پسندوں اور اعتدال پسندوں میں تفرقہ پیدا ہوگیا اور کانگریس
دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ انتہا پسندوں کے سرگروہ تلک اور بپن چندر
پال تھے جو سودیشی اور بائیکاٹ کی حمایت میں تھے۔ اعتدال پسندوں
کے لیڈر راش بہاری گھوش، سر فیروز شاہ مہتا، سریندر ناتھ بنرجی اور گوکھلے
تھے جو دستوری اور آئینی ذرائع سے اہل ہند کے لیے حکومت خود اختیاری
کے خواہاں تھے اور مارلے منٹو اسکیم کو باوجود اس کی خامیوں کے قابل
قبول خیال کرتے تھے۔ اس زمانے میں بنگال میں دہشت انگیزی کی
تحریک دن بدن بڑھ رہی تھی۔ جب مارلے منٹو اسکیم نافذ ہوئی تو
اعتدال پسند طبقے نے حکومت کے ساتھ تعاونِ عمل کیا اور مسٹر گوکھلے

نے اپنی مدراس کی تقریر میں نافذ شدہ اصلاحات کے سیاسی فوائد کی طرف اہل ہند کی توجہ مبذول کی۔ لارڈ منٹو کے انگلستان واپس جانے کے بعد لارڈ ہارڈنگ نے اہل ہند کی مزید تالیف قلوب کرنی چاہی۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء میں شہنشاہ جارج پنجم ہندستان تشریف لائے اور دہلی میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ دربار منعقد ہوا جس میں ملک کے والیان ریاست اور بڑے بڑے امراء نے شرکت کی۔ اس موقع پر تقسیم بنگالہ کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا گیا اور کلکتے کی بجائے دہلی کو ہندستان کا دارالسلطنت قرار دیا گیا۔ بہار و اڑیسہ کا نیا صوبہ بنایا گیا اور آسام میں چیف کمشنری قائم کی گئی۔ لارڈ ہارڈنگ کی حکومت کی سفارش پر ایک شاہی ماموریہ (رائل کمیشن) بہ صدارت لارڈ اسلنگٹن مقرر کیا گیا تاکہ اس امر پر غور کرے کہ سرکاری اعلیٰ ملازمتوں میں ہندستانیوں کی تعداد اس قدر کم کیوں ہے۔ اس کمیشن کے ارکان میں تین ہندستانی، سر عبدالرحیم، گوپال کرشنا گوکھلے اور مہادیو بھسکر چوبال شریک تھے۔ اس کمیشن کی رپورٹ جنگ کی مصروفیت کے باعث سنہ ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی۔ جنگ کے بعد جب ہندستان کے عام سیاسی مسئلے کی طرف پارلیمنٹ نے توجہ کی تو سول سروس کا مسئلہ بھی زیر غور آیا اور ہندستانیوں کی تعداد بڑھانے کی تجاویز منظور ہوئیں۔

ہندستانی مدبرین نے مجالس مقننہ کو محض مشاورتی جماعتیں نہیں تصور کیا تھا بلکہ وہ ان کے توسط سے ملکی نظم و نسق پر اثر ڈالنا چاہتے تھے۔ مسٹر گوکھلے نے مرکزی مقننہ میں مختلف ملکی مسائل پر جو تقریریں کیں وہ پارلیمانی نقطۂ نظر سے نہایت بلند پایہ تھیں لیکن ان کی آواز مطلق مؤثر نہ ہوئی۔

ہندستانی مدبرین کو جدید اصلاحات سے اس لیے مایوسی ہوئی کہ وہ اپنی
رائے کو ملکی نظم و نسق میں موثر نہ بنا سکے۔ حکومت ہند کو اس لیے مایوسی
ہوئی کہ چونکہ تنقید کرنے والے براہِ راست حکومت کے کاموں میں شریک
نہیں تھے اس واسطے ان کی رائے میں غیر ذمہ داری کا عنصر غالب رہتا
تھا۔ اگرچہ گورنر جنرل کی کونسل میں ایک ہندستانی مسٹر (بعد میں لارڈ)
سنہا کو رکن قانون بنایا گیا، وزیر ہند کی کونسل میں بھی دو ہندستانی
ارکان مقرر کیے گئے اور گورنروں کی کونسلوں میں بھی ہندستانی ارکان نے
بار پایا لیکن حکومت کی حکمت عملی پر ان کی وجہ سے کوئی گہرا اثر مترتب نہیں
ہوا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۴ء میں جب جنگ عظیم شروع ہوئی تو ہندستانی
اعتدال پسند طبقہ بھی مارلے منٹو اسکیم سے مایوس ہو چکا تھا اور مزید اصلاحات
کا خواہشمند تھا۔ مسٹر مارلے نے قانون مجالس ہند سنہ ۱۹۰۹ء کے پیش
ہونے کے موقع پر یہ بات صاف طور پر کہہ دی تھی کہ اس قانون سے وہ
ہندستان میں پارلیمانی نظام حکومت نہیں قائم کرنا چاہتے۔ ان کا منشا
اس سے بس یہ ہو کہ مزاج کی قوتوں کو دباکر اہل ہند کے معتدل خیال
طبقے کو حکومت کے کاروبار میں مشاورتی حیثیت سے شریک کیا جائے۔
ان مقاصد کے حاصل کرنے میں بلاشبہہ قانون مجالس ہند سنہ ۱۹۰۹ء
بڑی حد تک کامیاب ہوا۔

چھٹا باب

قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء

(نیابتی اور ذمّہ دار حکومت کا آغاز)

جنگ عظیم کے دوران میں اہل ہند نے برطانوی حکومت کی کامیابی کے لیے ہر ممکنہ کوشش کی۔ چنانچہ ان کی بیش بہا خدمات کا اعتراف خود برطانوی مدبرین نے بھی کیا۔ فرانس اور مشرق ادنیٰ کے محاذوں پر لاکھوں ہندستانیوں نے برطانیہ عظمیٰ کی حمایت میں اپنا خون بہایا۔ قدرتی طور پر ہندستانیوں کے تعلیم یافتہ اور اصلاح پسند طبقے کی یہ خواہش تھی کہ برطانوی حکومت ان کے ہم وطنوں کی خدمات کا صلہ سیاسی اصلاحات کی شکل میں دے تاکہ اہل ہند کی سیاسی حیثیت برطانوی نوآبادیوں کے مثل ہوجائے۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں جو شہنشاہی موتمر جنگ منعقد ہوئی اس میں اہل ہند کی تالیف قلب کے لیے مہاراجا بیکانیر، سر سیتندر ناتھ سنہا (بعد میں لارڈ سنہا) اور سر جیمس مسٹن حکومت ہند کے نمایندوں کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

دوران جنگ میں مسز اینی بسنٹ اور مسٹر تلک نے ہوم رول کی تحریک شروع کردی اور اہل ہند کے سیاسی مطالبات کو صاف صاف پیش کیا تاکہ برطانوی ارباب حل و عقد کو شک وشبہہ کی گنجایش باقی

نہ رہے۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقد ہوئے۔ ان دونوں سیاسی جماعتوں کے درمیان میثاق طے ہوا۔ جسے میثاق لکھنؤ کہتے ہیں اور ایک متفقہ اسکیم منظور ہوئی جسے تمام ہندستان کے باشندوں کے مطالبے کی حیثیت سے برطانوی حکومت کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ کانگریس لیگ اسکیم کہلاتی ہے۔ یہ اسکیم پانچ حصّوں میں منقسم تھی۔

حصّہ اوّل۔ اس میں صوبجاتی مقننہ کی تشکیل اور اس کے وظائف سے بحث کی گئی تھی۔ ہر بڑے صوبے کی مقننہ میں ۱۰۰ سے لے کر ۱۲۵ تک ارکان ہونے چاہئیں اور چھوٹے صوبوں کی مقننہ میں ۵۰ سے لے کر ۷۵ تک کی تعداد کافی ہوگی۔ ہر صورت میں ⅘ تعداد ارکان نہایت وسیع رائے دہندگی کے اصول پر منتخب ہوگی۔ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ہر صوبے کی مقننہ میں نشستیں محفوظ رکھی جائیں گی۔ پنجاب میں ۵۰ فی صدی، یو۔پی میں ۳۰ فی صدی، بنگال میں ۴۰ فی صدی، بہار میں ۲۹ فی صدی، سی۔پی میں ۱۵ فی صدی، مدراس میں ۱۵ فی صدی اور بمبئی میں ۲۳ فی صدی نشستیں مسلمانوں کے لیے محفوظ ہوں گی۔ اگر کسی اقلیت کے ¾ منتخب شدہ ارکان کسی تجویز کی اپنے مفاد کے مدنظر مخالفت کریں تو اس تجویز کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ان صوبجاتی مجالس کے صدر منتخب شدہ ہوں۔ صوبجاتی مجالس مقننہ اپنی ذمہ داری پر قرض لینے اور محصولات میں تغیر و تبدل کی مجاز ہوں گی۔ میزانیہ مجلس کی رائے سے منظور ہوگا۔ مجلس کی تمام تجاویز عاملہ کے لیے واجب التعمیل ہوں گی۔

حصّہ دوم۔ ہر صوبے کا گورنر یا لفٹنٹ گورنر غیر سولین ہونا چاہیے۔

اس کی مجلس عاملہ میں نصف ارکان ہندستانی ہونے چاہئیں جو مقننہ کے منتخب شدہ ارکان میں سے ہوں گے۔ ان کی میعادِ عہدہ پانچ سال ہوگی۔

حصہ سوم۔ مرکزی مجلس مقننہ ۱۵۰ ارکان پر مشتمل ہوگی اور اس کے ارکان کا انتخاب صوبجاتی مقننہ کے ارکان کریں گے۔ اس کا صدر منتخب شدہ ہوگا۔ اس میں وہ مسائل پیش ہوا کریں گے جن کا تعلق تمام ہندستان سے ہوگا۔

حصہ چہارم۔ گورنر جنرل کی مجلس عاملہ میں نصف ارکان ہندستانی ہوں گے۔ حتی المقدور سول سروس کے ارکان کا مجلسِ عاملہ کے عہدوں پر تقرر نہیں کیا جائے گا۔

حصہ پنجم۔ اس میں وزیر ہند اور اس کی کونسل کے متعلق سفارشات تھیں اور توقع ظاہر کی گئی تھی کہ وزیر ہند حتی الامکان حکومت ہند کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرے گا۔

کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈروں نے مندرجۂ بالا تجاویز اہلِ ہند کے متفقہ مطالبات کے طور پر شائع کیں۔ ان کی اسکیم کا انگلستان میں بہت اثر ہوا اور برطانوی اربابِ اقتدار نے ہندستان کے مسئلے کی طرف زیادہ توجہ ظاہر کرنا شروع کی۔ اب تک سیاسی معاملات میں صرف کانگریس اپنی آواز بلند کرتی تھی لیکن اب مسلم لیگ بھی اس کے ساتھ ہمنوا ہوگئی۔

ایک اور قابلِ ذکر اسکیم "انیس کی یادداشت" کے نام سے مشہور ہے جسے مرکزی مقننہ کے ۱۹ غیر سرکاری ارکان نے اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء میں وائسرائے کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ مرکزی اور صوبجاتی مقننہ میں اکثریت منتخب شدہ ارکان کی ہو۔ حق رائے

دہندگی اتنا وسیع کیا جائے کہ عوام براہ راست شرکت کرسکیں۔ اقلیتوں کے حقوق محفوظ کیے جائیں۔ مجالسِ مقننہ کو ہر قسم کے قوانین اور میزانیہ منظور کرنے کا اختیار ہونا چاہیے۔ گورنر جنرل اور گورنروں کو حق امتناع[1] حاصل رہے گا جو بعض خاص شرائط کے تحت استعمال کیا جاسکے گا۔ وزیر ہند کی کونسل ختم کردی جائے اور خود وزیر ہند کی حیثیت وزیر نوآبادیات کی طرح ہونی چاہیے۔ اس کی اور اس کے عملے کی تنخواہ کا بار انگلستان کے خزانے پر ہوگا۔ صوبجاتی حکومتوں کو خود اختیاری کے تمام حقوق حاصل ہوں گے ہندستانیوں کو فوج کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہونا چاہیے۔

اس ضمن میں انگلستان کے ارباب فکر میں انجمن راؤنڈ ٹیبل کی جماعت خاص طور پر قابلِ ذکر ہو۔ اس انجمن کے بانی مسٹر کرٹس تھے۔ جو ٹرانسوال میں سرکاری عہدے پر فائز رہ چکے تھے۔ موصوف کو شہنشاہی مسائل سے خاص دل چسپی تھی۔ اس جماعت کے رکن مسٹر ڈیوک نے مسئلۂ ہند کا خاص طور پر مطالعہ کیا تھا۔ اور وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ہندستان میں بتدریج ذمہ دار حکومت قائم کرنے کی صرف یہ صورت ہو کہ دوعملی (ڈیارکی) کے اصول کو تسلیم کرلیا جائے۔ اس طرح حکومت کا ایک حصہ برطانوی انتخاب کنندوں کے سامنے جواب دہ ہوگا اور دوسرا حصہ ہندستانی انتخاب کنندوں کے سامنے۔ ڈیوک نے ایک یادداشت مرتب کی تھی جس میں مجالس مقننہ میں حق رائے دہندگی کی توسیع کے متعلق مفصل بحث کی تھی۔ یہ یادداشت پہلے انجمن راؤنڈ ٹیبل کے ارکان کے سامنے پیش ہوئی۔ اس کے بعد مسٹر مانٹیگو، وزیر ہند اور لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے ہند

(1) VETO

کے پاس غور کے لیے بھیجی گئی۔ مسٹر کرٹس خود ہندستان آئے۔ یہاں کے سیاسی لیڈروں سے ملے اور اپنی تصنیف "دوعملی" میں ہندستان کے دستوری مسئلے کا حل پیش کیا۔ اس کتاب میں ہندستان کی دستوری ترقی کا منتہا نوآبادی[1] مرتبے کی حکومت کو قرار دیا گیا۔ دوعملی میں یہ اصول مدنظر تھا کہ بعض محکمے ایسے ہیں جن کے نظم و نسق کو اہل ہند کے سپرد نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ ایسا کرنے سے انتظامی برہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے بعض دوسرے محکموں کا انتظام کلیتہً ہندستانیوں کے سپرد کر دیا جائے گا تاکہ انھیں عملی نظم و نسق کا تجربہ حاصل ہو۔

کانگریس لیگ اسکیم نے انگلستان کے مدبرین کو مجبور کیا کہ وہ ہندستان میں سیاسی اصلاحات نافذ کرنے کے متعلق جلد کوئی اقدام کریں۔ مسٹر مانٹیگو، وزیر ہند نے ہندستان کے سیاسی مسئلے کا نہایت ہمدردی سے مطالعہ کیا۔ انھوں نے ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کو پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ "ہز مجسٹی ملک معظم کی حکومت کی حکمت عملی جس کے ساتھ حکومت ہند پورے طور پر متفق ہے یہ ہے کہ نظم و نسق کے ہر شعبے میں ہندستانیوں کی شرکت میں اضافہ کیا جائے اور خود مختاری کے اداروں کی بتدریج ترقی ہو تاکہ ہندستان میں تدریجاً ذمہ دار حکومت قائم ہو جائے جو برطانوی شہنشاہی کے جزو لاینفک کی حیثیت رکھے گی .... برطانوی حکومت اور حکومت ہند جن پر ہندستانی اقوام کی فلاح و بہبود اور ترقی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ترقی کے معیار کا تعین کریں گی۔ ان ہر دو حکومتوں کی اس باب میں رہنمائی اس تعاون عمل سے ہوگی جو ان کی جانب سے ہوگا جن کو خدمت کے نئے مواقع عطا کیے جائیں گے اور جس حد تک ان کے

---

(1) Dominion States

احساس ذمہ داری میں اعتماد کیا جا سکے گا۔"

اس اعلان کے بعد مسٹر مانٹیگو ہندوستان آئے تاکہ مقامی حالات کا بچشم خود مشاہدہ کریں اور مختلف الخیال سرگروہوں سے مل کر اس ملک کی سیاسی حالت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگائیں۔ ہندوستان کے بعض معتدل خیال لیڈروں اور انگریز تاجروں کی جانب سے مسٹر مانٹیگو کی خدمت میں ایک "متفقہ سپاسنامہ" پیش کیا گیا جس میں کانگریس اور لیگ کے مطالبات کے مقابلے میں زیادہ اعتدال ملحوظ رکھا گیا تھا۔ مسٹر کرٹس اور سر ایس (بعدہٗ لارڈ) سنہا نے جو اس زمانے میں حکومت بنگال کے ایک رکن تھے اس "متفقہ سپاسنامے" کو بعض اعتدال پسند لیڈروں اور انگریزی تاجروں کے مشورے سے تیار کیا تھا۔ اس میں ڈایرک والا دوعملی کا اصول پیش نظر رکھا تھا اور یہ درخواست کی تھی کہ ذمہ دار حکومت کی ابتدا صوبجاتی حکومتوں سے ہونی چاہیے۔ صوبجاتی حکومتوں کو وضع قوانین اور مالیاتی اختیارات تفویض کرنے کی سفارش کی گئی۔ بڑے صوبوں کو چھوٹے چھوٹے صوبوں میں تقسیم کرنے کی بھی سفارش کی گئی تھی۔

مسٹر مانٹیگو نے ان سب مختلف سیاسی اسکیموں کا بغور مطالعہ کیا اور ہندوستان کے صاحب الرائے لوگوں سے مل کر ان کی خواہشات اور ارادوں کا پوری طرح جائزہ لیا اور جولائی سنہ ۱۹۱۸ء میں اپنی رپورٹ بابتہ اصلاحات ہند جسے مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ بھی کہتے ہیں شائع کی۔ کانگریس لیگ اسکیم کو کلیتہً منظور نہیں کیا گیا اس لیے کہ ایسا کرنے سے تمام سیاسی قوت ہندوستانیوں کے ہاتھ میں چلی جاتی تھی اور عاملہ مقننہ کے سامنے بالکل بے بس ہو جاتی تھی۔ اس رپورٹ میں یہ بات بھی اصولاً

تسلیم کی گئی تھی کہ مرکزی حکومت ہند میں کم سے کم تبدیلی کی جائے فقط
اتنا کیا جا سکتا ہے کہ جمہور کے نمایندوں کو اس کی کارگزاری پر تنقید کرنے
کا حق دیا جائے جو پہلے انھیں حاصل نہیں تھا۔ رپورٹ میں اس امر کی
تصریح کی گئی کہ چونکہ ہندستان کے دفاع کی ذمہ داری حکومت ہند پر
عائد ہوتی ہے اس لیے اس کو ناتجربہ کار اور غیر ماہر ہاتھوں میں دینا خطرے
سے خالی نہیں ہو سکتا۔ جب تک اندرونی اور بیرونی حفاظت کے لیے
ہندستان برطانیہ عظمیٰ کی بری اور بحری افواج کا رہین منت ہے اس وقت
تک اس ملک کو جو خود مختاری کے حقوق حاصل ہوں گے وہ لازمی طور
پر محدود ہوں گے۔ مسٹر مانٹیگو لکھتے ہیں کہ اس بات کا قیاس بھی نہیں کیا
جا سکتا کہ پارلیمنٹ کبھی اس کے لیے آمادہ ہوگی کہ برطانوی افواج ایسی
حکمت عملی کی تائید کے لیے استعمال کی جائیں جس کے تعین پر خود اس
کو کوئی حق نگرانی حاصل نہیں یا جسے وہ ناپسند کرتی ہو۔ ہندستان کی
مدافعت کا مسئلہ دراصل ایک شہنشاہی مسئلہ ہے اور اس واسطے حکومت ہند
کے لیے لازم ہے کہ اس کے پاس ہمیشہ اتنی قوت اور ایسے وسائل رہیں
جن کی بدولت وہ اس ملک کی حفاظت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔

مسٹر مانٹیگو نے صوبجاتی حکومتوں میں اہل ہند کو عاملانہ اختیارات میں
شریک کرنے کی سفارش کی۔ لیکن ہندستان کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے
مکمل صوبجاتی آزادی کے اصول کو تسلیم نہیں کیا اور صوبجاتی حکومتوں کو
مالیاتی اور وضع قانون کے پورے اختیارات دینا قبل از وقت بتایا۔
"متحدہ سپاس نامہ" میں بڑے صوبوں کو چھوٹے چھوٹے صوبوں میں تقسیم
کرنے کا جو خیال پیش کیا گیا تھا اسے ناقابل عمل بتایا گیا اور یہ سفارش

کی گئی کہ صوبوں کو علیٰ حالہ قائم رکھا جائے۔ یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ ہر صوبے میں ایک گورنر ہو جس کی مجلس عاملہ میں انگریز ارکان کے ساتھ ہندوستانی ارکان بھی ہوں جو مقننہ کے سامنے ذمہ دار ہوں۔ ان ہندوستانی ارکان کے تحت چند انتظامی امور ہوں۔ گورنر کی کوشش ہونی چاہیے کہ جہاں تک ہوسکے عاملہ کے تمام فیصلے متفقہ ہُوا کریں۔ بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ ایک صیغے کی کارروائی دوسرے صیغے پر اثر انداز ہوتی ہو۔ اگرچہ جداگانہ نیابت کے اصول کو ناپسند کیا گیا لیکن مسلمانوں کے خاص حالات کے باعث اسے ابھی رائج رکھنے کی سفارش کی گئی۔ یہ امر صاف طور پر تسلیم کیا گیا کہ "صوبجاتی حکومتوں میں ذمہ دار حکومت کی جانب پہلا قدم اٹھنا چاہیے۔ صوبجاتی حکومتوں کو کچھ نہ کچھ ذمہ داری فوراً دینی چاہیے اور ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ جب حالات اس کی اجازت دیں تو اس وقت انھیں مکمل ذمہ داری دی جاسکتی ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ صوبجاتی حکومتوں کو وضع قوانین، نظم ونسق اور اپنے مالیاتی معاملات میں حکومت ہند سے زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو جس حد تک کہ حکومت ہند کی ذمہ داریوں کے پورا ہونے میں مزاحمت نہ ہو۔"(۱)

مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ میں دو کمیٹیوں کے قائم کرنے کی تجویز کی گئی تھی۔ (۱) کمیٹی برائے تحقیق حق رائے دہندگی۔ (۲) کمیٹی برائے تقسیم اختیارات مابین حکومت ہند وصوبجات۔ اوّل الذکر کمیٹی ستمبر سنہ ۱۹۱۸ء میں لارڈ ساوتھ بورو کی صدارت میں اور ثانی الذکر مسٹر فیدم کی صدارت میں قائم کی گئی۔ ان دونوں کمیٹیوں نے فروری سنہ ۱۹۱۹ء میں پارلیمنٹ

(۱) رپورٹ بابتہ اصلاحات ہند ۱۹۱۸ء ص ۱۲۴۔

کے سامنے اپنی رپورٹیں پیش کیں۔ مارچ سنہ ۱۹۱۹ء میں حکومت ہند نے وزیر ہند کے نام اپنا مراسلہ بھیجا جس میں مانٹیگو چیمسفورڈ کے متعلق اپنی قطعی رائے پیش کی۔ وزیر ہند اور مجلس ہند (انڈیا کونسل) کے اختیارات کے متعلق غور کرنے کے لیے مارکوئس آف کریو کی صدارت میں ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی گئی جس نے جون سنہ ۱۹۱۹ء میں پارلیمنٹ کے سامنے اپنی سفارشات پیش کیں۔ اس کمیٹی نے صاف طور پر یہ رائے دی کہ کہ انڈیا کونسل کو توڑ دیا جائے لیکن بعد میں پارلیمنٹ کی مجلس منتخبہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ ابھی عرصے تک وزیر ہند کو اس بات کی ضرورت رہے گی کہ وہ ہندستان کے متعلق تجربہ کار اشخاص کے مشوروں سے مستفید ہو سکے، اور اگر کوئی باضابطہ مجلس نہ رکھی گئی تو اس قسم کی ایک بے ضابطہ مجلس ترتیب دینا ہوگی۔ اس لیے بہتر اور مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ مجلس ہند (انڈیا کونسل) کو برقرار رکھا جائے جس کے ساتھ زمانۂ گزشتہ کی قابلِ قدر روایات وابستہ ہیں۔

مسٹر مانٹیگو نے جون سنہ ۱۹۱۹ء میں قانون حکومت ہند کا مسودہ دارالعوام کے سامنے پیش کیا۔ اس کی دوسری پڑھنت[1] کے بعد مسودہ پارلیمنٹ کی مجلس منتخبہ کے سامنے غور کے لیے پیش کیا گیا۔ اس مجلس منتخبہ میں سات دارالعوام کے اور سات دارالامرا کے ارکان شریک تھے اور لارڈ سلبورن اس کے صدر بنائے گئے۔ مجلس منتخبہ نے سرکاری اور غیر سرکاری نمایندوں کی شہادتیں قلمبند کیں۔ ہندستانیوں میں جنھوں نے مختلف جماعتوں کے نقطہ ہائے نظر مجلس منتخبہ کے سامنے پیش کیے،

(۱) READING

مسٹر نواس شاستری، وی جے پٹیل، بال گنگا دھر تلک، سر آغا خاں، سر تیج بہادر سپرو، مسٹر ایم - اے جناح اور مسز اینی بسنٹ قابل ذکر ہیں۔ کمیٹی نے ان شہادتوں کے مطابق مسودۂ قانون ہند کی تنقیح کی اور بالآخر اپنی رپورٹ نومبر سنہ ۱۹۱۹ء میں پارلیمنٹ کے سامنے پیش کی۔ مجلس منتخبہ نے حکومت کی مجوزہ اصلاحات کی عام طور پر تائید کی اور یہ اصول تسلیم کیا کہ اہل ہند کے لیے ذمہ دار حکومت قائم کرنے میں اب مطلق تاخیر نہیں ہونی چاہیے قانون حکومت ہند پارلیمنٹ میں بحث اور مباحثے کے بعد ۲۳ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء کو منظور ہوا اور شاہی جریدۂ اعلامیہ میں اس قانون کی منظوری کا اعلان کیا گیا۔

قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء کے تمہیدی بیان میں مسٹر مانٹیگو کا سنہ ۱۹۱۷ء والا اعلان درج کیا گیا ہے جس میں پارلیمنٹ کی ہندستان کے متعلق عام حکمت عملی کا اظہار ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ "ہرگاہ کہ پارلیمنٹ کی یہ حکمت عملی ہے کہ حکومت ہند کے نظم و نسق کے ہر شعبے میں ہندستانیوں کی شرکت اور خود اختیاری کے اداروں کی بتدریج نشو و نما کا انتظام کیا جائے تاکہ برطانوی ہند میں تدریجاً ذمہ دار حکومت قائم ہو جو برطانوی شہنشاہیت کے جزو لاینفک کی حیثیت رکھے گی۔

"اور ہرگاہ کہ اس حکمت عملی کو عملی جامہ صرف بتدریج پہنایا جا سکتا ہے، مناسب ہے کہ اس باب میں معقول اقدام فوراً کیا جائے۔

"اور ہرگاہ کہ پارلیمنٹ ہی اس کی مجاز ہے کہ اہل ہند کی ترقی کے معیار اور وقت کا تعین کرے اس لیے کہ پارلیمنٹ ہی پر ہندستان کی اقوام کی فلاح و بہبود اور ترقی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

"اور ہرگاہ کہ پارلیمنٹ کی اس باب میں رہنمائی اس تعاون عمل سے ہوگی جو اُن کی جانب سے ہوگا جنھیں خدمت کے نئے مواقع عطا کیے جائیں گے اور جس حدتک اُن کے احساس ذمہ داری میں اعتماد کیا جاسکے گا۔

"اور ہرگاہ کہ صوبوں میں خود مختاری کے اداروں کی ترقی کے ساتھ یہ مناسب ہو کہ ان صوبوں کو صوبجاتی معاملات میں حکومت ہند سے زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو جس حدتک کہ حکومت ہند کی ذمہ داریوں کے پورا ہونے میں وہ مزاحم نہ ہو"

سنہ ۱۹۱۹ء کے قانون ہند کی منظوری کے بعد پارلیمنٹ نے حکومت ہند کو اختیار دیا کہ اس قانون کے نفاذ کے لیے وہ ضمنی قواعد و ضوابط بناکر آخری توثیق کے لیے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرے۔ یہ قواعد و ضوابط ۲۰ر جولائی سنہ ۱۹۲۰ء کو شایع کیے گئے اور ہندستان میں قانون اصلاحات کا یکم جنوری سنہ ۱۹۲۱ء سے نفاذ عمل میں آیا۔ ان قواعد کے ذریعے مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں کے حلقہ ہائے عمل کا تعین کیا گیا۔ مرکزی اور صوبجاتی مقننہ کے فرائض و اختیارات کی توضیح کی گئی۔ اس کی بھی تشریح کی گئی کہ صوبوں کو جو شعبے متعلق کیے گئے ہیں۔ ان کا انتظام گورنر اور وزرا کس طرح کریں گے۔

مرکزی امور مندرجۂ ذیل ہیں جن کا تعلق حکومت ہند اور مرکزی مقننہ سے ہو۔

دفاع (پولیس کے ماسوا) بیرونی اور خارجی امور، دیسی ریاستوں کے ساتھ تعلقات، ذرائع حمل و نقل، (ٹرام وے اور ہلکی ریل گاڑیوں کے ماسوا) ڈاک اور تار، بڑے بندرگاہ، بحری باربرداری وجہاز رانی، زرمروجہ و ٹکسال،

قرضۂ عامہ، سیونگ بنک، مردم شماری، اعداد و شمار، تجارت اور کمپنیاں، پیٹنٹ، معدنیات، چنگی، روئی پر محصول، محصول آمدنی (انکم ٹیکس)، محصول نمک، افیون کی زراعت و فروخت، دیوانی و فوجداری قانون و ضابطہ، بعض جامعات (جیسے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بنارس ہندو یونیورسٹی اور بنگلور انسٹی ٹیوٹ آف سائنس) انڈین سول سروس، اموریہ ملازمت عامہ (پبلک سروس کمیشن) صوبوں کے حدود کے تغیرات اور جملہ اختیارات مابقی[ا] جن کا بوضاحت صوبجاتی حکومتوں کے ماتحت ہونا نہیں ظاہر کیا گیا ہے۔

مرکزی حکومت کے ابواب آمدنی یہ قرار دیے گئے۔

چنگی (کرُوڑگیری) محصول آمدنی، (انکم ٹکس) ریلوے، ٹپہ اور تار محصول نمک، برآمد و فروخت افیون۔

<u>مرکزی مقننہ</u> | مرکزی مقننہ دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی (۱) کونسل آف اسٹیٹ (مجلس مملکت) اور (۲) جمیعت مقننہ (لیجسلیٹو اسمبلی) کونسل آف اسٹیٹ میں ۶۰ ارکان ہوں گے، جن میں سے ایک ثلث سرکاری ارکان ہوں گے، باقی براہ راست منتخب ہوں گے۔ صدر کا تقرر گورنر جنرل کرے گا۔ ارکان پانچ سال کے لیے منتخب ہوں گے۔ کونسل آف اسٹیٹ کو قوانین پر نظرثانی کا حق ہوگا لیکن اس کو مالیاتی تجاویز ابتدائی شکل میں پیش کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

جمیعت مقننہ میں کم سے کم ۱۴۴ ارکان ہوں گے۔ منتخب شدہ عنصر کل تعداد کا ⅚ ہوگا۔ ارکان تین سال کے لیے منتخب ہوں گے۔ صدر کا انتخاب ارکان میں سے ہوگا۔ گورنر جنرل کی مجلس عاملہ کے ارکان دونوں

ایوانوں کے سرکاری نامزد شدہ ارکان ہوں گے۔ ذیل کے اعداد سے ارکان کی تعداد اور تناسب کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

مجلس مملکت۔ (کونسل آف اسٹیٹ)

منتخب شدہ ارکان	۳۴
سرکاری ارکان	۲۰
نامزد شدہ ارکان	۶
	۶۰

جمعیت مقننہ (لیجسلیٹو اسمبلی)

منتخب شدہ ارکان	۱۰۴
سرکاری ارکان	۲۶
نامزد شدہ ارکان	۱۴
	۱۴۴

مجلس مملکت میں مندرجۂ ذیل کو حق رائے دہندگی ہوگا۔
وہ اشخاص جو صوبجاتی مقننہ کے کبھی رکن رہ چکے ہوں یا اس وقت ہوں۔ وہ اشخاص جو کسی مجلس بلدیہ یا مجلس ضلع یا بنک امداد باہمی کے صدر یا نائب صدر رہ چکے ہوں یا اس وقت ہوں۔ وہ اشخاص جو کسی جامعہ کی مجلس رفقا کے رکن تھے یا ہیں۔ وہ اشخاص جنھوں نے مشرقی علوم میں اعلیٰ سند حاصل کی ہو اور انھیں شمس العلما یا مہامہو اپادھیائے کا خطاب حاصل ہو۔ وہ اشخاص جو پندرہ ہزار سالانہ آمدنی پر محصول آمدنی ادا کرتے ہوں۔ وہ اشخاص جو ایسی اراضی کے مالک ہوں جس کی سالانہ مال گزاری ۷۵۰ روپے ہو۔ ان شرائط رائے دہندگی کی وجہ

سے مجلس مملکت کا حلقۂ انتخاب بہت محدود تھا اور صرف دولت مند لوگ یا ایسے اشخاص جنھوں نے حکومت کے کسی خاص شعبے میں امتیاز حاصل کیا ہو اس مجلس میں منتخب ہو سکتے تھے۔

جمعیت مقننہ کے شرائط رائے دہندگی مندرجۂ ذیل ہیں۔

ہر وہ شخص رائے دینے یا اپنے تئیں رکنیت کے لیے پیش کرنے کا حق رکھے گا۔ جو کم سے کم سو روپے سالانہ کا لگان یا مال گزاری ادا کرتا ہو۔ وہ اشخاص جو پانچ ہزار کی آمدنی پر محصول آمدنی ادا کرتے ہوں۔ وہ شخص جو کسی ایسے مکان کا مالک ہو جو پندرہ ہزار کی لاگت کا ہو یا جس کا ۳۳۶ روپے سالانہ کرایہ آتا ہو۔

مجلس مملکت اور جمعیت مقننہ دونوں میں رکنیت کے لیے کم سے کم ۲۵ سال کی عمر کی شرط لازمی قرار دی گئی۔ ہر وہ شخص جو حق رائے دہندگی رکھتا ہو اس کو حق رکنیت بھی حاصل ہوگا۔ حلقہ ہائے انتخاب میں مسلم اور غیر مسلم کی تقسیم رکھی گئی۔ نشستوں کا تعین سنہ ۱۹۱۶ء کے میثاق لکھنؤ کے مطابق عمل میں آیا۔

مرکزی مقننہ کے وضع قوانین کے اختیارات بہت وسیع ہیں۔ وہ ہندستان میں تاج برطانیہ کی رعایا اور ملازمین اور ہندستانیوں کے لیے جہاں کہیں بھی وہ ہوں، بشرطیکہ انھوں نے اپنی قومیت بدلی نہ ہو، وضع قوانین کا حق رکھتی ہو۔ مرکزی مقننہ کے اختیار وضع قوانین پر چند قیود عائد کی گئی ہیں۔ مثلاً اس کو یہ اختیار نہیں ہو کہ وہ برطانوی پارلیمنٹ کے کسی منظور کردہ قانون کو جس کا اطلاق برطانوی ہند پہ ہوتا ہو، منسوخ کر سکے یا اس میں کوئی ترمیم کر سکے یا کوئی ایسا قانون منظور کرے جس سے

پارلیمنٹ کے اقتدار کو کسی طرح صدمہ پہنچتا ہو یا برطانیہ کے غیر تحریری دستور و آئین کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ مندرجۂ ذیل امور کے متعلق مرکزی مقننہ کو اس وقت تک وضع قوانین کی اجازت نہ ہوگی جب تک کہ گورنر جنرل سے اُن کے متعلق اجازت نہ لے لی گئی ہو۔

(الف) قرضۂ عامہ۔ ہندستان کی مالیات سے متعلق کوئی مسئلہ۔

(ب) ہندستان میں برطانوی رعایا کے مذہب یا مذہبی رسوم و شعائر۔

(ج) ہز مجسٹی ملک معظم کی بری، بحری یا فضائی افواج میں نظم وضبط قائم رکھنے کے متعلق کوئی مسئلہ۔

(د) حکومت ہند کے تعلقات خارجی دول یا والیان ریاست کے ساتھ یا ان صوبجاتی امور سے متعلق وضع قانون کرنا جو صراحتاً مرکزی مقننہ کے حدود سے خارج ہیں یا کسی صوبجاتی مقننہ کے منظور کردہ قانون کی تنسیخ یا ترمیم کرنا یا گورنر جنرل کے نافذ کردہ خصوصی احکام (آرڈی نینس) کی تنسیخ یا ترمیم کرنا۔

(۱) گورنر جنرل اس کا مجاز ہوگا کہ کسی ایسے مسودۂ قانون کو جو مرکزی مقننہ میں پیش کیا جانے والا ہو پیش ہونے سے روک دے اس لیے کہ ایسا کرنے سے برطانوی ہند کے امن و امان میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو۔

گورنر جنرل باجلاس کونسل رکن مالیات کے توسط سے مقننہ میں میزانیہ پیش کرائے گا۔ بعض مخصوص امور کے علاوہ مقننہ کا فیصلہ میزانیہ

کی مدات کے متعلق قطعی ہوگا اور اس کی منظوری کے مطابق حکومت عمل کرے گا۔ مندرجۂ ذیل اخراجات کے لیے مقننہ کی منظوری درکار نہ ہوگی۔

(۱) وہ اخراجات جن کا تعین گورنر جنرل با جلاس کونسل نے کیا ہو۔

(۲) کلیسائی اخراجات۔

(۳) سیاسی اخراجات۔

(۴) دفاع

(۵) قرضۂ عامہ کا سود اور ذخیرہ ادائی۔

(۶) ایسے اشخاص کی تنخواہیں یا پنشنیں جنھیں ہز مجسٹی ملک معظم یا وزیر ہند با جلاس کونسل کی منظوری سے مقرر کیا گیا ہو۔

(۷) وہ اخراجات جن کی رقموں کا تعین کسی قانون کی رو سے کیا گیا ہو۔

(۸) چیف کمشنروں اور جوڈیشل کمشنروں کی تنخواہیں۔

متذکرہ بالا مدات مقننہ میں معرض بحث میں نہیں لائی جا سکیں گی سوا۔۔۔۔ اس صورت کے کہ گورنر جنرل بطور خاص ایسا کرنے کی اجازت دے۔ ان امور کے متعلق گورنر جنرل کا فیصلہ ناطق ہوگا۔

قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء کی رو سے مرکزی مقننہ کے دونوں ایوانوں میں منتخب شدہ عنصر کو اکثریت حاصل ہوگئی اور اس کے قانونی اور مالیاتی اختیارات میں بھی اضافہ ہوا۔ اس کے وضع کردہ قوانین کا اطلاق ہز مجسٹی ملک معظم کی جملہ ہندستانی رعایا پر ہوگا۔ چاہے وہ ہندستان کے اندر ہوں یا باہر، اور ان پر بھی اطلاق ہوگا جو ملک معظم کے دفاعی شعبوں میں چاہے بری فوج، بحریہ یا فضائی بیڑے میں ہوں۔ برطانوی ہند میں جو

قوانین اس وقت نافذ ہیں ان میں ترمیم و تنسیخ کا مرکزی مقننہ کو اختیار ہوگا۔ لیکن اگر کسی ہائی کورٹ کو توڑنے کے متعلق کوئی مسودہ قانون پیش کیا جائے تو ایسی صورت میں وزیر ہند بہ اجلاس کونسل کی منظوری لینی لازمی ہوگی یا اگر مرکزی مقننہ کسی ذیلی عدالت کو اس کا مجاز کرنا چاہے کہ وہ یورپ نژاد برطانوی رعایا یا ان کی اولاد کے لیے موت کا حکم صادر کرسکے تو ایسا کرنے کے لیے بھی وزیر ہند بہ اجلاس کونسل کی اجازت درکار ہوگی۔ مالیات کے متعلق بھی مرکزی مقننہ کے اختیارات پر تحدید عائد کی گئی۔ چنانچہ میزانیہ کی اہم مدات میں جیسا کہ اوپر بتایا جاچکا ہے۔ مقننہ کی رائے کی ضرورت نہیں تسلیم کی گئی ہے۔ لیکن محصول درآمد و برآمد میں اس کے فیصلوں کو قطعی تصور کیا گیا ہے۔ مجلس منتخبہ کی سفارش تھی کہ حکومت ہند کو اس بات کی پوری آزادی ہونی چاہیے کہ وہ بیرونی تجارت کے متعلق جو انتظام ملک کے لیے سمجھے اس پر عمل کرے اور اگر مرکزی مقننہ اور حکومت ہند درآمد و برآمد کے کسی محصول کے متعلق متفق ہوں تو وزیر ہند کو حتی الامکان اس انتظام میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ مرکزی مقننہ کو حق حاصل ہوگا کہ میزانیہ میں حکومت کی جانب سے جو رقوم بہ شکل مطالبات پیش کی جائیں ان میں رد و بدل کرسکے یا ان میں جزواً کمی و بیشی کرے۔ مقننہ نے جو مطالبات منظور کیے ہیں وہ گورنر جنرل کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ اگر گورنر جنرل خیال کرے کہ بعض رقوم کی منظوری کے بغیر وہ اپنے عہدے کی ذمہ داریوں سے کما حقہٗ عہدہ برآ نہیں ہوسکے گا۔ تو وہ ان رقوم کی منظوری اپنی طرف سے دے دیگا، یا اگر مقننہ نے جزواً کمی کی ہے تو وہ اس کو علی حالہ رہنے دے گا۔ ہر مسودۂ

قانون پیشتر اس کے کہ وہ گورنر جنرل کی منظوری کے لیے پیش ہو ضروری ہوگا کہ دونوں ایوانوں میں پیش کیا جائے۔ اگر کسی قانون کو ایک ایوان میں منظور کیا گیا اور دوسرے میں اُسے رَد کر دیا گیا تو ایسی صورت میں چھ ماہ گزرنے کے بعد گورنر جنرل دونوں ایوانوں کے متحدہ اجلاس میں اُسے پیش کرلے گا۔

گورنر جنرل | گورنر جنرل کو ذاتی طور پر قانون حکومت ہند کی دفعہ ۷۲ کے تحت یہ اختیار دیا گیا ہو کہ وہ فوری ضرورت کے وقت برطانوی ہند کے کسی حصے میں قیام امن اور حکومت کی بہتری کے لیے وقتی احکام نافذ کرے۔ اس قسم کے وقتی احکام کو چھ ماہ تک وہی قانونی حیثیت حاصل ہوگی جو مرکزی مقننہ کے کسی منظور کردہ قانون کو حاصل ہوتی ہو۔ گورنر جنرل کو حق نامنظوری(۱) اور حق تصدیق(۲) بھی حاصل ہوگا۔ حق نامنظوری سے مُراد یہ ہو کہ ضرورت کے وقت کسی مسودۂ قانون کو جب کہ وہ مقننہ میں منظور ہوچکا ہو مسترد کر دیا جائے اس لیے کہ گورنر جنرل کے خیال میں اس قانون کے نافذ کرنے سے برطانوی ہند کے مفاد کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ حق تصدیق سے مُراد یہ ہو کہ گورنر جنرل کسی فوری اور ضروری معاملے کے متعلق مقننہ کی منظوری کے بغیر اپنی ذمہ داری پر کسی مسودۂ قانون کو نافذ کر دے اس لیے کہ ایسا کرنا اس کی رائے میں برطانوی ہند کے مفاد کی حفاظت کے لیے ضروری ہو اور اس کے فرائض کی انجام دہی بغیر ایسا کیے ہوئے ممکن نہ ہوگی۔ اس قسم کے منظور شدہ مسودہ ہائے قانون پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی منظوری کے لیے پیش کیے جائیں گے اور ہز مجسٹی ملک معظم کی منظوری ان کے متعلق لینا لازمی ہوگا۔ لیکن

---

(۱) Veto

(۲) Certification

گورنر جنرل کو اختیار ہوگا کہ بہ امید منظوری شدید ضرورت کے باعث ان کے نفاذ کی اجازت دے دے۔

گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے ذمے مرکزی حکومت کے تمام محکموں کے مفاد کی نگہداشت ہوگی۔ اگر دو صوبوں کے درمیان کوئی مسئلہ مابہ النزاع ہو اور وہ اُسے باہم طے نہ کر سکیں تو اس کا تصفیہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کرے گا۔ حکومت کے ملکی اور عسکری انتظامات کی نگہداشت و نگرانی کے اختیارات بھی گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو حاصل ہوں گے اور اس ضمن میں وہ وزیر ہند کے ان احکام کی جو وقتاً فوقتاً اُسے موصول ہوں گے پابندی کرے گا۔ صوبجاتی حکومتوں کی نگہداشت و نگرانی بھی گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے ذمے ہوگی۔ صوبجاتی حکومتوں کا فرض ہوگا کہ ان تمام کارروائیوں اور معاملات کے متعلق جو سیاسی اہمیت رکھتے ہوں گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو مطلع کریں اور گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے مشوروں پر عمل پیرا ہوں۔ اس طرح حکومت ہند کی مرکزیت کا ہندستان جیسے وسیع ملک میں تحفظ کیا گیا تاکہ سیاسی معاملات میں پورے ملک میں حکمت عملی کی یکسانیت برقرار رہ سکے۔

گورنر جنرل کی مجلس عاملہ چھ ارکان پر مشتمل ہوگی۔ اگرچہ قانون ہند سنہ ۱۹۱۹ء میں اس کا کوئی تعین نہیں کیا گیا کہ گورنر جنرل کی مجلس عاملہ کے ارکان میں ہندستانیوں کی تعداد کیا ہوگی۔ پارلیمنٹ کی مجلسِ منتخبہ کی سفارش یہ تھی کہ ہندستانی چھ میں سے تین ضرور ہونے چاہئیں چنانچہ اس سفارش پر آئندہ عمل کیا گیا۔ قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء میں اس کی صراحت موجود تھی کہ گورنر جنرل کی مجلسِ عاملہ میں کم سے کم تین

رکن ضرور ایسے ہونے چاہئیں جو ہندستان میں تاج کی خدمت میں دس سال گزار چکے ہوں اور ہندستان کے انتظامی معاملات کا تجربہ رکھتے ہوں۔حکومت ہند کے نو محکمے ان چھ ارکان پر تقسیم کیے گئے۔ اگر مجلس عاملہ کے جلسے میں گورنر جنرل مزاج کی ناسازی یا کسی اور وجہ سے شرکت نہ کر سکے تو ارکان مجلس میں جو سب میں سینیر ہوگا وہ اس جلسے کی صدارت کرے گا اور اس جلسے کی حد تک اُسے وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو گورنر جنرل کو حاصل ہوتے ہیں۔اگر گورنر جنرل ہندستان کے کسی حصے میں سفر کر رہا ہو اور مجلس عاملہ کے ارکان اس کے ساتھ موجود نہ ہوں اور کوئی ضروری مسئلہ پیش آجائے تو گورنر جنرل ذاتی طور پر مجاز ہوگا کہ ان تمام اختیارات کو استعمال کرے جو گورنر جنرل باجلاس کونسل کو حاصل ہیں۔

بالعموم ارکان مجلس عاملہ کے معتمد اپنے اپنے محکموں کے متعلق گورنر جنرل کو باخبر رکھیں گے۔معتمدین کی حیثیت صرف یہ نہ ہوگی کہ وہ متعلقہ رکن کو مشورہ دیں بلکہ ان کی آرا گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے روبرو پیش ہوں گی۔برطانوی کابینہ میں معتمد کی حیثیت مشیر سے زیادہ نہیں ہوتی لیکن حکومت ہند کے معتمدین کی حیثیت اس سے کہیں زیادہ ہے۔گورنر جنرل معتمدین کا تقرر کرے گا۔

مرکزی حکومت کی دستوری نوعیت کو اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ اگرچہ قانون ہند سنہ ۱۹۱۹ء کی رو سے جمیعت مقننہ میں منتخب شدہ ارکان کی اکثریت سے جمہوری عنصر کو تقویت دی گئی ہے لیکن جمیعت کے اختیارات نہایت محدود رکھے گئے ہیں۔مرکزی حکومت کی تشکیل میں

ذمہ داری کا کوئی عنصر موجود نہیں۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی اصلی ذمہ داری پارلیمنٹ (وزیر ہند) کے روبرو ہی نہ کہ جمعیت مقننہ کے سامنے۔ جمعیت مقننہ میں منتخب شدہ عنصر کو جو اکثریت دی گئی ہی اس کا منشا صرف یہ ہی کہ دستور ہند کی جدید عمارت کے دو حصے (مرکزی اور صوبجاتی حکومتیں) بالکل غیر متناسب نہ ہوجائیں۔ صوبجاتی حکومتوں میں جو تجربہ کیا گیا ہی اگر اسی قسم کا تجربہ مرکزی حکومت میں بھی کیا جاتا تو ان امور کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا جن پر شہنشاہی مفاد مبنی ہی۔ اس واسطے عمومی مقننہ اور غیر ذمہ دار عاملہ کی ان مل بے جوڑ تجاویز مرکزی حکومت کی تشکیل میں روا رکھی گئیں۔ ایوان بالا قائم کرکے اس بات کی کوشش کی گئی کہ اگر ایوان زیریں (جمعیت مقننہ) کا عمومی عنصر زیادہ زور پکڑلے تو اس کے خلاف ایوان بالا کو استعمال کیا جاسکے۔ چنانچہ اگر جمعیت مقننہ حکومت کی کسی تجویز کو مسترد کردے تو توقع ہی کہ کم سے کم مجلس مملکت (کونسل آف اسٹیٹ) تو اس کو ضرور منظور کرلے گی سوائے مالیاتی تجاویز کے جن میں جمعیت مقننہ کے فیصلے کے بعد مجلس مملکت کو ترمیم یا مسترد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء کی رو سے مرکزی مقننہ کی ظاہری ہئیت میں تو کچھ تبدیلی ضرور کی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ مرکزی عاملہ کا بنیادی اصول علیٰ حالہٖ قائم رکھا گیا۔ چونکہ قانونی طور پر مرکزی عاملہ مقننہ کے سامنے جواب دہ نہیں ہی اس لیے ظاہر ہی کہ مقننہ نہ اُسے ہٹا سکتی ہی اور نہ اپنی مرضی منوانے پر اس کو مجبور کرسکتی ہی۔ گورنر جنرل کو جو شاہی ہدایت نامہ دیا گیا ہی اس میں اس کے متعلق تصریح موجود ہی۔" یہ ہماری مرضی اور خوشی ہی کہ ہمارا گورنر جنرل

ہمارے اور ہماری پارلیمنٹ کے متعلق اپنی تمام ذمہ داریوں کا خیال رکھتے ہوئے ہماری ہندستانی رعایا کی فلاح و بہبود کی پوری کوشش کرے گا۔ ہمارا گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہماری رعایا کی موافقت اور رضامندی کا خیال رکھے گا۔"

اگرچہ اس ہدایت نامے میں گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل سے توقع کی گئی ہو کہ وہ رعایا کی رضامندی کا خیال رکھے گا لیکن اس کی اصلی ذمہ داری پارلیمنٹ اور تاج کے روبرو قرار دی گئی ہو۔ چونکہ مرکزی حکومت کے تحت ایسے اہم امور رکھے گئے ہیں جن کا تعلق شہنشاہی مفاد سے نہایت گہرا ہو اس واسطے ضروری تھا کہ گورنر جنرل پارلیمنٹ کے سامنے نہ کہ جمعیت مقننہ کے سامنے جواب دہ ہو۔

صوبجاتی حکومت | قانون ہند سنہ ۱۹۱۹ء کی رو سے صوبجاتی حکومتوں کی عاملہ اور مقننہ دونوں میں نہایت دور رس تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ اس قانون کے وضع کرنے میں یہ رجحان نمایاں طور پر پایا جاتا ہو کہ مرکز سے لے کر بعض اختیارات صوبجاتی حکومتوں کو منتقل کیے جائیں اور منتخب شدہ عنصر کو حقیقی اختیار میں ایک حد تک شریک کیا جائے۔ صوبوں کو اختیارات منتقل کرنے کے متعلق سنہ ۱۹۰۷ء کے "ماموریۂ شاہی بابت لامرکزیت"[1] نے بھی سفارش کی تھی۔ پھر لارڈ ہارڈنگ نے بہ حیثیت وائسرائے ہند اگست سنہ ۱۹۱۱ء کے مراسلے میں جو "مراسلۂ دربار تاج پوشی" کے نام سے موسوم ہو صوبجاتی حکومتوں کے اختیارات میں تدریجی اضافے کی پُرزور سفارش کی تھی اور ہندستان کے مستقبل کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ کچھ عرصے تک ضروری ہو کہ مرکز سے صوبوں کو تحویل اختیارات کا رجحان کار فرما رہے

---

(1) Decentralisation Commission

تاکہ آیندہ ہندستان خود مختار صوبوں کا مجموعہ بن جائے اور حکومت ہند ان پر صرف نگرانی کے فرائض انجام دے اور جہاں تک ہو سکے صوبجاتی امور میں کم سے کم مداخلت روا رکھے۔ مرکز سے صوبوں کو تحویل اختیارات کے ساتھ یہ ضرورت بھی محسوس کی گئی کہ ذمہ دارانہ حکومت کا تجربہ بجائے مرکز کے صوبوں میں کیا جائے اور منتخب شدہ ارکان کو صوبجاتی نظم و نسق کے ایک حصے میں اس کا پورا موقع دیا جائے کہ وہ اپنی آواز مؤثر بنا سکیں لیکن ایک دم سے وسیع انتظامی اختیارات دینا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ دوعملی (ڈیارکی) کے طرز حکومت کو صوبوں میں رائج کیا جائے تاکہ انتظامی خرابی بھی پیدا نہ ہو اور ملک کے دروبست میں تعلیم یافتہ ہندستانیوں کو شرکت کا موقع ملے اور خود مختاری کے اداروں کو فروغ ہو۔

لفظ دوعملی (ڈیارکی) سب سے پہلے ڈیوک کی یادداشت میں استعمال کیا گیا تھا۔ دوعملی کے اصول کے تحت صوبجاتی نظم و نسق کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک کو امور مفوضہ[1] اور دوسرے کو امور محفوظہ[2] کہتے ہیں۔ امور مفوضہ وہ ہیں جو ہندستانی وزرا کے تحت ہوں گے جو پارلیمانی اصول کے مطابق صوبے کی مجلس مقننہ کے سامنے ان کی بابت جواب دہ ہوگا۔ امور محفوظہ سے نظم و نسق کے وہ شعبے مراد ہیں جن کے متعلق گورنر وزیر ہند کے سامنے ذمہ دار ہوگا۔ ان امور میں گورنر مجلس مقننہ کی خواہش یا مرضی کا تابع نہ ہوگا۔ ذیل میں ہم امور مفوضہ اور امور محفوظہ کی علیحدہ علیحدہ تفصیل بیان کرتے ہیں:-

---

Reserved subject (۲)   Transferred subject - (۱)

امور مفوضہ (۱) آبکاری۔ منشیات۔ اور نشہ آور ادویہ۔

(۲) مقامی حکومت خود اختیاری (مجالس بلدیہ، مجالس ضلع اور دوسری مقامی مجالس)۔

(۳) تعلیم (یورپین اور اینگلو انڈین اقوام کی تعلیم کے ماسوا)

(۴) صفائی، حفظان صحت، اعداد و شمار متعلق پیدائش و اموات۔

(۵) دوا خانے، پاگل خانے، طبی تعلیم کا انتظام۔

(۶) تعمیرات۔

(۷) صنعت و حرفت (تحقیقات اور صنعتی تعلیم کا انتظام)

(۸) زراعت (تحقیقات، تجربات زرعی کا مظاہرہ اور زرعی تعلیم)۔

(۹) علاج حیوانات کا محکمہ۔

(۱۰) مجالس امداد باہمی۔

(۱۱) ماہی گیری۔

مندرجۂ بالا امور کے انتظام میں وزرا انتخاب کنندوں کے سامنے جواب دہ ہوں گے اور گورنر حتی المقدور ان امور میں دخل اندازی نہیں کرے گا۔ گورنر وزرا کو منتخب شدہ ارکان میں سے نامزد کرے گا۔ بالعموم وزرا، وہ اشخاص ہوں گے جن پر منتخب شدہ ارکان کی اکثریت کو اعتماد ہوگا۔ ان کا مرتبہ اور تنخواہ وہی ہوگی جو گورنر کی مجلس عاملہ کے دوسرے ارکان کی ہو۔ لیکن مقننہ کو اختیار ہوگا کہ وزرا کی تنخواہوں میں تخفیف کر سکے۔ وزرا اس وقت تک اپنے عہدوں پر فائز رہیں گے

جب تک کہ گورنر کی مرضی ہوگی۔ بالعموم وزرا کے معاملات میں گورنر مداخلت نہیں کرے گا۔ لیکن اگر گورنر یہ سمجھے کہ صوبے کے مفاد یا امن و امان کے قیام کو وزرا کے کسی فیصلے سے خطرہ ہو تو وہ دخل اندازی کرنے کا مجاز ہوگا۔ اگر ایسی صورت پیش آئے تو وزرا مستعفی ہو سکتے ہیں۔ لیکن معمولاً گورنر کو چاہیے کہ امور مفوضہ سے متعلق وزرا کی رائے پر عمل کرے۔ وہ سرکاری حکام جو امور مفوضہ سے متعلق مختلف محکموں میں ملازم ہوں گے براہ راست وزرا کے تحت رہیں گے۔ لیکن وہ حکام جن کا تعلق امور مفوضہ و محفوظہ دونوں سے ہوگا وہ گورنر کے صوابدید کے بموجب یا تو کلیتہً وزارت کے ماتحت کر دیے جائیں گے یا گورنر بہ اجلاس کونسل کے ماتحت ہوں گے۔ کسی ایسے عہدہ دار کے متعلق جس کو وزیر ہند نے انڈین سول سروس میں مقرر کیا ہو یا جس کا تقرر گورنر نے صوبجاتی سروس میں کیا ہو۔ اس کی تنخواہ کو متاثر کرنے کی کوئی کارروائی وزرا اس وقت تک نہیں کر سکیں گے جب تک کہ گورنر سے اس کی نسبت منظوری نہ حاصل کر لی گئی ہو۔ انڈین سول سروس اور صوبجاتی سروس کے افراد کو وزرا خدمت سے سبکدوش کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ اگر ان کی کسی طرح حق تلفی کی جائے تو انہیں گورنر کے پاس مرافعہ کرنے کی اجازت ہوگی۔

امور محفوظہ | جن امور کا تعلق براہ راست گورنر سے ہوگا مندرجۂ ذیل ہیں۔

(۱) انتظام مال گزاری اور قوانین اراضی۔

(۲) امداد قحط

(۳) آب پاشی اور آبی قوت کا استعمال۔

(۴) جنگلات (سوائے بمبئی کے صوبے کے)

(۵) عدالت (اس میں تمام دیوانی اور فوجداری عدالتیں شامل ہیں۔

(۶) پولیس اور قید خانے۔

(۷) کارخانہ جات کا معائنہ اور مزدور پیشہ لوگوں کے متعلق تمام معاملات۔

(۸) صوبجاتی قرضے۔

صوبجاتی امور میں بعض ایسے بھی ہیں جو اگرچہ دستوری اور انتظامی حیثیت سے مقامی حکومت کے تحت ہیں لیکن ان کے متعلق وضع قوانین مرکزی مقننہ میں ہوگا تاکہ تمام ملک میں یکسانیت قائم رہے وہ امور یہ ہیں۔

(الف) آب پاشی اور آبی قوت کے استعمال کے متعلق مقننہ وضع قوانین کرے گی بشرطیکہ ایک سے زائد صوبوں کا مفاد اس سے وابستہ ہو۔

(ب) عدالت عالیہ اور عدالت ہائے فوج داری۔

(ج) قید خانے

(د) قوانین متعلق کارخانہ جات اور مزدور پیشہ کے متعلق قوانین۔

(ر) جدید جامعات کا قیام

امور محفوظہ کا انتظام گورنر بہ اجلاس کونسل کرے گا اور امور مفوضہ گورنر و وزرا کے سپرد ہوں گے۔ حکومت کے ان دو مختلف حصوں

میں گورنر کی شخصیت ایک اتصالی کڑی کی حیثیت رکھے گی۔ اس دوعملی کے انتظام کی بدولت صوبجاتی نظم ونسق کا ایک حصہ گورنر کے توسط سے برطانوی انتخاب کنندگان کے سامنے جواب دہ ہوگا اور دوسرا حصہ صوبجاتی انتخاب کنندگان کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ گورنر کا تقرر پانچ سال کے لیے ملک معظم کی جانب سے ہوگا۔ مجلس عاملہ کے ارکان کی تعداد زیادہ سے زیادہ چار ہوگی۔ ان میں سے ایک انڈین سول سروس کا رکن ہونا چاہیئے جو ہندستان میں کم سے کم بارہ سال سے تاج کی ملازمت میں رہ چکا ہو۔

قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء میں گورنر کو اس کا پابند نہیں کیا گیا کہ وہ وزرا اور عاملہ کے دوسرے ارکان کے مشترکہ اجلاس منعقد کرے۔ کابینی طریق عمل ہندستان میں رائج کرنے کی اس قانون میں کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ وزرا کی ذمہ داری مقننہ کے سامنے انفرادی حیثیت سے ہوگی۔ گورنر کے پارلیمانی ہدایت نامے میں صرف اس کی توقع ظاہر کی گئی ہے کہ ارکان عاملہ اور وزرا باہمی مشاورت کی عادت کو بڑھانے کی کوشش کریں گے تاکہ سرکاری مشیروں کے مشورے سے وزرا مستفید ہوں اور ارکان عاملہ کو وزرا کے توسط سے رائے عامہ کا علم ہو سکے۔ لیکن یہ محض مشورتی حیثیت سے ہوگا۔ اس کا مقصد مشترک کابینی ذمہ داری کو پیدا کرنا نہیں ہے اس لیے کہ دوعملی کے مطابق حکومت کے دونوں حصوں کا انتظام ایک دوسرے سے علیحدہ کیا گیا ہے۔ پارلیمانی مجلس منتخبہ نے گورنر کی عاملہ کے ارکان اور وزرا کے تعلق کی ان الفاظ میں تصریح کی ہے۔ "ارکان مجلس عاملہ اور وزرا کو چاہیے کہ تقریر یا اظہار رائے کے

ذریعے آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت نہ کریں۔ ارکان مجلس عاملہ کے لیے یہ بات لازمی نہیں ہوگی کہ وہ وزرا کی ان تجاویز کی تقریر یا اظہار راے کے ذریعے تائید کریں جنھیں وہ پسند نہیں کرتے اور اس طرح وزرا کے لیے بھی یہ ضروری نہ ہوگا کہ تقریر یا اظہار راے کے ذریعے مجلس عاملہ کی ان تجاویز کی تائید کریں جنھیں وہ پسند نہیں کرتے۔ لیکن اگر ارکان مجلس عاملہ اور وزرا ایک دوسرے کی تجاویز سے متفق ہوں تو ایسی صورت میں انھیں اختیار ہوگا کہ وہ اس کے متعلق تقریر یا اظہار راے کر سکیں۔"

صوبجاتی میزانیہ مرتب کرنے کی ذمہ داری تمام تر گورنر کی مجلس عاملہ پر ہوگی۔ مجلس عاملہ کا ایک رکن محکمۂ مالیات کا صدر ہوگا۔ میزانیہ مرتب کرتے وقت سب سے پہلے ان رقوم کی نشان دہی ضروری ہوگی جو حکومت ہند کو واجب الادا ہوں گی۔ اس کے بعد امور محفوظہ کے رقمی مطالبات پورے کیے جائیں گے اور سب سے آخر میں امور مفوضہ کے اخراجات نکالے جائیں گے۔ اگر امور مفوضہ کے لیے کافی رقم نہ بچے تو وزرا کو اختیار ہوگا کہ اس کے لیے مقننہ میں مزید محصول عائد کرنے کی تجویز پیش کریں۔ لیکن پیشتر اس کے کہ یہ تجویز مقننہ میں پیش ہو معتمد مال اس کے متعلق ضروری تنقیح کرے گا اور امور مفوضہ کے متعلق آمدنی و خرچ کی جانچ کرنے کے بعد اس کی سفارش کرے گا کہ آیا نئے محصول کی تجویز پیش کرنا مناسب ہے یا نہیں؟ در اصل امور محفوظہ اور امور مفوضہ کے درمیان صوبجاتی آمدنی کی تقسیم ایسا دشوار مسئلہ تھا جس کا تشفی بخش حل قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء میں تلاش کرنا عبث ہے۔

گورنر کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ صوبے کی آمدنی کو امور محفوظہ اور امور مفوضہ کی ضروریات کے لحاظ سے اپنے صواب دید پر تقسیم کر دے اور یہ تقسیم اس وقت تک نافذ رہے گی جب تک کہ مقننہ کا جدید انتخاب عمل میں نہ آجائے۔ عملی حیثیت سے چونکہ امور محفوظہ کے مطالبات کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اس لیے وزرا کے لیے ناممکن ہوگا کہ وہ تعمیر قومیت کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

قانون ہند سنہ ۱۹۱۹ء کے تحت صوبجاتی مقننہ کو مارلے منٹو اصلاحات کے مقابلے میں وسعت دی گئی اور نسبتاً اس کے اختیارات میں بھی اضافہ ہوا۔ انتخاب براہ راست ہونے لگا اور حق رائے دہندگی کی توسیع عمل میں آئی، مسلمانوں، سکھوں، دیسی عیسائیوں، یورپینوں اور اینگلو انڈین لوگوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا اصول تسلیم کیا گیا۔ مدراس میں غیر برہمنوں اور بمبئی میں مرہٹوں کی نشستیں محفوظ کی گئیں۔ زمینداروں، تاجروں، مالکان کارخانجات اور پلانٹرز (Planters) کے لیے علیحدہ نشستیں رکھی گئیں تاکہ مختلف مفادوں کی نمائندگی ہو سکے۔ اختلاف مفاد کے اصول کے تحت شہری اور دیہی حلقہ جات انتخاب کا تعین کیا گیا اس قانون کے تحت صوبجاتی مقننہ میں انتخابی عنصر کا اضافہ ہوا اور ہر صوبے میں منتخب شدہ ارکان کو اکثریت حاصل ہوگئی۔ جن لوگوں کو حق رائے دہندگی حاصل ہوا وہ کل ملک کے بیس سال سے اوپر مردوں کی آبادی کے ۹ فی صدی تھے۔ مختلف صوبوں میں رائے دہندگی کی شرائط مختلف ہیں۔ عام طور پر اس کے لیے مندرجۂ ذیل شرائط اہلیت و قواعد مقرر کیے گئے :-

(۱) صوبجاتی مقننہ میں اس شخص کو رائے دینے کا حق حاصل ہوگا جو اپنے حلقۂ انتخاب میں ایک سال سے سکونت رکھتا ہو۔

(۲) جو تین روپے سالانہ محصول بلدیہ ادا کرتا ہو۔

(۳) ایسے مکان کا مالک ہو جس کا کرایہ سالانہ ۳۶ روپے ہو۔

(۴) جو شخص دو ہزار کی سالانہ آمدنی پہ انکم ٹیکس ادا کرتا ہو۔

(۵) کسی اراضی پہ دس روپے سالانہ لگان ادا کرتا ہو۔

(۶) کسی گاؤں کا نمبردار یا مکھیا ہو۔

(۷) ہر زمیندار جو ۵۰۰ روپے (پنجاب میں) سے لے کر ۵ ہزار روپے (یو-پی-میں) سالانہ مال گزاری ادا کرتا ہو۔

(۸) کسی ہندستانی مسلمہ جامعہ کا طیلسان ہو جسے گریجویٹ ہوئے کم سے کم سات سال گزر چکے ہوں۔

عورتوں کے لیے قانون اصلاحات میں حق رائے دہندگی کا کوئی تعین نہیں کیا گیا بلکہ اس مسئلے کو صوبجاتی حکومتوں کے صواب دید پہ چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنے مقامی حالات کے مطابق عورتوں کے لیے حق رائے دہندگی کے قواعد مقرر کریں۔ اگر کسی صوبے میں مقننہ کے لیے انھیں حق رائے دہندگی دیا جائے تو لازم ہوگا کہ اس صوبے میں مرکزی جمیعت مقننہ کے لیے بھی انہیں رائے دینے کا حق دیا جائے شرائط رائے دہندگی عورتوں کے لیے وہی ہوں گی جو مردوں کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔

صوبجاتی مقننہ میں اگرچہ ہر جگہ انتخابی عنصر کو اکثریت حاصل تھی

لیکن باوجود اس کے سوائے چند صوبوں کے سرکاری عنصر نامزد شدہ ارکان اور اقلیتوں کی مدد سے فیصلہ کن حیثیت رکھتا تھا۔ صوبجاتی مقننہ کا انتخاب تین سال کے لیے ہوگا۔ لیکن اگر گورنر چاہے تو مقننہ کو اس میعاد کے ختم ہونے سے پہلے برخاست کردے۔ گورنر کے لیے ضروری ہوگا کہ مقننہ کو برخاست کرنے کے چھ ماہ یا زیادہ سے زیادہ نو ماہ کے اندر دوسری مقننہ طلب کرے۔ گورنر مقننہ کی ایک سال کے لیے توسیع کرنے کا مجاز ہوگا۔ اس کو مقننہ کا اجلاس منعقد کرنے، ملتوی کرنے اور برخاست کرنے کے حقوق حاصل ہوں گے۔ وہ جب چاہے مقننہ کو خطاب کرسکتا ہے۔ قانون اصلاحات کے نافذ ہونے کے چار سال بعد تک صوبجاتی مقننہ کے صدر کو گورنر جنرل نامزد کرے گا لیکن اس کے بعد وہ مقننہ کے ارکان میں سے کثرت رائے سے منتخب ہوا کرے گا۔

صوبجاتی مقننہ مجاز ہوگی کہ صوبے کے لیے قوانین وضع کرے۔ لیکن یہ اختیار محدود ہوگا۔ گورنر کو صوبے کی مجلس عاملہ کے افسر اعلیٰ اور تاج کے نمایندے کی حیثیت سے یہ دستوری حق حاصل ہوگا کہ وہ بذریعۂ تصدیق ایسے قوانین وضع کرسکے جنھیں وہ صوبے کے مفاد اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برار ہونے کے لیے ضروری خیال کرتا ہو۔ لیکن تصدیق کے ذریعے جو قانون وضع کیا جائے گا اس کی اطلاع گورنر جنرل کو دینا ہوگی تاکہ وہ پارلیمنٹ سے اس کی بابت استصواب کرسکے۔ لیکن فوری ضرورت کے موقع پر گورنر جنرل پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کرنے کے بجائے تاج سے براہِ راست منظوری حاصل کرسکے گا اس صورت میں وہ قانون پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں پیش نہیں ہوگا۔ بلکہ وزیر ہند کے

توسط سے تاج کی منظوری حاصل کرلی جائے گی۔ اس اختیار کے تحت گورنر فوری معاملات میں مقننہ کی منظوری لیے بغیر جس قدر رقم چاہے اپنے صواب دید پر خرچ کرسکتا ہو۔ گورنر کو گورنر جنرل کی طرح حق امتناع بھی حاصل ہوگا۔ وہ اگر چاہے تو کسی مسودۂ قانون کو مقننہ میں پیش ہونے سے روک دے۔ یا اگر کوئی قانون منظور ہوگیا ہو تو اُسے نافذ نہ ہونے دے اس لیے کہ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو تاج کے نمائندے کی حیثیت سے اس کی ذمہ داریاں خطرے میں پڑجائیں گی۔ گورنر اپنے اختیار تمیزی سے حق نامنظوری کو اس وقت استعمال کرسکتا ہو جب کسی قانون سے نقض امن کا اندیشہ ہو یا کسی دوسرے صوبے کے مفاد کو ضرر پہنچتا ہو، یا کوئی ایسا معاملہ متاثر ہوتا ہو جس کے متعلق گورنر کو ہدایت نامے میں خاص طور پر ذمہ دار قرار دیا گیا ہو۔ جملہ صوبجاتی قوانین کے لیے گورنر کے ماسوا گورنر جنرل بھی حق امتناع استعمال کرنے کا مجاز ہوگا۔ تاج کو بھی اس کا حق ہوگا کہ صوبجاتی مقننہ کے کسی منظور کردہ قانون کو نافذ ہونے سے روک دے۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہو جس کا تعلق امور محفوظہ اور امور مفوضہ دونوں سے ہو تو ایسی صورت میں گورنر، ارکان عاملہ اور وزرا سے مشترک طور پر مشورہ کرے گا اور اس بات کا تصفیہ کرے گا کہ اس خاص مسئلہ کا تعلق کس محکمے سے ہو اور اس کا تصفیہ قطعی تصور کیا جائے گا۔ گورنر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی مسودۂ قانون کو جو مقننہ میں پیش کیا گیا ہو ملتوی کرادے تاکہ اس کی بابت گورنر جنرل کی رائے معلوم کی جاسکے یا اس سے مشورہ کیا جاسکے۔ لیکن یہ حق خاص حالات

میں استعمال کیا جا سکے گا۔ اس کے لیے مندرجۂ ذیل شرائط لازمی قرار دی گئی ہیں:۔

(الف) اگر کسی مسودۂ قانون سے موجودہ نظام مال گزاری پر اثر پڑتا ہو۔

(ب) کسی فرقے کا مذہب متاثر ہوتا ہو۔

(ج) چھوٹی پٹڑی والی ریل کے بنانے یا نئی جامعہ کے قائم کرنے کی تجویز کی گئی ہو۔

قانون اصلاحات کی رو سے صوبجاتی حکومت کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے رقمی مطالبات میزانیہ کی شکل میں مقننہ کے سامنے پیش کرے مقننہ کو حق ہوگا کہ جن مطالبات کو چاہے مسترد کر دے۔ یا ان میں تبدیلی یا ترمیم کرے۔ لیکن امور محفوظہ کے مطالبات کو گورنر بذریعۂ تصدیق منظور کر سکتا ہے۔ اس کے ماسوا قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء کی دفعہ ۱۱ (۳) کی رو سے مقننہ کے مالیاتی اختیارات پر تحدید عائد کی گئی ہے۔ مندرجۂ ذیل امور کے لیے مقننہ کی منظوری درکار نہ ہوگی:۔

(۱) وہ رقوم جو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو واجب الادا ہیں۔

(۲) صوبجاتی قرضوں کا سود اور ذخیرہ ادائی۔

(۳) وہ رقوم جو کسی منظور شدہ قانون کے بموجب صوبجاتی حکومت کے لیے واجب الادا ہیں۔

(۴) ملک معظم یا وزیر ہند بہ اجلاس کونسل کے منشا سے جن عہدہ داروں کے تقررات ہوئے ہیں اُن کی تنخواہوں اور پنشنوں کی ادائی۔

(۵) ہائی کورٹوں کے ججوں اور ایڈووکیٹ جنرل کی تنخواہیں۔
اس کا تعین گورنر کرے گا کہ صوبجاتی میزانیہ میں کون سے اخراجات مندرجۂ بالا مدات کے تحت آتے ہیں۔

صوبجاتی مقننہ کو مندرجۂ ذیل امور کے متعلق وضع قوانین کے لیے گورنر جنرل کی منظوری لینا ضروری ہوگی۔

(۱) جدید محصولات عائد کرنا۔
(۲) ایسے مسودات قانون جن کا تعلق قرضۂ عامہ یا کڑوڑ گیری یا کسی ایسے محصول سے ہو جو مرکزی حکومت عائد کرتی ہو۔
(۳) بری فوج، بحریہ یا فضائی بیڑے کے متعلق کوئی تجویز۔
(۴) کوئی ایسی تجویز جس سے صوبجاتی حکومت کا خارجی دول یا دیسی ریاستوں سے تعلق پیدا ہوتا ہو۔
(۵) ایسی تجاویز جن کا تعلق مرکزی امور میں سے کسی سے ہو یا ایسے صوبجاتی امور سے ہو جن کے متعلق دستور میں صراحت کردی گئی ہو کہ مرکزی مقننہ اُن کے لیے وضع قانون کے فرائض انجام دے گی۔
(۶) کوئی ایسی تجویز جو پارلیمنٹ کے کسی منظور کردہ قانون پر اثر انداز ہوتی ہو۔

قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء کی دفعہ ۷ (۱) و (۲) میں اس امر کا تعین کیا گیا ہو کہ ہر ایسے صوبے میں جہاں کا حاکم اعلیٰ گورنر ہوگا۔ اس صوبے کی مقننہ کے ارکان میں ۷۰ فی صدی منتخب شدہ ہوں گے اور باقی ارکان میں ۲۰ فی صدی سے زائد سرکاری ارکان نہ ہوں گے

جن میں گورنر کی مجلس عاملہ کے ارکان بھی شامل ہیں۔ ذیل کے نقشے سے سرکاری اور غیر سرکاری ارکان کے تناسب نیز فرقہ داری نیابت کے اصول کی وضاحت ہوتی ہو۔

نام صوبہ	نامزد شدہ ارکان			فرقہ داری نیابت						خاص حلقہ ہائے انتخاب				عام حلقہ ہائے انتخاب	میزان منتخب ارکان	کل تعداد ارکان
	سرکاری	غیر سرکاری	میزان	مسلمان	سکھ	ہندوستانی عیسائی	اینگلو انڈین	یورپین	میزان	زمیندار	یونیورسٹی	تجارت و صنعت	میزان			
مدراس	۲۳	۶	۲۹	۱۳	۰	۵	۱	۱	۲۰	۶	۱	۶	۱۳	۶۵	۹۸	۱۲۷
بمبئی	۲۰	۵	۲۵	۲۷	۰	۰	۲	۰	۲۹	۳	۱	۷	۱۱	۴۶	۸۶	۱۱۱
بنگال	۲۰	۶	۲۶	۳۹	۰	۰	۵	۲	۴۶	۵	۱	۱۵	۲۱	۴۶	۱۱۳	۱۳۹
یو۔پی	۱۸	۵	۲۳	۲۹	۰	۰	۱	۰	۳۰	۶	۱	۳	۱۰	۶۰	۱۰۰	۱۲۳
پنجاب	۱۶	۶	۲۲	۳۲	۱۲	۰	۰	۰	۴۴	۴	۱	۲	۷	۲۰	۷۱	۹۳
بہار و اڑیسہ	۲۰	۷	۲۷	۱۸	۰	۰	۱	۰	۱۹	۵	۱	۳	۹	۴۸	۷۶	۱۰۳
صوبۂ متوسط	۱۰	۶	۱۶	۷	۰	۰	۰	۰	۷	۳	۱	۳	۷	۴۰	۵۴	۷۰
آسام	۹	۵	۱۴	۱۲	۰	۰	۰	۰	۱۲	۰	۰	۶	۶	۲۱	۳۹	۵۳

اس نقشے سے ظاہر ہوتا ہو کہ صوبجاتی مجالس مقننہ میں منتخب شدہ عنصر کل تعداد ارکان کا ۷۷ ½ فی صدی ہو۔ اگر کسی خاص مسئلے پر مقننہ میں بحث ہو رہی ہو تو گورنر کو اختیار ہو کہ وہ اپنی طرف سے بحیثیتِ ماہرِ فن دو ارکان کو عارضی طور پر مقننہ کی رکنیت پر نامزد کر دے اور یہ ارکان اس خاص مسئلے پر بحث ختم ہونے تک مقننہ کے باقاعدہ رکن تصور کیے جائیں گے اور انھیں جملہ حقوقِ رکنیت حاصل ہوں گے۔ ان ماہرین کا

سرکاری عہدہ دار ہونا ضروری نہیں ہو بلکہ وہ غیر سرکاری اشخاص بھی ہوسکتے ہیں۔

صوبجاتی حکومتوں میں دوعملی کا جو طریق حکومت قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء کی رو سے نافذ کیا گیا اس پر دستوری نقطۂ نظر سے یہ تنقید عائد ہوتی ہو کہ نظم و نسق ایک وحدت یا کل ہوتا ہو جسے اس طرح ٹکڑوں میں نہیں تقسیم کیا جا سکتا۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہو کہ صوبجاتی نظم و نسق کا ایک حصہ تو صوبے کے رائے دہندوں کے سامنے جواب دہ ہو اور دوسرے حصے کا تعلق برطانوی پارلیمنٹ سے قائم رہے جس کی نمایندگی وزیر ہند کے ذمے ہوگی۔ امور مفوضہ کے متعلق تمام تجاویز گورنر کے رحم و کرم پر منحصر ہوں گی۔ اس کو ایک مثال سے واضح کیا جاسکتا ہو فرض کیجیے وزیر تعلیم اپنے صوبے میں ابتدائی تعلیم عام کرنا چاہتا ہو۔ اس کے لیے وہ ایک اسکیم تیار کرتا ہو جو گورنر کے سامنے پیش کی جاتی ہو۔ گورنر سب سے پہلے اس مسئلے پر غور کرے گا کہ اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مزید اخراجات کس طرح پورے کیے جائیں گے وہ اس کے متعلق اپنی مجلس عاملہ کے رکن مالیات سے مشورہ کرے گا۔ اگر رکن مالیات کہ دے کہ مالی مشکلات کے باعث ہم اس اسکیم کو بروے کار لانے کے لیے گنجایش نہیں نکال سکتے تو گویا اسکیم وہیں ختم ہوجائے گی۔ سوائے اس کے کہ وزیر تعلیم مزید محصولات عائد کرنے کی تجویز مقننہ میں پیش کرے اور کوئی چارہ کار اس کے پاس باقی نہیں رہتا۔ اول تو مزید محصولات عائد کرنے کی تجویز اس وقت پیش ہوسکے گی جب کہ محکمۂ مال اس کی اجازت دے گا۔ اور اگر اس نے ایسا کرنے کی اجازت

دے بھی دی تو وزیر تعلیم بہ حیثیت عوام کے نمایندے کے مزید محصول
عائد کرنے کی تجویز پیش کرتے ہوئے بہت پس و پیش کرے گا۔ جمہور
کے نمایندے کی حیثیت سے اس سے یہ توقع کی جائے گی کہ وہ حتی المقدور
محصولات کے بار کو کم کرنے کی کوشش کرے نہ کہ انھیں زیادہ کرنے
کی۔ اگر وہ ایسا کرنے کی جرأت کرے گا تو وہ اپنی ہر دل عزیزی نہیں
برقرار رکھ سکے گا۔

انھیں عملی دشواریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت ہند نے جب کہ
قانون اصلاحات نافذ نہیں ہوا تھا، اپنے مراسلے میں یہ تجویز کی تھی کہ
امور محفوظہ اور امور مفوضہ کی مالیات ایک دوسرے سے الگ رہیں۔ ہر
دو شعبہ جاتِ حکومت اپنی مقررہ آمدنی کے وسائل کے اندر اپنے اخراجات
پورے کریں اور اگر اخراجات پورے نہ ہوں تو مزید محصول عائد کرنے
کی ذمہ داری اپنے اوپر لیں۔ لیکن یہ تجویز اس بنا پر قابل قبول نہ تھی کہ
مجلس عاملہ کے تحت مال گزاری اور اس قسم کی دوسری زیادہ آمدنی والی
مدیں رکھی گئی ہیں اور وزرا کے تحت جو امور رکھے گئے ہیں ان کے
اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ اس قباحت کو اس طرح دور کیا جا سکتا تھا
کہ گورنر امور محفوظہ کے ذرائع آمدنی میں سے بعض کو امور مفوضہ کے
اخراجات کے لیے مختص کر دے۔ اس سے یہ ہوتا کہ دونوں شعبوں میں
مزید ذرائع آمدنی کے لیے اختلافات پیدا نہ ہوتے اور وزرا کو اس کی
شکایت کا موقع نہ رہتا کہ انھیں اپنے منصوبے پورے کرنے کے لیے
وسائل نہیں مہیا کیے گئے۔ لیکن اس تجویز کو مسٹر مانٹیگو نے ناپسند کیا
اور پارلیمانی مجلس منتخبہ کے سامنے جو شہادتیں دی گئیں ان میں بھی عام

رجحان ایسا کرنے کے خلاف تھا۔ خود ہندستانی شہادت گزاروں نے اس تجویز کو ناپسند کیا اور مشترک خزانے کو ترجیح دی۔ اس واسطے کہ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو صوبجاتی میزانیہ کی ترتیب میں وزرا کی آواز کوئی اثر نہ رکھے گی اور نظم ونسق کے مسائل کا جو عملی تجربہ انھیں حاصل ہونا چاہیے اس کا امکان نہ رہے گا۔ چنانچہ قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء میں یہ اصول تسلیم کرلیا گیا کہ مالیات کا قلمدان گورنر کی مجلس عاملہ کے ایک رکن کے تحت رہے جس کے ذمے صوبجاتی میزانیہ مرتب کرنا ہوگا۔ میزانیہ مرتب کرتے وقت وہ وزرا سے ان کی ضروریات دریافت کرے گا۔ وسائل آمدنی کو نظم ونسق کے مختلف شعبوں کے لیے مختص کرنے کے بجائے مشترک سرمایہ رکھا جائے گا اور اگر نئے محصول عائد کرنے کی ضرورت ہوگی تو وزرا مجلس عاملہ کے ارکان کے پہلو بہ پہلو حتی المقدور مجلس مقننہ کے سامنے ان تجاویز کی تائید کریں گے یا اگر وہ تائید کرنا اپنے ضمیر کے خلاف خیال کریں تو اُن سے توقع کی جائے گی کہ مباحثے میں حکومت کی مخالف جماعت کی طرف سے حصہ نہ لیں تاکہ حکومت کی وحدت کو ضرر نہ پہنچے۔ گورنر اپنے صواب دید پر صوبجاتی آمدنی یا بچت کو محکمہ جات محفوظہ و مفوضہ کے لیے مختص کر سکے گا۔ غرض کہ عملی حیثیت سے اس دستور کے تحت اس وقت اچھی طرح کام چل سکتا ہے جب کہ گورنر اور وزرا کے تعلقات خوش گوار ہوں اور دونوں جانب سے مفاہمت اور اعتدال کی کارفرمائی ہو۔

وزیر ہند بہ اجلاس کونسل

لارڈ کریو کی صدارت میں وزیر ہند بہ اجلاس کونسل کے اختیارات و وظائف کے متعلق

تنقیح کرنے کے لیے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی گئی تھی جس نے جون سنہ ۱۹۱۹ء میں اپنی رپورٹ پارلیمنٹ کے سامنے پیش کی۔ اس رپورٹ کی سب سے اہم تجویز یہ تھی کہ وزیر ہند کی کونسل کا خاتمہ کر دیا جائے۔ لیکن پارلیمانی مجلس منتخبہ نے اس سفارش سے اختلاف کیا اور اس کے اثرات کو مضر بتایا۔ چنانچہ قانون ہند سنہ ۱۹۱۹ء میں وزیر ہند کی کونسل کو برقرار رکھتے ہوئے بعض تبدیلیاں کی گئیں۔ کونسل کے ارکان کی زیادہ سے زیادہ تعداد بجائے ۱۴ کے ۱۲ کر دی گئی اور کم سے کم ۸۔ ان میں سے نصف ارکان کے لیے ضروری تھا کہ وہ ہندستان میں بہ سلسلۂ ملازمت کم سے کم دس سال رہ چکے ہوں۔ مدت رکنیت بجائے سات سال کے ۵ سال کر دی گئی۔ ۱۲۰۰ پونڈ سالانہ ہر رکن کے لیے مشاہرہ مقرر کیا گیا۔ لیکن ان ارکان کے لیے جن کا وطن ہندستان ہو ۶۰۰ پونڈ سالانہ بطور مزید الاؤنس کے دیے جائیں گے تاکہ وہ انگلستان میں فارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں بجائے ہر ہفتے کے کونسل کے اجلاس ماہوار ہوا کریں گے۔ کونسل کے جلسوں کے قواعد و ضوابط وزیر ہند مقرر کرے گا۔ اگرچہ صراحتاً دستور میں وزیر ہند کو یہ اختیار نہیں دیا گیا ہو کہ وہ جن معاملات کو چاہے اپنے صواب دید پر کونسل میں پیش کرے اور جنھیں چاہے نہ پیش کرے اور ان کے متعلق اپنی ذمہ داری پر براہ راست حکومت ہند کو احکام بھیج دے لیکن کونسل کی حیثیت یقینی طور پر وزیر ہند کے ماتحت قرار دی گئی ہو اور اس کی اہمیت بہ نسبت بیشتر کے کم ہوگئی ہو۔ وزیر ہند اور اس کے دفتر کے کل اخراجات کی منظوری پارلیمنٹ میں ہوا کرے گی

اور جیسا کہ اب تک قاعدہ تھا حکومت ہند کو اخراجات سے زیر بار نہیں ہونا پڑے گا۔ وزیر ہند کے نائب اور اس کی کونسل کے ارکان کی تنخواہیں بھی پارلیمنٹ کی منظور کردہ رقم سے ادا کی جائیں گی۔ وزیر ہند اور اس کے عملے کی تنخواہیں پارلیمنٹ کے میزانیے میں شامل ہونے سے یہ فائدہ ہوا کہ جس طرح دوسرے محکموں کے وزرا کے متعلق دارالعوام کی مجلس اخراجات میں بحث و گفتگو ہوتی ہے اس طرح پارلیمنٹ میں سالانہ میزانیہ پیش ہوتے وقت ہندستان کے مسائل لازمی طور پر معرض بحث میں آسکیں گے۔

وزیر ہند کو ہندستان کی مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں کے نظم و نسق میں مداخلت کا دستوری حق حاصل ہوگا اور ہندستان میں امن و امان اور عمدہ انتظام قائم کرنے کے لیے وہ پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ وزیر ہند کی مداخلت صرف انتہائی صورتوں میں ہوگی، ورنہ حتی المقدور مقامی حکومتوں کو اپنے دروبست میں خود مختار چھوڑ دیا جائے گا۔ وزیر ہند کا کام یہ ہوگا کہ حکومت کی اعلیٰ حکمت عملی کا تعین کرے جس کا نفاذ حکومت ہند اور صوبجاتی حکومتیں اپنے اپنے حلقہ ہائے عمل میں کریں گی۔ محصولات درآمد کے متعلق اگر حکومت ہند اور جمعیت مقننہ متفق ہوں گی تو دستوری حیثیت سے وزیر ہند کو مداخلت کا حق نہ ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ اس کی صراحت موجود ہے کہ وزیر ہند ان مالیاتی انتظامات کا تحفظ کرے گا جو شہنشاہی ذمہ داریوں کے ساتھ وابستہ ہیں یا جن کے متعلق ملک معظم کی حکومت کوئی معاہدہ کر چکی ہے۔ اس طرح صوبجاتی نظم و نسق میں اگر امور مفوضہ کے متعلق حکومت اور مقننہ متفق ہوں تو وزیر ہند

دخل اندازی کا مجاز نہ ہوگا۔

وزیر ہند اس کا مجاز ہوگا کہ مرکزی اور صوبجاتی مقننہ کے منظور کردہ سودات قوانین کو مسترد کر دے یا بعض سودات کو پیش ہونے سے روک دے۔ وزیر ہند کا تعلق ہندستانی نظم و نسق کے سیاسی پہلو سے رہے گا۔ اس کے فرائض گماشتگی ایک ہائی کمشنر کے سپرد کر دیے جائیں گے جس کے ذمہ یہ کام ہوگا کہ وہ حکومت ہند کے لیے ضروری اشیا کی انگلستان میں خرید کرے اور ہندستانی تاجروں کے مفاد کی نگہداشت کرے۔ جو ہندستانی طلبا تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان آئیں ان کے لیے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچانا بھی اُس کے فرائض میں شامل ہوگا۔ ہائی کمشنر اور اس کے عملے کے کل اخراجات کا بار حکومت ہند کے مالیہ پر ہوگا۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں ہائی کمشنر کے عہدے پر ایک ہندستانی کا تقرر کیا گیا۔ ہائی کمشنر حکومت ہند کی ہدایات کے بموجب مصدقہ گماشتے کے تمام فرائض انگلستان میں انجام دے گا۔ اس کا وہی مرتبہ تسلیم کیا جائے گا جو برطانوی قلمروؤں کے مصدقہ قنصلوں کا ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت حکومت ہند کے سرکاری نمایندے کی ہوگی اور اس کے ذریعے سے حکومت ہند انگلستان کے تمام تجارتی معاملات کے متعلق معلومات حاصل کرے گی۔

ایوان والیان ریاست مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ میں اس امر پر بھی غور کیا گیا تھا کہ برطانوی ہند کی سیاسی تبدیلیوں کا دیسی ریاستوں پر بھی اثر پڑنا لازمی ہے۔ اس کے ساتھ والیان ریاست کو اس امر کا پورا اطمینان دلانے کی ضرورت محسوس کی گئی کہ برطانوی ہند کے دستوری تغیرات سے ان کے حقوق و مراعات اور معاہدے متاثر نہیں ہوں گے۔ اس امر کی بھی سرسری طور

تنقیح کی گئی کہ حکومت ہند اور والیان ریاست کے تعلقات کی نوعیت مختلف زمانوں میں بدلتی رہی ہے۔ برطانوی سیادت کا اصول مسلمہ حیثیت رکھتا ہے اور حکومت ہند کی بالادستی میں شک وشبہہ کی گنجایش نہیں۔ حکومت ہند نے اپنی مصالح کے مطابق دیسی ریاستوں کے ساتھ کبھی مداخلت، کبھی عدم مداخلت اور کبھی اتحاد و تعاون کی حکمت عملی پر عمل کیا۔ دیسی ریاستوں کو خارجی حملوں سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری حکومت ہند کے ذمے ہے جو امور خارجی میں ان کی نمایندگی کرنے کی بھی مجاز ہے۔ لیکن دیسی ریاستوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مشترک مدافعت میں حکومت ہند کے ساتھ شرکت کریں۔

سنہ ۱۸۵۷ء کی شورش عظیم کے بعد حکومت ہند کی یہ حکمت عملی رہی کہ دیسی والیان ریاست آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ براہ راست تعلقات نہ پیدا کریں۔ لیکن انیسویں صدی عیسوی کے اواخر سے حکومت ہند کی یہ خواہش ہے کہ والیان ریاست اپنے وسائل کی تنظیم کریں اور منتظم شکل میں حکومت ہند کے معاون اور شریک کار بنیں۔ چنانچہ سب سے پہلے لارڈ لٹن نے "ہندستانی پریوی کونسل" قائم کرنے کی تجویز پیش کی تھی جس میں والیان ریاست کو شریک کرنے کا خیال تھا۔ اس ضمن میں بعض والیان ریاست کو "مشیر ملکہ معظمہ" کا خطاب بھی دیا گیا۔ اس کے بعد لارڈ کرزن نے "مجلس والیان ریاست" کے قائم کرنے کی تجویز کی لیکن چونکہ والیان ریاست لارڈ کرزن کی عام حکمت عملی کو شبہہ کی نظر سے دیکھتے تھے اس لیے یہ تجویز بارآور نہ ہو سکی۔ لارڈ منٹو کی حکومت نے سیاسی اصلاحات کے متعلق وزیر ہند کو جو سفارشات بھیجی تھیں ان میں بھی والیان ریاست کی ایک

"شہنشاہی مشورتی مجلس" کے قیام کی تحریک کی تھی اور یہ بات واضح کردی تھی کہ اس تجویز کا یہ منشا ہرگز نہیں ہو کہ حکومتِ ہند والیان ریاست کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کرنا چاہتی ہو بلکہ اس کی خواہش یہ ہو کہ ایک ایسی جماعت قائم کی جائے جو اُن مشترک مسائل پر غور کرسکے جن کا تعلق برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں دونوں سے ہو۔ لارڈ منٹو نے سب سے پہلے والیان ریاست سے باقاعدہ مشورہ کرنے کے طریقے کو رائج کیا جس کو اس کے جانشین لارڈ ہارڈنگ کے عہد حکومت میں اور زیادہ تقویت حاصل ہوئی۔ جنگ کی وجہ سے لارڈ ہارڈنگ کو والیانِ ریاست سے مشورے کرنے کا موقع ملا اس واسطے کہ اس وقت پورے ہندستان کے وسائل کو بروے کار لانے کی ضرورت تھی۔ لارڈ ہارڈنگ نے والیانِ ریاست کو اس کا بھی موقع دیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے اپنے مشترک مفاد کی حفاظت کے لیے مشورہ کریں۔ لارڈ چیمسفورڈ کے عہد حکومت میں یہ قاعدہ بن گیا کہ دیسی والیان ریاست یا ان کے نمایندے ہر سال کانفرنس منعقد کریں اور ان مسائل پر غور کیا جائے جن کا تعلق دیسی ریاستوں سے مجموعی حیثیت سے ہو۔ ان کانفرنسوں میں وہ مسائل بھی معرض بحث میں آئے جن کا تعلق برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں سے تھا۔ چنانچہ جب مسٹر مانٹیگو اور لارڈ چیمسفورڈ نے سیاسی اصلاحات کے سلسلے میں تمام ہندستان کا دَورہ کیا تو اس موقع پر والیانِ ریاست نے بھی ایک وفد کے ذریعے اپنے مطالبات پیش کیے۔ اس وفد نے خاص طور پر چار باتوں پر زور دیا۔ (۱) کل ہندی حکمت عملی کی تشکیل میں والیان ریاست کو موقع حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اپنی آواز موثر کرسکیں۔ (۲) ایک ایسی غیر جانب دار عدالت

قائم ہونی چاہیے جہاں وہ مختلف فیہ مسائل پیش کیے جاسکیں جو برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کے درمیان پیدا ہوں کیونکہ ایسے معاملات میں حکومت ہند فریق بھی ہوتی ہو اور جج بھی (۳) حکومت ہند کا محکمۂ سیاسیات بعض اوقات معاہدوں کی خلاف ورزی کرتا ہو جس کے متعلق والیان ریاست کے پاس کوئی مداوا موجود نہیں (۴) ایک ایسی مشورتی جماعت قائم ہونی چاہیے جہاں والیان ریاست اپنے مشترک مفاد کے متعلق آپس میں مبادلۂ خیالات کرسکیں اور جس کے ذریعے سے کل ہندی امور کے متعلق وہ اپنی رائے حکومت ہند تک پہنچاسکیں۔

مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ میں اس امر کی سفارش کی گئی کہ والیان ریاست کو ایک ایسی مشورتی جماعت قائم کرنے کا موقع دینا چاہیے جس کے ذریعے سے وہ اپنے مشترک مفاد کی حفاظت کرسکیں۔ چنانچہ اس سفارش کے بموجب شاہی اعلان کے ذریعے ایوان والیانِ ریاست قائم کیا گیا۔ اس کے ارکان کی تعداد ۱۲۰ مقرر کی گئی جن میں سے ۱۰۸ والیان ریاست ہوں گے اور ۸ والیان ریاست کے نمایندے۔ شاہی اعلان میں اس کی وضاحت کردی گئی تھی کہ اس ایوان کے قیام سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جو والیان ریاست براہ راست حکومت ہند کے ساتھ اپنے تعلقات رکھنا چاہتے ہیں وہ آیندہ ایسا نہ کرسکیں گے بلکہ حسب معمول اس پُرانے طریق عمل میں کوئی فرق نہ پیدا ہونا چاہیے جو جاری چلا آرہا ہو۔ ایوان والیان ریاست کی حیثیت مشورتی ہوگی نہ کہ عاملانہ۔ ایوان اس کا مجاز نہ ہوگا کہ وہ کسی ریاست کے اندرونی انتظامی معاملات یا والیٔ ریاست کی شخصیت کو معرض بحث میں لاسکے۔ ایوان

کا اجلاس سال میں ایک دفعہ حکومت ہند کے صدر مقام میں ہوا کرے گا جس کی صدارت وائسرائے ہند کریں گے۔ اجلاس منعقد ہونے سے قبل ایجنڈا وائسرائے کی منظوری کے لیے پیش کیا جائے گا۔ ایوان اپنا ایک چانسلر منتخب کرے گا جو وائسرائے کی غیر موجودگی میں صدارت کے فرائض انجام دے گا۔ ایوان کی ایک مجلس قائمہ ہوگی جو چانسلر کے علاوہ پانچ ارکان پر مشتمل ہوگی۔ اس مجلس کی صدارت بھی چانسلر کے ذمے ہوگی۔ مجلس قائمہ کے ارکان کا انتخاب ایوان والیان ریاست کے اراکین میں سے سالانہ ہوا کرے گا۔

مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ میں برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کے باہمی اتحاد عمل کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اس سے رپورٹ کے مرتب کرنے والوں کی پیش بینی اور تدبر کا اظہار ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے متعلق ان کی نظروں کے سامنے کس قدر واضح اور مکمل تصویر تھی جس کے نقش ونگار اگرچہ اس وقت کچھ دھندلے تھے لیکن تھوڑے دنوں بعد ان میں پوری چمک دمک پیدا ہونے والی تھی۔ رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں:-

"ہندوستان کے مستقبل کا خیال کرتے وقت ہماری نظروں کے سامنے ایک سیاسی تشکیل آجاتی ہے جس کے خارجی خدوخال "وفاق" سے ملتے جلتے ہیں۔ صوبے بالآخر خود مختار اکائیاں بن جائیں گے جنھیں مرکزی حکومت مجتمع رکھے گی اور ان امور کا انتظام کرے گی جو ان سب صوبوں کے لیے مشترک ہوں گے۔ لیکن جو امور برطانوی صوبوں میں مشترک ہیں ان کا بڑی حد تک دیسی ریاستوں کے ساتھ بھی تعلق ہوگا۔ مثلاً دفاع

چنگی، زرِ مروّجہ کا مبادلہ، نمک، ریلوے، ٹپہ اور تار۔ حکومت ہند ان امور
کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر دے گی۔ دیسی ریاستیں اپنی اندرونی آزادی
کو قائم رکھتے ہوئے، جو انھیں عزیز ہے، مرکزی حکومت کے ساتھ گہرے
روابط پیدا کریں گی۔ اگر وہ ایسا کرنا پسند کریں۔ اگرچہ ہمیں اس میں مطلق
پس و پیش نہیں کہ اس قسم کے مستقبل کی اس وقت پیشین گوئی کریں لیکن
ہماری یہ خواہش ہرگز نہ سمجھی جائے کہ اس مطمح نظر کے حاصل کرنے میں
خواہ مخواہ جلد بازی سے کام لیا جائے۔ در اصل ہندستان میں ایسی
قوتیں اور موثرات اپنا کام کر رہے ہیں جنھیں مصنوعی محرکات کی ضرورت
نہیں ہے۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے اور ہم اس وقت صرف یہی کر بھی سکتے ہیں
کہ مستقبل کی ترقی کی راہ صاف کر دیں۔"

ساتواں باب

سنہ ۱۹۱۹ء کا قانون اصلاحات حالت نفاذ میں

(عام سیاسی اور دستوری مسائل)

سنہ ۱۹۱۹ء کے قانون اصلاحات کے نافذ ہونے کے قبل ہندستانی مدبرین دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئے تھے ایک انڈین نیشنل کانگریس کی جماعت تھی جو اصلاحات کو ناکافی اور غیر تسلی بخش کہتی تھی اور دوسری جماعت اعتدال پسند مدبرین کی تھی جنھوں نے کانگریس سے علٰحدگی اختیار کر کے نیشنل لبرل فیڈریشن کے نام سے اپنی جداگانہ تنظیم کر لی تھی۔ ثانی الذکر جماعت اصلاحات کو قبول کرنے اور ان کے ذریعے سے اپنے اہل وطن کو فائدہ پہنچانے کے اصول کی قائل تھی اور حکومت کے ساتھ تعاون عمل کے لیے تیار تھی۔ اعتدال پسندوں کا خیال تھا کہ جدید دستور کے ذریعے وہ وزیر ہند اور پارلیمنٹ کے سامنے بہتر طریقے سے اپنے مطالبات پیش کر سکیں گے۔ چنانچہ مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں میں اس جماعت کے افراد کو اعلیٰ عہدوں پر مامور کیا گیا اس واسطے کہ کانگریس نے جدید دستور کے مقاطعہ کی تجویز منظور کر لی تھی۔

جنگ عظیم کے بعد ہندستان میں بھی دنیا کے دوسرے حصوں کی طرح عام انتشار کی کیفیت رونما تھی۔ ایک کروڑ نفوس کے لگ بھگ

انفلوئنزا کے نذر ہو گئے۔ سیاسی بے چینی نے انقلابی رنگ اختیار کرنا شروع کیا اور سنہ ۱۹۱۸ء کے آخری زمانے میں پنجاب اور مغربی ہندستان میں شورش کے آثار پیدا ہونے لگے۔ حکومت ہند نے مسٹر رولٹ کی صدارت میں ایک کمیٹی مقرر کی جس نے مطبع پر مزید قیود عائد کیں اور سیاسی ملزموں کے فیصلے، بغیر جیوری کے، ججوں کو کرنے کا اختیار دے دیا۔ حکومت ہند نے ان سفارشات پر عمل کرنے کے لیے مسودۂ قانون پیش کیا جس کو رولٹ ایکٹ کہتے ہیں جس کے خلاف ملک کے ایک گوشے سے لے کر دوسرے گوشے تک صدائے احتجاج بلند کی گئی اور اس قانون کو منسوخ کرنے کی درخواست کی گئی۔ پنجاب میں اضطراب انگیز عنصر کا اثر بڑھنا شروع ہوا۔ حکومت نے مارشل لا کا نفاذ کر دیا اور سیاسی جلسے منعقد کرنے کی ممانعت ہو گئی۔ ان احکام کی خلاف ورزی میں امرت سر کے جلیانوالہ باغ میں ایک عظیم الشان جلسہ کیا گیا جس کو منتشر کرنے کے لیے جنرل ڈائر نے اپنی فوج کو گولیاں چلانے کا حکم دے دیا۔ اس موقع پر ۳۷۹ آدمیوں کی جانیں ضائع ہوئیں اور ۱۲۰۸ سخت زخمی ہوئے۔ اس واقعے نے سارے ہندستان میں انگریزی عملداری کے خلاف جذبات مشتعل کر دیے۔ لارڈ ہنٹر کی صدارت میں واقعہ جلیانوالہ باغ کی تحقیق کے لیے پارلیمنٹ کی طرف سے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس نے اپنی رپورٹ میں جنرل ڈائر کی غلطی کو تسلیم کیا۔ وزیر ہند اور آرمی کونسل نے بھی جنرل ڈائر کی اس حرکت کو ناپسندیدہ قرار دیا۔

اس زمانے میں ہندستان کے مسلمانوں میں مسئلہ خلافت کی وجہ

سے انگریزی حکومت کے خلاف جذبات پیدا ہو رہے تھے ۔ چنانچہ تحریک خلافت اس غرض کے لیے اُٹھائی گئی کہ انگریزی حکومت پر زور ڈالا جائے کہ وہ مقامات مقدسہ پر یورپی اقوام کا قبضہ نہ ہونے دے ۔ مسٹر مانٹیگو اور مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مسلمانان ہند کے مذہبی جذبات کا پورا احترام کریں گے اور ان کے مطالبات کو حتی المقدور پورا کرنے کی کوشش کریں گے ۔ لیکن صلح نامہ سیورکی رو سے جو ترکوں اور اتحادی دول کے درمیان ہوا، ترکی کے ٹکڑے بخرے کر دیے گیے اور خلیفۃ المسلمین کی حیثیت قسطنطنیہ میں ایک قیدی کی سی رہ گئی ۔ اس صلح نامے کے خلاف مسلمانان ہند نے صدائے احتجاج بلند کی اور انھوں نے اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے گاندھی جی کی ترک موالات کی تحریک میں شرکت کی ۔ گاندھی جی نے مسلمان زعما کے ساتھ مل کر تحریک ترک موالات کے اصول مرتب کیے اور کلکتہ کانگریس سنہ ۱۹۲۰ء میں حکومت سے تعاون عمل ترک کرنے کا قطعی فیصلہ کیا گیا ۔ اس تحریک سے ملک کے طول وعرض میں سخت بے چینی پھیل گئی ۔ شروع میں حکومت ہند نے اس تحریک کو روکنے کی کوشش نہیں کی لیکن جب اس کی زد برطانوی شہنشاہیت کے مفاد پر پڑنے لگی تو اس کے خلاف کارروائی شروع کی گئی ۔ گاندھی جی اور ان کے دوسرے ساتھی قید خانے بھیج دیے گئے ۔ لارڈ ریڈنگ نے نہایت قابلیت سے صورت حالات پر قابو پا لیا ۔

یہ تھے سیاسی حالات جبکہ قانون حکومت ہند کا نفاذ عمل میں آیا ۔ نومبر سنہ ۱۹۲۰ء میں اس قانون کے تحت پہلے انتخابات ہوئے ۔ کانگریس

نے انتخابات میں شرکت نہیں کی۔ اس لیے اعتدال پسند جماعت کے افراد کو جدید اصلاحات کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملا۔ صوبوں میں وزرا کے انتخاب میں گورنروں کو کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوا۔ لیکن اعتدال پسند جماعت کے وزرا نے بہت جلد محسوس کیا کہ وہ اپنے اختیارات کو اس وقت تک نہیں استعمال کر سکتے جب تک کہ صوبجاتی مالیات کے انتظام میں انھیں عمل دخل حاصل نہ ہو۔ بدقسمتی سے تجارتی کسادبازاری کی وجہ سے مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں کی مالی حالت اس زمانے میں ناقابل اطمینان تھی۔ لارڈ مسٹن کی صدارت میں مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں کے مالی تعلقات متعین کرنے کی غرض سے جو کمیٹی مقرر کی گئی تھی اس کی سفارشات کے مطابق جو تصفیہ ہوا وہ اکثر صوبوں کو ناپسند تھا۔ فصلوں کی خرابی اور سیاسی تحریک کی روک تھام کے لیے مزید اخراجات کے بار کے باعث صوبجاتی مالیات کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ ایک طرف تو وزرا اپنے تعمیر قومیت کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر رہے، دوسرے انھوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کے تحت جو سول سروس کے اعلیٰ حکام ہیں ان پر ان کا اثر محدود ہے اس لیے کہ ان حکام کو براہ راست گورنر تک رسائی حاصل تھی۔ اس سے اعتدال پسند طبقے میں بھی ایک طرح کی بددلی پھیل گئی۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں مسٹر سی آر داس اور پنڈت موتی لال نہرو نے سوراج پارٹی قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ مرکزی اور صوبجاتی مقننہ کے آئندہ انتخابات میں کانگریس کے نمائندے شرکت کریں اور مجالس مقننہ میں شریک ہو کر حکومت کے کاموں میں رکاوٹیں ڈالیں۔ چنانچہ

سنہ ۱۹۲۳ء کے انتخابات میں سوراج پارٹی نے شرکت کی۔ اس زمانے میں برطانوی سیاسیات میں لیبر پارٹی برسر اقتدار آگئی تھی جس سے ہندستانی وطن پرستوں کی بہت کچھ امیدیں وابستہ تھیں۔ لیکن عملی دشواریوں کے باعث لیبر پارٹی ہندستان کے لیے کچھ نہ کرسکی۔ سوراج پارٹی نے بنگال اور صوبۂ متوسط میں دوعملی کے نظام حکومت کو ناممکن بنادیا اور گورنروں کو مجبور کیا کہ وہ صوبے کی حکومت کی ذمہ داری کو بذات خود انجام دیں۔

سوراج پارٹی نے فروری سنہ ۱۹۲۴ء میں مرکزی مقننہ میں یہ تجویز کثرت رائے سے منظور کرائی:۔ "جمعیت مقننہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل سے سفارش کرتی ہے کہ وہ موجودہ قانون حکومت ہند پر پارلیمنٹ سے نظر ثانی کرنے کی درخواست کرے تاکہ ہندستان میں مکمل ذمہ دار حکومت قائم ہو اور جلد از جلد ایک نمائندہ گول میز کانفرنس منعقد کی جائے تاکہ اقلیتوں کے مفاد اور حقوق کا پورا لحاظ اور تحفظ کرتے ہوئے ہندستان کے لیے دستور اساسی بنایا جائے اور موجودہ مرکزی مقننہ کو برخاست کرکے یہ دستور اساسی نئی منتخب شدہ مقننہ کی منظوری کے لیے پیش کیا جائے۔ اس کے بعد برطانوی پارلیمنٹ اس اسکیم کو قانونی شکل دے۔"

لارڈ ریڈنگ کی حکومت نے سنہ ۱۹۲۳ء میں سر الیگزنڈر مڈی مین کے زیر صدارت ایک کمیٹی مقرر کی تھی تاکہ نافذ شدہ اصلاحات کے متعلق تحقیق کرکے اپنی رپورٹ پیش کرے۔ اس کمیٹی کے ۹ ارکان میں ۴ ہندستانی شریک کیے گئے تھے۔ اس کمیٹی کے حدود استصواب(1) یہ ہیں

(1) Terms of reference

صرف اس امر کی تحقیق شامل تھی کہ دوعملی کے نفاذ میں بہتر صورت پیدا کرنے کے متعلق اپنی سفارشات پیش کرے۔ اس کمیٹی نے کثرت رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ دوعملی کے طرز حکومت کو بہتر بنایا جا سکتا تھا۔ مڈی مین کمیٹی نے کثرت رائے سے سفارش کی تھی کہ گورنر کی عاملہ اور وزرا میں تمام اہم امور کے متعلق باہمی مشورہ ہونا چاہیے اور گورنر کو چاہیے کہ امور مفوضہ کے متعلق وہ اپنے وزرا کی رائے سے اختلاف نہ کرے سوائے ایسی حالت کے کہ اقلیت یا خاص طبقوں کے مفاد کی حفاظت کے لیے وہ ایسا کرنے پر مجبور ہو۔ اگر وزیر کسی وجہ سے مستعفی ہونا چاہتا ہو تو جس طرح انگلستان میں ہوتا ہے یہاں بھی وہ مقننہ کے سامنے اپنے مستعفی ہونے کے وجوہ پیش کرے گا۔ ارکان عاملہ اور وزرا کی مشترک حیثیت کابینہ کی سی ہونی چاہیے جہاں وہ اپنے محکموں کے اہم معاملات تصفیہ کے لیے پیش کیا کریں۔ چونکہ معتمدین کو براہ راست گورنر تک رسائی حاصل ہے اس لیے مناسب ہے کہ پیشتر اس کے کہ وہ گورنر کے سامنے اپنے محکمے کا کوئی معاملہ پیش کریں وزیر متعلقہ کو اس کے نسبت مطلع کر دیں اور بالخصوص ایسے امور کی وزیر کو ضرور اطلاع دی جائے جن کے متعلق معتمد اور وزیر کی رائے میں اختلاف ہو۔

اس کمیٹی کی اقلیت نے جس میں سر تیج بہادر سپرو شامل تھے، اپنی رپورٹ علحدہ پیش کی اور نظام دوعملی کو ایک ناقابل عمل دستوری ایجاد بتایا۔ اس کے نقائص اس وقت تک نہیں رفع ہو سکتے جب تک کہ اس میں اصولی اور بنیادی تبدیلیاں نہ کی جائیں۔ چنانچہ اقلیت

نے اپنی رپورٹ میں صوبجاتی حکومتوں کی مثالوں سے ثابت کیا کہ اس دستوری ایجاد کو عملی جامہ پہنانا ناممکن ہو۔ لارڈ برکن ہیڈ، وزیر ہند نے بھی دو عملی کو انگریزی دستوری روایات کے خلاف بتایا تھا۔ ستمبر سنہ ۱۹۲۵ء میں جب مڈی مین رپورٹ جمعیت مقننہ کے سامنے بطور سرکاری تجویز کے منظوری کے لیے پیش ہوئی تو پنڈت موتی لال نہرو نے اس پر ایک ترمیم پیش کی جو کانگریس کے سیاسی مطالبات پر مشتمل تھی۔ اس ترمیم کا خلاصہ یہ ہو (۱) ہز مجسٹی ملک معظم کی حکومت بلا تاخیر پارلیمنٹ میں یہ اعلان کرے کہ وہ موجودہ دستور میں ایسی بنیادی تبدیلی کرنے کو آمادہ ہو جس کی بدولت ہندستان میں مکمل ذمہ دار حکومت قائم ہو جائے گی۔ (۲) ایک گول میز کانفرنس منعقد کی جائے یا اس طرح کا کوئی دوسرا طریق عمل اختیار کیا جائے جس کے ذریعے تمام اقلیتوں کے مفاد کی نگہداشت ممکن ہو اور ان کے نمایندوں کے مشورے سے ایک دستور تیار کیا جائے یہ دستوری اسکیم جمعیت مقننہ کی منظوری کے لیے پیش کی جائے گی اور بعد میں پارلیمنٹ میں قانونی شکل اختیار کرے گی۔ دو روز تک اس ترمیم پر بحث ہوئی۔ بالآخر اس کی موافقت میں ۷۲ آرا اور مخالفت میں ۴۵ آرا ہوئیں۔ حکومت کی یہ شکست دراصل اس رائے عامہ کا اظہار کرتی تھی جو ملک میں پیدا ہو گئی تھی۔ جمعیت مقننہ کے اعتدال پسند عنصر نے بھی اس موقع پر سوراج پارٹی کا ساتھ دیا۔

لارڈ ریڈنگ نے جب سنہ ۱۹۲۶ء میں اپنے عہدے کا جائزہ لارڈ اردن کو دیا تو ملک میں پھر بے چینی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء میں مذکور تھا کہ اس قانون کے نافذ ہونے

کے دس سال بعد تحقیقات کی جائے گی کہ موجودہ قانون میں کن تبدیلیوں کی ضرورت ہے اور یہ کہ ذمہ دار حکومت کے اصول کی کس حد تک توسیع عمل میں آنی چاہیے یا جو اختیارات دیے گئے ہیں انھیں اور محدود کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ پارلیمنٹ نے سنہ ۱۹۲۷ء میں لارڈ اروِن کی حکومت کی سفارش پر ہندستان کے دستوری مسئلے کی تحقیقات کے لیے سر جان سائمن کی صدارت میں ایک کمیشن مقرر کیا۔ کمیشن سات برطانوی ارکان پر مشتمل تھا چونکہ ہندستانیوں کو اس میں نہیں شریک کیا گیا۔ اس لیے اعتدال پسند طبقے نے بھی کانگریس کے ساتھ ہو کر اس کی مخالفت کا اعلان کر دیا۔ جب سائمن کمیشن ہندستان آیا تو اس کا مقاطعہ کیا گیا اور ہر جگہ اس کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ ہندستانی رائے عامہ کو موافق کرنے کے لیے صدر کمیشن کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ مرکزی مقننہ کے ارکان میں سے چھ ارکان کو اپنے ساتھ شریک کرے جو برطانوی کمیشن کے ساتھ شہادتیں قلم بند کر کے اپنی رپورٹ علیحدہ پیش کریں گے۔

اسی دوران میں وزیر ہند لارڈ برکن ہیڈ نے اپنی ایک تقریر میں اس دعوے کا کہ پارلیمنٹ کو ہندستان کے متعلق دستور بنانے کا اختیار نہیں ہے، یہ جواب طنزاً دیا کہ اہل ہند خود کوئی ایسا دستور کیوں نہیں تیار کرتے جسے ہندستان کی مختلف الخیال سیاسی جماعتیں اور طبقے تسلیم کرنے کو آمادہ ہوں۔ اس پر کانگریس نے ہندستان کی مختلف سیاسی جماعتوں کو دعوت دی اور پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ایک کمیٹی دستور اساسی بنانے کے لیے مقرر کی گئی جس میں مختلف سیاسی جماعتوں کے ممتاز ارکان شریک تھے۔ اس کمیٹی نے ایک رپورٹ

تیار کی جو نہرو رپورٹ کہلاتی ہو۔ اس رپورٹ کو خاص دستوری حیثیت حاصل ہو اس لیے کہ بعد میں سائمن کمیشن کی رپورٹ میں بھی ان اصول پر بحث کی گئی ہو جو اس رپورٹ کے مرتب کرنے والوں کے پیش نظر تھے۔ نہرو رپورٹ میں تین مسائل پر خاص توجہ کی گئی ہو (۱) ہندوستان میں ذمہ دار حکومت کا قیام جو قلمروی طرز کی ہو (۲) ہندو مسلم مسئلہ اور (۳) دیسی ریاستیں۔

رپورٹ کے مرتب کرنے والوں نے بدلائل ثابت کیا ہو کہ ذمہ دار حکومت اور قلمروی طرز حکومت میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ اس مسئلے پر خاص توجہ اس لیے کی گئی کہ سر ملکم ہیلی نے ۸۔ فروری سنہ ۱۹۲۴ء کو بہ حیثیت ہوم ممبر حکومت ہند اپنی تقریر کے دوران میں کہا تھا کہ "قلمروں[1] کی سی خود اختیاری کا مفہوم وسیع معنی رکھتا ہو۔ قلمروی حکومت کا مطلب صرف یہ نہیں ہو کہ عاملہ مقننہ کے سامنے ذمہ دار ہو بلکہ یہ بھی ہو کہ خود قوت واضع قوانین کو وہ تمام اختیارات حاصل ہوں جو قلمروں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یہ ہو سکتا ہو کہ ذمہ دار حکومت کا منطقی نتیجہ قلمروں جیسی حکومت خود اختیاری پر منتج ہو لیکن وہ بتدریج ترقی کا آخری قدم ہوگا۔ سر ملکم ہیلی کی تقریر کے ماسوا بعض برطانوی اخبارات کی تحریروں سے بھی انھیں خیالات کی صدائے بازگشت آ رہی تھی۔ چنانچہ نہرو رپورٹ کے مرتب کرنے والوں نے بتایا کہ ۲۰۔ اگست سنہ ۱۹۱۷ء کے اعلان اور قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء میں اہل ہند سے جو وعدہ کیا گیا ہو وہ ایسی ذمہ دار حکومت ہو جو قلمروی مرتبہ کی ہوگی۔ انھوں نے یہ بھی ثابت کیا کہ مکمل ذمہ دار حکومت کے قیام اور موجودہ دو عملی کے نظام کے بیچ میں کوئی درمیانی منزل نہیں ہو۔ بغیر دو عملی ختم کیے ہوئے سیاسی اختیار اور ذمہ داری باشندگان انگلستان

Dominions (1)

سے اہلِ ہند کو منتقل نہیں ہوسکتی۔ یہ بھی سفارش کی گئی کہ صوبوں کی جدید تقسیم لسانی وحدت اور باشندوں کی خواہش کے اصول کے تحت ہونی چاہیے اور صوبوں کی عاملہ پورے طور پر مقننہ کے سامنے جواب دہ ہونی چاہیے تاکہ مکمل صوبجاتی آزادی حاصل ہو۔ رپورٹ میں اس اعتراض کا بھی جواب دیا گیا ہو کہ قلمروی مرتبہ حاصل کرنے کے لیے ہندستان کی اپنی فوج ہونی چاہیے جو ملک کی حفاظت کر سکے۔ ضرورت اس بات کی ہو کہ ہندستانی افسروں کی تعداد میں جلد اضافہ کیا جائے۔ اسکین کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق عمل کرنے سے اس میں بہت زمانہ درکار ہوگا۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ قلمرووں کو جب خود اختیاری کے مکمل حقوق دیے گئے تھے تو اس وقت وہ اپنی حفاظت کرنے کی فوجی صلاحیت نہیں رکھتی تھیں یہ امر تسلیم کیا گیا ہو کہ ابھی کچھ عرصے تک ہندستان کو انگریزی ماہروں کی ضرورت ہوگی لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مقننہ فوجی اخراجات کے تعین میں کوئی آواز نہ رکھے۔ افواج کو ہندیانے(1) کی سخت ضرورت ہی اور اس کی بھی ضرورت ہو کہ فوجی تخمینہ جات کو مقننہ کے لیے ناقابلِ تحریف نہ بنایا جائے۔

ہندو مسلم مسئلے کے متعلق کمیٹی اس نتیجے پر پہنچی کہ دونوں فرقوں کے لیے مشترک انتخاب کے اصول کو تسلیم کیا جائے اور مسلمانوں کے لیے، جہاں وہ اقلیت میں ہیں، نشستوں کا تعین کیا جائے سندھ کی علٰحدگی کے متعلق مسلمانوں کے مطالبے کو معقول قرار دیا گیا۔ مذہبی معاملات کو حکومت کی مداخلت سے محفوظ کرنے کے لیے بنیادی حقوق میں یہ دفعہ شامل کردی گئی کہ "ہر ہندستانی کو ضمیر کی آزادی اور مذہب کے اقرار اور اس پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوگی"۔ نہرو کمیٹی کی اس سفارش کی کہ

Indianisation (1)

صرف ان صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے لیے نشستیں محفوظ کی جائیں مسلم رائے عامہ نے مخالفت کی اور مطالبہ کیا کہ پنجاب اور بنگال میں بھی جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں لیکن ان کی تعلیمی اور مالی حالت پست ہے، نشستیں محفوظ کی جائیں۔ مسلمانوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ مرکزی مقننہ میں کم از کم ۱/۳ نشستیں ان کے لیے محفوظ کی جائیں لیکن نہرو کمیٹی نے ان مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں نے اس پوری رپورٹ کی سخت مخالفت کی۔

دیسی ریاستوں کے متعلق نہرو رپورٹ میں سر ولزلی اسکاٹ کے خیالات سے اختلاف کیا گیا جو موصوف نے والیان ریاست کے وکیل کی حیثیت سے پیش کیے تھے۔ وہ خیالات یہ ہیں :-

(۱) تاج اور دیسی ریاستوں کے درمیان بنیادی رشتہ باہمی رضامندی پر مبنی ہے اور برطانیہ نے اسے صراحتاً تسلیم کیا ہے۔

(۲) تاج اور دیسی ریاستوں کے معاہدے حاکم مطلق یعنی تاج اور والیان ریاست کے درمیان ہوئے ہیں نہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی یا حکومت کے ساتھ۔

(۳) والیان ریاست نے معاہدے کرتے وقت برطانوی تاج اور پارلیمنٹ پر اعتماد کیا تھا اس لیے تاج ان معاہدوں کی ذمہ داری کو کسی دوسرے کے سپرد نہیں کرسکتا۔ تاج نے بہ حیثیت قوت بالادست کے تمام ریاستوں کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے۔

نہرو کمیٹی نے اس اصول پر اعتراض کیا ہے کہ دیسی ریاستوں کا تعلق

براہ راست تاج سے ہے۔ اس کے نزدیک اب تک دیسی ریاستوں کے متعلق تمام معاہدوں کا نفاذ اور ان فرائض کی بجا آوری جو ان معاہدوں کی رو سے عائد ہوتی ہیں وزیر ہند کی نام نہاد نگرانی میں حکومت ہند کرتی رہی ہے بعض اختیارات اس ضمن میں کثرت استعمال اور رسم و رواج کی بنا پر حکومت ہند کو حاصل ہو گئے ہیں جو تحریری معاہدوں کی حدود سے باہر ہیں۔ کوئی والیٔ ریاست حکومت ہند کو نظر انداز کرکے کسی معاملے کو تاج یا ملک معظم کی حکومت کے پاس براہ راست نہیں پیش کر سکتا۔ اب تک والیان ریاست کا تعلق حکومت ہند سے رہا ہے اور انھوں نے اس کے احکام، فیصلوں اور مداخلت کو ہمیشہ تسلیم کیا ہے اور کبھی تاج کے ساتھ براہ راست تعلق نہیں رکھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے سے والیان ریاست کے ساتھ ہمیشہ حکومت ہند نے معاملات طے کیے ہیں۔ پھر کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیے کہ آئندہ بھی حکومت ہند ہی، اگر اسے قلمرو کی مرتبہ حاصل ہو جائے، ان کے ساتھ معاملہ نہ کر سکے۔ نہرو رپورٹ میں والیان ریاست کو یقین دلایا گیا ہے کہ ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔

سائمن کمیشن نے اپنی رپورٹ مئی سنہ ۱۹۳۰ء میں پارلیمنٹ کے سامنے پیش کی۔ رپورٹ کی پہلی جلد میں ہندستان کے نسلی، معاشرتی اور سیاسی حالات پر عام تبصرہ ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہندستان کے حالات انگلستان سے بالکل جداگانہ ہیں اس لیے یہاں برطانوی اداروں کی ہو بہو نقل نہیں ہو سکتی۔ رپورٹ کی دوسری جلد میں کمیشن کی سفارشات ہیں۔ دیسی ریاستوں کا مسئلہ کمیشن کے حدود استصواب سے باہر تھا اس لیے اس کی تحقیقات ایک علٰحدہ کمیٹی کے لیے چھوڑ دی

گئی اور سائمن کمیشن نے صرف برطانوی ہند کے متعلق اپنی سفارشات
پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیں۔ مرکزی حکومت کے متعلق کمیشن کی رائے
تھی کہ یہاں دوعملی قائم کرنا مفید نہیں بلکہ خطرناک ہوگا۔ جن امور کا تعلق
مرکزی حکومت سے ہے وہ زیادہ تر شہنشاہی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے
مرکزی نظم و نسق میں وحدت اور مرکزی عاملہ کا مقننہ سے آزاد رہنا
ازبس ضروری ہے۔ دوعملی سے اختیارات تقسیم ہو جائیں گے اور حکمت عملی
کی یکسانیت نہیں قائم رہ سکتی۔ جیسا کہ صوبجاتی حکومتوں کے گزشتہ تجربے
سے ثابت ہوتا ہے۔ بالخصوص گورنر جنرل کے لیے اس انتظام کی بدولت
بڑی دشواری پیش آئے گی۔ اگر اس میں اور اس کے شرکائے کار میں
اختلافات پیدا ہوئے تو مشترکہ ذمہ داری کو ضرر پہنچے گا۔ دوعملی کے طرز
حکومت میں اس کا قوی امکان رہے گا کہ وزرا عاملہ کے دوسرے شرکا
کی حکمت عملی کو ناپسند کریں لیکن اس کی اندرونی وحدت میں کوئی خلل
نہیں پڑنا چاہیے۔ ہندستان کے دستوری ارتقا کا بظاہر یہ اقتضا معلوم
ہوتا ہے کہ گورنر جنرل کے اختیارات بجائے کم ہونے کے زیادہ کرنا ہوں گے۔
بالخصوص ہز مجسٹی ملک معظم کے نمایندے کی حیثیت سے اس کو آیندہ بہت
سے ایسے فرائض انجام دینے ہوں گے جو آج کل بہ حیثیت گورنر جنرل
بہ اجلاس کونسل انجام دیے جاتے ہیں۔ مثلاً دیسی ریاستوں کے ساتھ آیندہ
جو حکومت ہند کے تعلقات کی نوعیت پیدا ہونے والی ہے وہ
یقیناً اس کی مقتضی ہوگی کہ گورنر جنرل بہ حیثیت وائسرائے محض
رسمی طور پر نہیں بلکہ واقعی اور عملی طور پر حکومت کے حاکم اعلیٰ
کی حیثیت سے حصہ لے۔

آیندہ دستوری تشکیل میں گورنر جنرل کی مجلس عاملہ مقننہ کے سامنے اس طرح سے ذمہ دار نہیں ہوسکتی جیسے برطانوی کابینہ دارالعوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ ضرور ہے کہ مقننہ کا اثر گورنر جنرل کی عاملہ پر برابر بڑھتا جائے گا۔ دراصل انگلستان اور ہندستان کے حالات اس قدر متبائن ہیں کہ برطانوی سیاسی روایات کو بجنسہ ہندستان میں رائج نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک کہ صوبوں میں خود اختیاری کے اصول کا تجربہ نہ ہوجائے، ان میں منفردی طرز کی حکومتیں نہ قائم ہوجائیں اور نظم ونسق کی ایک خاص شکل نہ نکل آئے اس وقت تک مرکزی حکومت میں کسی بنیادی تبدیلی کو معرض بحث میں نہیں لایا جاسکتا۔ ہندستان کے موجودہ حالات میں یہ ممکن نہیں کہ مقننہ کی اکثریت کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ عاملہ کو ہر معاملے میں اپنے فیصلے کا پابند بنالے سائمن رپورٹ میں اس کی سفارش کی گئی ہے کہ مرکزی مقننہ میں منتخب شدہ عنصر کی اکثریت اور اس کے موجودہ اختیارات برقرار رکھے جائیں لیکن بجائے بلا واسطہ انتخاب کے بالواسطہ طریق انتخاب رائج کیا جائے تاکہ مرکزی مقننہ صوبوں کی صحیح نمایندگی کرسکے۔

مرکزی حکومت کی سب سے بڑی ذمہ داری دفاع کی ہے۔ برطانوی عنصر کے بغیر حکومت ہند کی افواج میں یہ قابلیت نہیں ہے کہ وہ ہندستان کی باہر کے حملہ آوروں سے مدافعت کرسکیں۔ برطانوی افواج کو امپیریل گورنمنٹ اپنی ذمہ داری پر ہندستان بھیجتی ہے اس لیے انھیں ہندستانی مقننہ کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔ ان افواج کو فوراً ہندستانی افسروں کے تحت بھی نہیں کیا جاسکتا اس واسطے کہ ان میں ابھی مہارت کی

بہت کمی ہے۔ فوج کی افسری کے لیے تجربہ اور خاص روایات درکار ہیں جو رفتہ رفتہ ہی پیدا ہوسکتی ہیں۔ ہندستان کی افواج کا مقصد ہندستان کی مدافعت ہے۔ لیکن ایسی حالت بھی ممکن ہے جب کہ برطانوی شہنشاہی کے دوسرے حصّوں کو ہندستان کی مدد کرنا پڑے یا ہندستانی افواج برطانوی شہنشاہی کے کسی دوسرے حصے میں جغرافی قربت کے باعث بھیجی جاسکتی ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر ہندستان کی افواج کو تاج کے نمایندے (وائسرائے) کے براہ راست تحت ہونا چاہیے۔ ہندستانی مقننہ کی فوجی امور میں اس سے زیادہ مداخلت نہیں ہوسکتی کہ اس کی ایک کمیٹی فوجی معاملات کے متعلق واقفیت حاصل کرے اور ان پر بحث و مباحثہ کرے۔ لیکن فوجی امور کی تمام تر ذمہ داری گورنر جنرل پر عائد ہوگی۔

صوبجاتی حکومت کے متعلق سائمن کمیشن کی سفارش یہ ہے کہ دوعملی کی وجہ سے نظم و نسق میں جو دشواریاں پیدا ہوئیں ان کے تجربے کی بناپر اس کا خاتمہ کرنا بہتر ہوگا۔ صوبجاتی نظم و نسق میں امور محفوظہ اور امور مفوضہ کا کوئی فرق باقی نہیں رکھنا چاہیے اور منفردی طرز کی حکومت قائم کی جائے وزرا اور عاملہ کی مشترکہ ذمہ داری کے اصول کو رائج کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تمام محکمہ جات منتخب شدہ وزرا کے تحت ہوں گے اس ضمن میں اس مسئلے پر تفصیلی بحث کی گئی ہے کہ پولیس اور مالگزاری کے محکمے بھی منتخب شدہ وزرا کے سپرد کرنا مناسب ہوگا۔ بغیر ایسا کیے ہوئے وزرا کی ذمہ داری برائے نام ہوگی۔ نظم و نسق میں اگر سخت خرابی پیدا ہورہی ہو تو گورنر اپنے اختیارات خصوصی کو استعمال کرسکے گا۔ یہ اختیارات گورنر کو حاصل ہونے چاہئیں نہ کہ گورنر بہ اجلاس کونسل کو۔

گورنر کو وضع قانون اور مالیاتی اختیارات حاصل ہونا ضروری ہے۔ جو خاص حالات کے تحت بذریعۂ تصدیق استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

سائمن کمیشن نے حق رائے دہندگی کی توسیع اور جداگانہ نیابت کے اصول کو تسلیم کیا ہے اس واسطے کہ اقلیتیں اس پر مصر ہیں۔ جب تک اقلیتوں کو اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک اس اصول کو علیٰ حالہ رہنے دینا چاہیے اس کے ماسوا رپورٹ میں صوبوں اور مرکز کے تعلقات حکومت ہند اور ہوم گورنمنٹ کے تعلقات، سول سروس، مالیات ہند اور برما کی علیحدگی کے متعلق سفارشات پیش کی گئی ہیں۔

وائسرائے ہند لارڈ اردن نے ۲۹۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء کو مرکزی مقننہ میں اس کا اعلان کیا کہ ہندستانی اور برطانوی نمایندوں کی عنقریب ایک گول میز کانفرنس منعقد کی جائے گی جس میں باہمی مشورے سے ہندستان کے لیے دستور تجویز کیا جائے گا۔ لارڈ اردن نے اس موقع پر کہا کہ ملک معظم کی حکومت کی جانب سے مجھے اس کی اجازت دی گئی ہے کہ صاف طور پر واضح کروں کہ سنہ ۱۹۱۷ء والے اعلان میں یہ بات مضمر ہے کہ ہندستان کی دستوری ترقی کا فطری منتہا قلمرو کی مرتبے کی حکومت ہے۔ اس زمانے میں وزیر اعظم برطانیہ مسٹر رامزے میکڈانلڈ نے برطانوی دولت مشترکہ کے مزدوروں کی کانفرنس میں کہا کہ "مجھے یقین ہے کہ چند ماہ کے اندر نہ کہ چند سال کے اندر ہماری دولت مشترکہ میں ایک نئی قلمرو کا اضافہ ہونے والا ہے۔ یہ قلمرو ان لوگوں کی ہے جو نسلی اعتبار سے ہم سے جدا ہیں۔ یہ نئی دولت ہماری دولت مشترکہ میں مساویانہ حیثیت سے اپنی خودداری کو قائم رکھ سکے گی۔ میری مراد اس

نئی قلمرو سے ہندستان ہو۔" ان بیانات سے ہندستان کے اعتدال پسند مدبرین کو یقین ہوگیا کہ گول میز کانفرنس میں اس پر بحث کی جائے گی کہ ہندستان کو قلمرو کی مرتبے کی حکومت دینی چاہیے۔ لارڈ اروِن نے گاندھی جی سے بھی ملاقات کی اور انھیں گول میز کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔ لیکن انھوں نے کہا کہ کانگریس اس صورت میں کانفرنس میں شرکت کرے گی جب کہ قطعی طور پہ وعدہ کیا جائے کہ اس کانفرنس میں ہندستان کو قلمرو کی مرتبے کی حکومت دینے کے متعلق دستور تجویز کیا جائے گا۔ لیکن وائسرائے نے اس قسم کا کوئی وعدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس کے جواب میں لاہور کانگریس (سنہ ۱۹۲۹ء) میں ہندستان کا سیاسی نصب العین مکمل آزادی قرار دیا گیا اور سوراج پارٹی کے ارکان مرکزی اور صوبجاتی مقننہ کی رکنیت سے مستعفی ہوگئے۔ فروری سنہ ۱۹۳۰ء میں کانگریس کی مجلس عاملہ نے ملک میں سول نافرمانی کی ابتدا کرنے کی تجویز منظور کی تاکہ حکومت سے اپنے مطالبات تسلیم کرائے جائیں۔ ملک میں سول نافرمانی کی وجہ سے بد امنی پیدا ہوگئی اور دہشت انگیزی کے بھی مظاہرے ہونے لگے۔ گاندھی جی اور دوسرے سربرآوردہ کانگریسی زعما گرفتار کر لیے گئے۔ بعض مقامات پہ مارشل لا کا نفاذ عمل میں آیا اور حکومت نے حالات پہ پوری طرح قابو پالیا۔

گول میز کانفرنس: پہلی گول میز کانفرنس سنہ ۱۹۳۰ء میں منعقد ہوئی۔ اس وقت انگلستان میں لیبر پارٹی برسرِ اقتدار تھی جس سے اہلِ ہند کی بہت توقعات وابستہ تھیں۔ اس کانفرنس میں ہندستان کے اعتدال پسند لیڈر، مسلمانوں کے نمایندوں اور دیسی ریاستوں نے شرکت کی۔

والیانِ ریاست میں سے بعض نے متحدہ ہند کے نصب العین کو قابلِ قبول بتلایا بشرطیکہ ان کے اختیارات و مراعات کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ ہندستان میں ایک وفاقی حکومت قائم کرنے کی عام طور پر تائید کی گئی جس میں برطانوی صوبے اور دیسی ریاستیں شریک ہوں گی۔ اس کے متعلق تفصیلات آیندہ کے لیے اُٹھا رکھی گئیں۔ یہ بھی متفقہ طور پر تسلیم کرلیا گیا کہ دفاع اور امورِ خارجی کا تعلق گورنر جنرل سے رہے گا۔ تحفظات کے متعلق بہت بحث رہی۔ یہ تحفظات تین قسم کے تھے (۱) وہ جو وفاقی حکومت کے اندرونی استحکام اور بیرونی حفاظت کے لیے ضروری ہوں گے (۲) مالیاتی تحفظات کی ضرورت اس لیے لاحق ہوئی کہ حکومت ہند کے فوجی اخراجات کا اس وقت تک تیقن نہیں ہوسکتا جب تک کہ محصولات عائد کرنے اور زرِمروجہ کے متعلق حکومتِ ہند کو پورے اختیارات حاصل نہ ہوں اور قرضہ لینے کی سہولتیں نہ ہوں، جن کے لیے وزیرِ ہند حکومتِ ہند کی آمدنی کو بہ طور ضمانت نہ پیش کرسکے۔ وہ رقوم جو برطانوی تعلق کی وجہ سے حکومتِ ہند کے مالیے پر گزشتہ زمانے سے واجب الادا ہیں ان کی ادائی کے متعلق کوئی شبہہ نہیں پیدا ہونا چاہیے۔ ورنہ ہندستان کی ساکھ کو ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا۔ اس کے علاوہ برطانوی صنعت، انڈین سول سروس اور انڈین پولیس سروس کے حقوق کا پوری طرح تحفظ ضروری ہے۔ (۳) اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ گورنر جنرل اور گورنروں کے ذمّے ہوگا۔ اس ضمن میں گورنر جنرل اور گورنروں کو خاص اختیارات حاصل ہونے چاہییں تاکہ حکومت کی مشین میں کہیں رخنہ نہ پڑے اور ملک میں امن وامان قائم رہے۔

پہلی گول میز کانفرنس میں جو گفتگوئیں ہوئیں ان سے بعض عام اصول طے ہوئے لیکن یہ محسوس کیا گیا کہ جب تک ہندوستان کی سب سے اہم سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگریس ان عام اصول کو تسلیم نہ کرے اس وقت تک انھیں عملی جامہ پہنانے میں حکومتِ ہند کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ جب پہلی گول میز کانفرنس سے ہندستانی نمایندے واپس ہوئے تو وائسرائے نے گاندھی جی سے، جو جیل میں تھے، اس سلسلے میں گفت و شنید کا خیال ظاہر کیا۔ گاندھی جی کو رہا کر دیا گیا اور تقریباً دو ہفتے کی گفت و شنید کے بعد اِروِن گاندھی معاہدہ طے ہوا۔ جس کا متن حکومت ہند نے ۵۔ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء بغرض عام اطلاع شائع کیا۔ اس معاہدے میں طے ہوا کہ تحریکِ سول نافرمانی کو بند کر دیا جائے اور تمام سیاسی قیدی رہا کر دیے جائیں۔ پہلی گول میز کانفرنس میں جو مسائل طے ہوئے ہیں ان پر مزید غور کیا جائے گا تاکہ کانگریس کے نمایندے ان کے متعلق اپنی رائے دے سکیں۔ حکومت ان خصوصی احکام کو واپس لے گی جو سول نافرمانی کے سلسلے میں نافذ کیے گئے تھے اور تحریکِ سول نافرمانی کے تحت جو مقدمات دائر ہوں گے وہ اٹھا لیے جائیں گے بشرطیکہ ان کا تعلق ایسی خلاف ورزی سے نہ ہو جن میں تشدد برتا گیا ہو یا تشدد کی ترغیب دی گئی ہو۔ وہ املاکِ منقولہ جو سول نافرمانی کے سلسلے میں خصوصی احکام یا قانون فوجداری کے تحت ضبط کر لی گئی ہیں، واپس کر دی جائیں گی بشرطیکہ وہ اب تک حکومت کے قبضے میں ہوں۔ زمین یا دوسری املاکِ غیر منقولہ جن پر حکومت قابض ہو گئی ہو اور جنھیں مال گزاری کی غیر ادائی کی وجہ سے ضبط یا قرق کیا گیا ہو، واپس کر دی جائیں گی اِلّا اس صورت کے کہ

کلکٹر ضلع کو یقین ہو کہ وہ نادہندہ مال گزار اپنی واجب الادا رقوم کو معقول مدت کے اندر ادا کرنے سے انکار کرے گا۔ اگر کانگریس ان شرائط کو پورا نہیں کرے گی جو اس معاہدے کی رُو سے اس پر عائد ہوتی ہیں تو حکومت پبلک کی حفاظت اور قیام امن کے لیے ضروری کارروائی کرے گی۔

غرضکہ اس معاہدے کانگریس کے لیے دوسری گول میز کانفرنس کی شرکت کا راستہ صاف ہو گیا۔ گاندھی جی نے کانگریس کے واحد نمایندے کی حیثیت سے اس میں شرکت کی اور وہاں یہ دعویٰ پیش کیا کہ کانگریس تمام ملک کی نمایندہ جماعت ہے۔ اس دعوے کو اقلیتوں کے نمایندوں نے تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ گاندھی جی نے اپنی تقریروں میں مکمل آزادی اور قلمروی مرتبے کی حکومت کو ہم معنی الفاظ بتایا اور کہا کہ تحفظات کو کانگریس اس صورت میں قابل قبول سمجھے گی جب کہ وہ صریحاً ہندوستان کے مفاد کے لیے ہوں۔ مجوزہ تحفظات کی گاندھی جی نے مخالفت کی اس لیے کہ ان سے ہندوستانیوں پر عدم اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔ کانگریس کی طرف سے انھوں نے مرکز اور صوبوں میں مکمل ذمے دار حکومت کا مطالبہ پیش کیا۔ دوسری گول میز کانفرنس میں طریق انتخاب اور نشستوں کے تعین پر مسلمانوں اور پست اقوام کے نمایندوں نے کانگریس کے نقطۂ نظر سے اختلاف کیا۔ جب ہندوستانی نمایندے اس بارے میں کوئی سمجھوتا نہ کر سکے تو ان میں سے بعض نے وزیر اعظم سے تحریری درخواست کی کہ وہ مختلف مجالس مقننہ میں اقلیتوں کی تعداد کا تعین کر دیں۔ وہ جو کچھ اس باب میں تصفیہ کریں گے اُسے سب تسلیم کریں گے۔

مارکوئس آف لوتھین کی زیر صدارت مجلس تحقیقات حق رائے

راے دہندگی" (انڈین فرانچائس کمیٹی) اور رائٹ آنریبل ڈیوڈسن کی صدارت میں دیسی ریاستوں اور حکومت ہند کے مالی تعلق پر تحقیق کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر ہوئی۔ ان دونوں کمیٹیوں کی رپوٹیں شائع ہونے کے بعد وزیر اعظم نے اپنے فرقہ وارانہ تصفیے کا اعلان کر دیا جس میں جداگانہ فرقے واری نیابت کے اصول کو تسلیم کیا گیا اور پست اقوام کے لیے خاص طور پر علیحدہ نشستیں جداگانہ انتخاب کے اصول کے مطابق مقرر کی گئیں۔ اس تصفیے کے ساتھ وزیر اعظم نے اس امر کی صراحت کر دی تھی کہ اگر مختلف فریق آپس میں کوئی سمجھوتا کر لیں تو اس فیصلے میں ترمیم کی جا سکے گی۔

گاندھی جی کو اس بات پر سخت اعتراض ہوا کہ پست اقوام کو جداگانہ حق انتخاب دے کر ہندو جاتی سے اُنھیں علیحدہ کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔ اگر اس پر عمل کیا گیا تو ہندو ملت دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی جنھیں پھر آپس میں ملانا ناممکن ہو جائے گا۔ گاندھی جی نے تہیہ کیا کہ وہ فاقہ کر کے اپنی جان دے دیں گے اگر پست اقوام کے متعلق وزیر اعظم کا تصفیہ نہ بدلا گیا۔

پنڈت مدن موہن مالوی، مسٹر جیکر اور سر تیج بہادر سپرو اور دوسرے ہندو لیڈروں کے بیچ میں پڑنے سے پست اقوام کے لیڈر ڈاکٹر امبیدکر اور گاندھی جی کے درمیان ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء میں ایک سمجھوتا ہو گیا جسے میثاق پونا کہتے ہیں جس کی رُو سے پست اقوام کو ہندو ملت سے جدا نہیں کیا گیا بلکہ ان کی نشستیں محفوظ کر دی گئیں۔ اس معاہدے کے بموجب پست اقوام کی ہر نشست کے لیے پہلے پست اقوام والے اپنے میں سے چار اشخاص منتخب کریں گے۔ پھر ان میں سے ایک شخص ہندوؤں کے عام حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوگا جس کو ہندو اور پست اقوام والے دونوں ووٹ دیں گے۔

اس طرح ظاہر ہے صرف وہی شخص منتخب ہو سکے گا جو ہندوؤں میں بھی مقبول ہوگا۔ وزیر اعظم کے فرقہ واری تصفیے میں اس سمجھوتے سے جو تبدیلی ہوئی اسے پارلیمنٹ اور حکومت ہند نے مان لیا۔ اس سمجھوتے سے یہ ہوا کہ پست اقوام کے ارکان عام حلقۂ انتخاب کی ہر نشست کے لیے اپنے کو پیش کر سکتے ہیں۔ انھوں نے اس طرح اپنی نشستیں بھی محفوظ کرا لیں۔

تیسری گول میز کانفرنس کا اجلاس دسمبر ۱۹۳۲ء میں لندن میں منعقد ہوا۔ اس کانفرنس میں لیبر پارٹی اور انڈین نیشنل کانگریس کے ارکان شریک نہیں ہوئے۔ مارچ سنہ ۱۹۳۳ء میں تینوں گول میز کانفرنسوں کے مشوروں کے مطابق سرکاری طور پر "قرطاسِ ابیض" (وہائٹ پیپر) شائع ہوا اور پارلیمانی مجلس منتخبہ مقرر کی گئی تاکہ ہندستان کے دستوری مسئلے کی مکمل تنقیح کر کے اپنی سفارشات پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرے۔ پارلیمانی مجلس منتخبہ میں پارلیمنٹ کی سب پارٹیوں کے نمایندے شریک کیے گئے تھے لیکن قدامت پسند عنصر کو زیادہ تقویت حاصل تھی۔

پارلیمانی مجلسِ منتخبہ کی سفارشات ہی پر مسودۂ قانون حکومتِ ہند سنہ ۱۹۳۵ء مرتب ہوا اس لیے مناسب ہے کہ ان کا ذرا تفصیل کے ساتھ تجزیہ کیا جائے۔ مجلس کی رائے میں امور دفاعی کو کلیتہً گورنر جنرل کے تحت رکھنا چاہیے۔ گورنر جنرل اپنے صواب دید پر مرکزی مجلسِ مقننہ کی ایک ذیلی کمیٹی مقرر کرے گا جس سے دفاعی امور کے متعلق وقتاً فوقتاً مشورہ کرے گا۔ لیکن گورنر جنرل اس ذیلی کمیٹی کے مشوروں کا پابند نہیں

ہوگا۔ تیسری گول میز کانفرنس میں برطانوی ہند کے ارکان کی متفقہ یادداشت میں اس طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ محکمۂ دفاع مرکزی مقننہ کے منتخب شدہ غیر سرکاری رکن یا کسی ریاستی نمایندے کے تحت ہونا چاہیے۔ حکومتِ ہند کے محکمۂ مال کا جو اثر آج کل ہو وہ بدستور برقرار رہے اور فوجی میزانیہ پوری وزارت کے سامنے پیش کیا جائے جس میں گورنر جنرل کے مشیرِ خاص بھی شرکت کریں گے اور اختلاف رائے کی صورت میں گورنر جنرل کی رائے قطعی ہوگی۔ مجلسِ منتخبہ نے قرطاس ابیض[1] کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ گورنر جنرل کے ہدایت نامے میں یہ امر صراحتاً مذکور ہونا چاہیے کہ وہ فوجی میزانیہ کے متعلق، پیشتر اس کے کہ وہ مقننہ کے سامنے پیش ہو، وفاقی وزرا کی رائے طلب کرے۔ فوجی حسابات کو بجائے محکمۂ فینانس کے محکمۂ دفاع کے تحت رکھنا بہتر ہوگا۔ دفاعی افواج میں ہندستانی افسروں کی تعداد بڑھانے کے متعلق کوئی میعاد نہیں مقرر کی جاسکتی۔ دراصل افواج کو ہندیانے کا مسئلہ ہندستان کے دستوری مسئلے سے الگ رکھا جائے تو مناسب ہوگا۔ فوج کا معاملہ اس قدر نازک ہو اور اس کے انتظامات میں جلد بازی سے ایسے خطرناک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں جن کے باعث ملک کو مستقل نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اس لیے ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہییں جن سے ملکی امن خطرے میں نہ پڑے اور اہلِ ہند میں دفاعی صلاحیت بتدریج ترقی پائے۔

حکومت ہند کی مالیات کے متعلق بھی گورنر جنرل کو پارلیمنٹ کے سامنے براہِ راست جواب دہ ہونا چاہیے جدید دستور کی کامیابی کا تمام تر انحصار اس امر پہ ہوگا کہ ہندستان اپنی مالیاتی ساکھ دنیا میں قائم رکھ سکے میزانیہ

---

(1) White paper

کے متوازن رکھنے اور ضرورت کے وقت قرض لینے کا گورنر جنرل کو پورا
اختیار ہونا چاہیے۔ قرطاسِ ابیض کی یہ سفارش قرینِ مصلحت ہو کہ گورنر
جنرل مالیات کے متعلق اپنا ایک مشیر مقرر کرے جو اسے کام میں مدد دے گا۔
گورنر جنرل کسی ایسے ماہر شخص کو اس خدمت پر مقرر کرے گا جس کے
متعلق اس کے وزرا کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ وہ گورنر جنرل کا ذاتی مشیر
ہوگا، اگرچہ وزیرِ مالیات بھی اس کے مشوروں سے مستفید ہو سکے گا۔ فوجی
اخراجات چونکہ مرکزی حکومت کے میزانیے کی سب سے اہم مد ہوتی ہو
اس لیے دفاعی اور مالی محکموں کا تعلق بہت گہرا ہو، چنانچہ یہ دونوں محکمے
براہِ راست گورنر جنرل کے تحت ہونے چاہییں۔ امورِ خارجی کا بھی دفاع
سے گہرا تعلق ہو اس لیے اس کی ذمے داری بھی گورنر جنرل کے ذمے ہوگی۔
تجارتی معاہدوں کی صورت میں گورنر جنرل کو چاہیے کہ حکومتِ ہند کے
وزیرِ تجارت سے پورے طور پر مشورہ کرے۔ حکومتِ ہند کا طرزِ عمل اس
معاملے میں انگلستان کی حکومت کے مشابہ ہونا چاہیے۔ انگلستان کے تمام
تجارتی معاہدے وزیرِ خارجہ کے توسط سے طے ہوتے ہیں اگرچہ وہ ان کے
متعلق بورڈ آف ٹریڈ کے مشوروں پر عمل کرتا ہو۔

امورِ مذہبی کے محکمے کا تعلق بھی براہِ راست گورنر جنرل سے ہوگا۔
پارلیمانی مجلسِ منتخبہ کی رائے ہو کہ جو انگریزی افواج اور سول ملازمین ہندستان
میں ہیں ان کی روحانی زندگی کی نگہداشت کی ذمے داری پارلیمنٹ پر عائد
ہوتی ہو۔ پارلیمنٹ کے نمایندے کی حیثیت سے گورنر جنرل اس تاریخی ذمے داری
سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اس محکمے کے سالانہ اخراجات میں جو ۴۰
لاکھ کے لگ بھگ ہیں، کوئی اضافہ نہ کیا جائے بلکہ حتی المقدور اخراجات

میں تخفیف کی کوشش کرنی چاہیے۔ چونکہ اس محکمے کے ۹۰ فی صدی کلیسائی حکام انگریزی فوجوں کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں اس لیے مناسب ہوگا اگر اس محکمے کے اخراجات کا ایک بڑا حصہ دفاعی اخراجات کی مد کے تحت رکھا جائے۔

دیسی ریاستوں کے حقوق کی حفاظت گورنر جنرل کے خاص فرائض میں شامل ہو۔ دیسی ریاستوں کے ساتھ حکومتِ ہند کے تعلقات دو شقوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ ایک تو وہ تعلقات جو جدید دستور کے تحت پیدا ہوں گے اور ایک وہ جو نظامِ وفاق سے باہر تاریخی نوعیت کے ہوں گے۔ ثانی الذکر میں وہ ملک معظم کے نمایندے کی حیثیت سے دخل اندازی کر سکے گا۔ اور اول الذکر کے متعلق اس کی ذمہ داری قانون دستور کے تحت ہوگی۔

دیسی ریاستوں کی وفاق میں شرکت کے متعلق پارلیمانی مجلسِ منتخبہ نے بخوبی غور کیا اور بٹلر کمیٹی کی سفارشات نیز ان بیانات کو اپنے پیش نظر رکھا جو ریاستوں کے نمایندوں نے گول میز کانفرنسوں میں دیے تھے۔ پارلیمانی مجلسِ منتخبہ اس نتیجے پر پہنچی کہ بغیر دیسی ریاستوں کی شرکت کے وفاقی حکومت کی تشکیل مکمل نہیں ہونے پائے گی۔ سائمن کمیشن کی سفارش یہ تھی کہ ہندستان کی مرکزی حکومت میں دیسی ریاستوں اور برطانوی ہند کے نمایندوں کی ایک مشورتی جماعت ہونی چاہیے جو مشترک اغراض و مفاد کی نگرانی کر سکے۔ لیکن پہلی گول میز کانفرنس میں جو غیر متوقع طور پر والیانِ ریاست نے وفاق میں شرکت پر آمادگی کا اظہار کیا اس سے صورتِ حالات میں بڑی تبدیلی پیدا ہوگئی۔ وفاق میں دیسی ریاستوں کی شرکت

سے بڑی قباحت پیدا ہوگئی۔ اس لیے کہ ان کی اور برطانوی صوبوں کی حیثیت میں بڑا فرق ہے۔ دیسی ریاستوں کو بعض امور میں خاص حقوق حاصل ہیں جنھیں وہ قائم رکھنا چاہیں گی اس لیے ان کی شرکت کی یہ صورت ہوگی کہ والیانِ ملک علیحدہ علیحدہ دستاویزات شرکت کے ذریعے دفاق میں شامل ہوں۔ دیسی ریاستوں کے نمایندوں نے گول میز کانفرنسوں میں یہ بات واضح کردی ہے کہ وہ دفاق میں اس شرط پر شریک ہوں گے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ وفاقی اقتدار کی حیثیت دیسی ریاستوں میں وہی نوعیت نہیں رکھے گی جو برطانوی صوبوں میں۔ دیسی ریاستوں کو اندرونی نظم ونسق میں بعض حقوق حاصل ہیں جو صوبوں کو اب تک نہیں حاصل ہیں۔

پارلیمانی مجلسِ منتخبہ کی رائے میں مرکزی حکومت میں "دوعملی" (ڈیارکی) کے طریقے کو رائج کرنا قرین مصلحت نہیں ہے اس لیے کہ مرکزی امور کی نوعیت ایسی ہے کہ اگر ان میں کسی طرح کا تصادم واقع ہو تو سخت نقصانات کا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ان خطرات کا سدِّباب متذکرۂ بالا تحفظات اور گورنر جنرل کے مخصوص اختیارات سے کیا گیا ہے۔

پارلیمانی مجلس منتخبہ کی رائے میں مرکزی مقننہ کے ایوانِ زیرین کا انتخاب بالواسطہ ہونا چاہیے اس لیے کہ حلقہ ہائے انتخاب بعض اوقات ویلز کے رقبے سے دوچند ہوں گے اور ایسی حالت میں امیدواروں کے لیے ناممکن ہوگا کہ وہ انتخاب کنندوں سے براہ راست تعلق رکھ سکیں۔ ہندوستان میں اب تک رسل ورسائل کی وہ سہولتیں نہیں جو یورپ کے ملکوں میں پائی جاتی ہیں، اس لیے براہِ راست منتخب ہونے میں

اندیشہ ہو کہ رائے عامہ کی صحیح ترجمانی نہیں ہو سکے گی اور اس سے ملک کے دستوری نشو و نما کو ضرر پہنچے گا۔ ان حالات میں مناسب صورت یہ ہوگی کہ مرکزی ایوانِ زیرین کے ارکان کا انتخاب صوبجاتی ایوان ہائے زیریں میں ہونا چاہیے۔ چونکہ مرکزی ایوانِ بالا کے اختیارات اور مشورہ اظہارِ رائے دہندگی کی نوعیت بالکل دوسری ہو اس لیے اُس کے ارکان کو بلا واسطہ وسیع حلقہ ہائے انتخاب سے منتخب کرانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

پارلیمانی مجلسِ منتخبہ نے صوبجاتی حکومتوں میں دو عملی کو ختم کرنے اور ان کے اختیارات میں توسیع کرنے کی سفارش کی ہو۔ دستوری حیثیت سے صوبے کے انتظام کی ذمہ داری گورنر پر عائد ہوگی جو ہز مجسٹی ملک معظم کا نمایندہ ہو۔ گورنر کی مجلسِ عاملہ پورے صوبجاتی نظم و نسق کو انجام دے گی۔

چونکہ ہندستان کے سیاسی حالات انگلستان سے مختلف ہیں اس لیے انگلستان کی مثالوں سے ہندستان کے دستوری ارتقا میں مدد لی جا سکتی ہو لیکن ان کی پورے طور پر تقلید نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً انگلستان میں تاج وزرا کے مشورے پر دستوری روایات کے بموجب عمل کرتا ہو لیکن ہندستان میں صوبجاتی گورنروں کو خاص اختیارات دینا ضروری ہوگا تاکہ وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ گورنر معمولاً اپنے وزرا کے مشورے پر عمل کریگا اور کل صوبجاتی نظم و نسق وزرا کے ہاتھوں سے انجام پائے گا۔ صوبجاتی مالیات، پولیس اور مال گزاری کے محکمے وزرا کے تحت ہوں گے۔ امنِ عامہ کے قیام، سول سروس اور اقلیتوں کے حقوق کی نگہداشت اور گورنر جنرل کے احکام کی بجا آوری کی ذمے داری گورنر کو اس کے خصوصی اختیارات کے تحت حاصل ہونی چاہیے۔ گورنر کو چاہیے کہ اپنے وزرا اس سیاسی

جماعت میں سے چُنے جسے مقننہ میں اکثریت حاصل ہو۔ وزرا کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ مقننہ کے رکن ہوں اور اگر وزیر مقرر ہونے کے وقت انھیں رکنیت حاصل نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کے اندر انھیں مقننہ کا رکن منتخب ہوجانا چاہیے۔ ایسے معاملات جن کا تعلق گورنر کی خاص ذمہ داریوں سے ہو، ان کے متعلق محکمہ جات کے معتمدین براہ راست گورنر کو مطلع کرسکتے ہیں اور وزیر متعلقہ کی وساطت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ گورنر کے خصوصی اختیارات کا منشا نظم ونسق میں رکاوٹ ڈالنا نہیں ہو بلکہ ذمے دار حکومت کی بنیادوں کو صوبجاتی نظم ونسق میں مضبوط کرنا ہو۔

آٹھواں باب

قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۳۵ء

قرطاسِ ابیض (وہائٹ پیپر) کی تجاویز اور پارلیمانی مجلس منتخبہ کی سفارشوں کے بعد مسودۂ قانونِ ہند مرتب اور پارلیمنٹ میں پیش ہوا۔ مسودۂ قانون میں بعض اہم تبدیلیاں دارالعوام میں منظور ہوئیں۔ مثلاً مسودۂ قانون میں تھا کہ اگر دستور کے چلانے میں تعطل کی حالت پیدا ہوجائے تو برطانوی حکومت دستور کو معطل قرار دے گی۔ لیکن اس کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی تھی کہ یہ تعطل کی حالت کب تک رہے گی اور کیونکر اُسے دُور کیا جائے گا۔ دارالعوام کی بحثوں کے بعد یہ طے ہُوا کہ یہ تعطل کی حالت زیادہ سے زیادہ تین سال تک رہ سکتی ہے جبکہ برطانوی پارلیمنٹ کے لیے لازمی ہوگا کہ وہ کوئی جدید قانون وضع کرے یا اس قانون میں مناسب ترمیم کرے۔ اس تعطل کی حالت میں کوئی دیسی ریاست اس کی مجاز نہ ہوگی کہ وہ وفاق میں شریک ہونے کے بعد علیحدگی اختیار کرسکے۔ مسودۂ قانون کی دفعہ ۶ میں تھوڑی بہت تبدیلی کی گئی تاکہ والیانِ ریاست کو اطمینان حاصل ہو۔ دفعہ ۶ میں تھا کہ وفاق میں شرکت کے بعد والیانِ ریاست اور ان کی رعایا پر قانونِ حکومت ہند کی وہ دفعات عائد ہوں گی جن کی وہ اپنی "دستاویز شرکت"(۱) میں صراحت کرچکے ہوں گے کہ ان کے متعلق وہ وفاقی حکومت کے قوانین کی پابندی کریں گے

(1) Instrument of accession.

والیان ریاست چاہتے تھے کہ قانونِ حکومتِ ہند کا ان کی ریاستوں میں نفاذ پارلیمنٹ کی طرف سے نہ کیا جائے بلکہ دستاویزِ شرکت کے ذریعے سے ہو جو بمنزلۂ معاہدہ ہوگی۔ والیانِ ریاست کے نقطۂ نظر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دفعہ ۶ میں بعض لفظی تبدیلیاں کی گئیں تاکہ انھیں شکایت کا موقع نہ رہے۔ گورنر جنرل اور وزیرِ ہند کی اس ذمے داری کو زیادہ واضح کیا گیا جو ان پر پبلک سروسوں کے وظیفہ یابوں اور ان کے ورثا کے متعلق عائد ہوتی ہو۔ لبرل اور لیبر جماعت کے ارکان چاہتے تھے کہ مسودۂ قانون میں اس کا بصراحت ذکر ہونا چاہیے کہ حکومت ہند کی جدید تشکیل میں قلمروی مرتبے کی حکومت کا منتہا پیشِ نظر ہو۔ لیکن حکومت کے ارکان نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ سنہ ۱۹۱۹ء کے قانون حکومت ہند کی تمہید میں برطانوی حکومت نے جو بتدریج ذمے دار حکومت ہندستان میں قائم کرنے کا وعدہ کیا ہو وہ علیٰ حالہٖ باقی ہو اور چونکہ قلمروی مرتبے کی حکومت کوئی قانونی اصطلاح نہیں ہو اس لیے اس کا ذکر کرنا غیر ضروری ہو۔ دارالعوام میں منظور ہونے کے بعد دارالامرا میں حکومت کی مرضی سے چند معمولی تبدیلیوں کے بعد مسودۂ قانونِ ہند منظور ہوا اور ۲۔ اگست ۱۹۳۵ء کو قانونِ حکومتِ ہند کو شاہی توثیق حاصل ہوئی۔ اس قانون کے دو اہم حصے ہیں۔ ایک وہ جس میں وفاقی حکومت کے حدود و اختیارات کا تعین کیا گیا ہو اور دوسرا وہ جس میں صوبجاتی خود مختاری کی صراحت ہو۔

قانونِ حکومتِ ہند سنہ ۱۹۳۵ء میں اس کی صراحت کر دی گئی ہو کہ ہندستان میں تاج اور پارلیمنٹ کا اقتدار اعلیٰ مُسلّم ہوگا۔ دستورِ جدید کی کسی دفعہ سے یہ مطلب نہ ہوگا کہ برطانوی ہند یا اس کے کسی حصے پر

پارلیمنٹ کے اختیار وضع قوانین کے متعلق کوئی اثر پڑے یا وفاقی یا صوبجاتی مقننہ کو یہ اختیار حاصل ہو جائے کہ وہ کوئی ایسا قانون وضع کریں جس سے تاج، شاہی خاندان یا بادشاہ کی جانشینی کسی طرح بھی متاثر ہوتی ہو۔ قانون برطانوی قومیت، قانون بری و فضائی فوج، بحریہ کا قانونِ نظم و ضبط اور سمندری عدالتیں بھی دستور جدید کے اثر سے باہر رہیں گی۔

وفاقِ ہند قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۳۵ء میں جو کل ہندی وفاق کی تشکیل کی گئی ہو اس کی بدولت حکومتِ ہند کو بالکل نئی قانونی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ اب تک حکومت ہند ایک فردی[1] حکومت تھی۔ صوبجاتی حکومتوں کو جو اختیارات حاصل تھے وہ ماخوذ تھے نہ کہ اصلی۔ صوبوں کو امورِ مفوضہ کے متعلق جو اختیارات حاصل تھے وہ محدود نوعیت رکھتے تھے۔ اس نئے دستور کی رو سے صوبجاتی حکومتیں اپنے اختیارات بجائے مرکزی حکومت ہند کے تاج اور پارلیمنٹ سے حاصل کریں گی اور جس طرح ان کے اختیارات کی تحدید ہوگی اسی طرح مرکزی حکومتِ ہند کے اختیارات کی بھی تحدید کی جائے گی۔ قانونِ دستور کے تحت صوبوں کو وفاق میں شریک ہونا پڑے گا اور وہ دیسی ریاستیں جو چاہیں اپنی مرضی سے وفاق میں مشترک اغراض و مفاد کے لیے شرکت کریں۔ اس نئے دستور کے منظور ہونے سے کُل ہند وفاق قائم نہیں ہو جاتا بلکہ تاج کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہو کہ چند معینہ شرائط کے پورے ہو جانے پر وہ وفاق قائم ہونے کا اعلان کر دیں بشرطیکہ (۱) پارلیمنٹ کے ہر دو ایوان کی جانب سے ایسا کرنے کی درخواست ایڈریس کے ذریعے پیش کی جائے اور (۲) والیانِ ریاست کی اتنی تعداد وفاق میں

---

(1) Unitary

شرکت پر آمادگی ظاہر کرے جن کے تحت ہندستان کی کل دیسی ریاستوں کی آبادی کا نصف ہو۔ اور وفاقی ایوانِ بالا کی ریاستوں کی نصف نشستیں وہ پُر کرسکیں۔

وفاق کے تین اجزا ہوں گے۔ (۱) گورنروں والے صوبے، (۲) چیف کمشنروں والے علاقے اور (۳) دیسی ریاستیں۔

ان تینوں اجزا کے ساتھ وفاقی حکومت کے تعلق کی نوعیت مختلف ہوگی۔ گورنروں والے صوبوں کے لیے وفاقی حکومت کے اختیارات محدود ہوں گے لیکن چیف کمشنروں کے علاقوں کے لیے وفاقی حکومت کے اختیارات کی وسعت زیادہ ہوگی۔ صوبوں اور چیف کمشنریوں کے لیے وفاق میں شرکت لازمی ہوگی۔ وفاقی حکومت کو دیسی ریاستوں کے نظم ونسق میں بعض امور پر جو اختیار حاصل ہوگا اس سے وہ تعلقات مطلق متاثر نہ ہوں گے جو دیسی ریاستوں اور تاج کے درمیان زمانۂ سابق سے چلے آتے ہیں۔ اگر کوئی دیسی ریاست وفاق میں شریک نہیں ہوگی تو بھی اس کی وہ مراعات اور ذمہ داریاں غیر متاثر رہیں گی جو تاج اور کسی ریاست کے درمیان پہلے سے موجود ہیں۔ دیسی ریاستوں کو اختیار ہوگا کہ وفاق میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ ان کے ساتھ وفاق کے تعلق کی نوعیت اس سے بالکل مختلف ہوگی جو صوبوں کے ساتھ ہو اس لیے کہ ان کے اختیارات اصلی ہیں نہ کہ ماخوذ۔ وفاقی حکومت صرف ان امور سے متعلق ان کے معاملات میں دخل دے سکے گی جن کی صراحت دستاویز شرکت میں کردی گئی ہوگی۔ برطانوی صوبوں کی تعداد جو وفاق میں شریک ہوں گے گیارہ ہوگی۔ مدراس، بمبئی، یو-پی، پنجاب، بہار، سی-پی و برار، آسام اڑیسہ

سرحدی اوڑیسہ، اور سندھ۔ برار کا علاقہ اگرچہ حکومتِ سرکارِ عالی کے زیرِ اقتدار تسلیم کیا گیا ہے لیکن انتظامی اغراض کے لیے وہ سی۔پی کے ساتھ شامل رہے گا۔ چیف کمشنریاں یہ ہیں :- برطانوی بلوچستان، دہلی، اجمیر، مارواڑ، کرگ اور جزائرِ انڈمنز اور نکوبار۔ عدن کا انتظامی تعلق اب حکومتِ ہند سے باقی نہیں رہا بلکہ براہِ راست حکومت انگلستان سے ہوگا۔

وفاقی عاملہ گورنر جنرل ہندستان میں تاجِ برطانیہ کا نمایندہ ہوگا۔ وفاقی حکومت کا عاملانہ اقتدار اس کی ذات میں مرکوز ہوگا۔ اس کو وہ تمام اختیارات حاصل ہوں گے جن کی صراحت قانونِ دستور میں موجود ہے اور ان کے علاوہ اس کو وہ اختیارات بھی حاصل ہوں گے جو براہِ راست تاج سے اس کو تفویض کیے جائیں۔ بادشاہ کے دستخط سے اس کو ایک "ہدایت نامہ" دیا جائے گا جس میں ان اختیارات کی نوعیت، ان کے استعمال اور اس کی ذمے داریوں اور فرائض کے متعلق توضیح ہوگی۔ بہ حیثیت وائسرائے اس کو ان ریاستوں پر جو وفاق میں شریک نہیں ہوئی ہیں، اختیارات بالادستی حاصل ہوں گے۔ وفاق میں شرکت کرنے والی ریاستوں کے ان انتظامی امور میں جو دستاویز شرکت کے ذریعے وفاقی حکومت سے متعلق نہیں کیے گئے ہیں، وائسرائے قوتِ بالادست کے نمایندے کی حیثیت سے اس طرح مداخلت کر سکے گا جس طرح کہ وہ زمانۂ سابق سے کرتا رہا ہے۔ چونکہ اختیارات بالادستی کا تمام تر دارومدار ان روایات پر مبنی ہے جو دیسی ریاستوں اور حکومت ہند کے درمیان زمانۂ سابق میں پیدا ہوئیں اس لیے ان کی وضاحت قانونِ دستور کے حدود سے باہر رہے گی۔ گورنر جنرل بہ حیثیت وائسرائے مرکزی وفاقی حکومت، برطانوی صوبوں اور

دیسی ریاستوں کی حکومتوں کے درمیان ایک اتصالی کڑی کا کام دے گا۔ وفاقی عاملہ کے حاکمِ اعلیٰ کی حیثیت سے گورنر جنرل کے ماتحت مرکزی حکومت کے سول، فوجی، بحری اور فضائی محکمے ہوں گے۔ وہ اپنے فرائض اپنی مجلسِ عاملہ کے مشورے سے انجام دے گا۔ لیکن بعض خاص ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے وہ اپنی مجلسِ عاملہ کی رائے کے خلاف اپنے صواب دید پر عمل کر سکے گا۔ جب گورنر جنرل اپنے صواب دید پر عمل کرنے کی ضرورت محسوس کرے تو اس کے متعلق وہ وزیرِ ہند سے مشورہ کرے گا یا اگر وہ خیال کرے کہ وہ شاہی "ہدایت نامہ" کے مطابق عمل کر رہا ہو تو اسے وزیرِ ہند سے مشورہ کرنے کی حاجت نہ ہوگی۔ اس شاہی "ہدایت نامہ" میں گورنر جنرل کی خاص ذمے داریوں کے ابواب، جن کی بابت وہ تمام تر اپنے صواب دید پر عمل کرنے کا مجاز ہوگا، مندرجۂ ذیل ہیں :-

(۱) ہندستان کے کسی حصّے میں امنِ عامہ کا قیام۔

(۲) اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ

(۳) وفاقی حکومت کی مالیات کا استحکام اور ساکھ کا تحفظ

(۴) پبلک سروس (سول سروس، پولیس سروس وغیرہ) کے افراد اور ان کے ورثا کے حقوق جو قانونِ دستور کی رُو سے محفوظ کیے گئے ہیں اور اُن کے جائز مفاد کی نگرانی۔

(۵) ان کارروائیوں کا انسداد کرنا جن سے برطانوی مال کی درآمد کے خلاف امتیازات یا تعزیر مقصود ہو۔

(۶) دیسی ریاستوں کے حقوق اور والیانِ ریاست کے اعزاز

و مراتب کا تحفظ۔

(۷) جو محکمے قانونِ دستور کی رُو سے اس کے زیرِ نگرانی کیے گئے ہیں ان کے متعلق اپنی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا انتظام کرنا۔

وفاقی حکومت کے وہ محکمے جن کے متعلق گورنر جنرل اپنے صوابدید سے فیصلہ کرے گا اور جن کی تمام تر ذمے داری اس پر عائد ہوگی، مندرجۂ ذیل ہیں :۔

(۱) دفاع۔

(۲) امورِ خارجی (سوائے ان سیاسی تعلقات کے جو وفاقی حکومت اور ہز مجسٹی ملک معظم کی کسی قلمرو کے درمیان ہوں)۔

(۳) مالیات کا محکمہ۔

(۴) امورِ کلیسا (برطانوی سپاہ اور دوسرے انگریز حکام کی مذہبی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے)

(۵) قبائلی مسائل۔

متذکرۂ بالا امورِ محفوظہ کے متعلق گورنر جنرل بذات خود اپنے مشیر مقرر کرے گا جن کی تعداد تین سے زائد نہ ہوگی۔ ان مشیروں کے علاوہ گورنر جنرل اپنے وزرا سے بھی مشورہ کرے گا۔ اگر وزرا میں سے کسی نے مشیر کی خدمت حاصل کر لی ہو تو اس کو وزارت سے مستعفی ہونا پڑے گا۔ مشیر صرف گورنر جنرل کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ اگر ہندستانی افواج ہندستان کے تحفظ کے لیے ملک کے باہر بھیجنے کی ضرورت ہو تو گورنر جنرل کو چاہیے کہ وزرا سے اس کے متعلق مشورہ کرے۔ بالخصوص

فوجی تخمینہ جات کا فیصلہ کرنے اور مقننہ کی منظوری کے لیے انھیں پیش کرنے سے قبل وزیرِ مالیات سے مشورہ کرنا ضروری ہوگا۔ ہندستانی افواج اگر ملک کے باہر بھیجی جائیں گی تو وفاقی حکومت پر صرف وہ اخراجات عائد ہوں گے جس حد تک کہ ہندستانی مفاد سے اس کا تعلق ہوگا۔ اگر شہنشاہی مفاد کے تحفظ کے لیے ہندستانی افواج باہر بھیجی جائیں تو گورنر جنرل کو وفاقی وزارت کے مشورے کے بعد ایسا کرنا چاہیے۔ ایسی حالت میں افواج کے کل اخراجات کا بار برطانوی خزانے پر ہوگا۔ دفاع کے ساتھ اور دوسرے محکموں کا بہت گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ گورنر جنرل کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ وزیر رسل و رسائل اور ریلوے بورڈ سے افواج کی نقل و حرکت کے متعلق سہولتیں بہم پہنچائے۔ اپنی مخصوص ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے گورنر جنرل گورنروں کے ذریعے صوبجاتی حکومتوں کو وقتاً فوقتاً ہدایات بھیج سکتا ہے۔ وزیر ہند کو بھی وفاقی حکومت کی مالیات، نظم و نسق اور وضعِ قوانین کی نگرانی کا حق حاصل ہے۔

گورنر جنرل کو اختیار ہوگا کہ ان محکموں کے اخراجات جن کی ذمے داری قانون دستور نے اس پر عائد کی ہے، خود منظور کرے۔ اس باب میں وہ مقننہ کا دست نگر نہ ہوگا۔ ان محکموں کے نظم و نسق کے متعلق مقننہ میں بحث و تنقید ہو سکے گی۔ لیکن گورنر جنرل پر اس کی پابندی عائد نہیں ہوگی۔ گورنر جنرل اپنی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے خصوصی احکام جاری کرنے کا مجاز ہوگا۔ یہ خصوصی احکام مقننہ کا جلسہ منعقد ہونے کے چھ ہفتے بعد تک نافذ رہیں گے اور اگر اس مدت کے ختم ہونے سے قبل مقننہ کے دونوں ایوانوں نے مل کر ان کے خلاف قرارداد منظور کر لی تو ان خصوصی احکام کو منسوخ

کرنا ہوگا۔ گورنر جنرل کے خصوصی احکام جب تک نافذ رہیں گے اس وقت تک وہ وہی حکم رکھیں گے جو مقننہ کے منظور شدہ قوانین کو حاصل ہو۔

یہ خصوصی احکام نہ تو قوانین پارلیمنٹ اور نہ ہائی کورٹوں کے اختیارات کے منافی ہونے چاہییں۔ گورنر جنرل جب چاہے ان احکام کو واپس لے سکتا ہو اور تاج کو اختیار ہو کہ ان کے نفاذ کو روک دے۔ گورنر جنرل اپنی خاص ذمے داریوں کو پورا کرنے کے لیے بھی خصوصی احکام جاری کرسکتا ہو جو چھ ماہ تک نافذ رہیں گے اور اگر گورنر جنرل ضرورت سمجھے گا تو چھ ماہ کے لیے ان کی مزید توسیع عمل میں آئے گی۔ اگر چھ ماہ کے بعد پھر ان کی توسیع کی ضرورت ہو تو ان کی منظوری پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے حاصل کی جائے گی۔ گورنر جنرل کو خصوصی احکام جاری کرنے کا اختیار اس لیے دیا گیا ہو کہ اگر مقننہ کا اجلاس نہ ہو رہا ہو اور کوئی فوری ضرورت پیش آجائے تو وہ اپنے اختیارِ تمیزی سے صورتِ حال پر قابو پاسکے۔ گورنر جنرل کی خصوصی ذمہ داریوں کا دائرہ اس قدر وسیع ہو اور وفاقی حکومت کے ان محکموں سے ان کا اس قدر گہرا تعلق ہو جو محفوظ نہیں ہیں کہ وہ حسب صواب دید مقننہ کی رائے کو جب چاہے نظر انداز کرسکتا ہو۔ وہ اس کا بھی مجاز ہو کہ ایسے قواعد نافذ کرے جن کے تحت وزرا اور معتمدین پر لازم ہوگا کہ ان امور کے متعلق اُسے مطلع کریں جن کا تعلق اس کی خصوصی ذمے داریوں سے ہو۔ امورِ محفوظہ کے متعلق وہ وزرا یا مقننہ سے رائے لینے کا بھی پابند نہ ہوگا۔

گورنر جنرل اس کا بھی مجاز ہوگا کہ خاص حالات میں اپنی ذمے داری پر وضع قوانین کرے اور ان کی بابت مقننہ کو بذریعہ پیغام مطلع کرے یا وہ یہ کرسکتا ہو کہ مجوزہ قانون کا مسودہ مقننہ کے غور کے لیے بھیج دے اور اس کے

ایک ماہ بعد مقننہ کی قراردادوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے قانون وضع کرے اس قسم کا قانون پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی منظوری کے لیے پیش کرنا لازمی ہوگا۔ گورنر جنرل کے قوانین وہی حکم رکھیں گے جو وفاقی مقننہ کے منظور شدہ قوانین۔

دستور جدید کی مشین کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے گورنر جنرل کو بعض اختیارات تفویض کیے گئے ہیں۔ اگر اس کو اس امر کا یقین ہو کہ قانون دستور کے مطابق حکومت کا کاروبار نہیں چل سکتا تو وہ ایک اعلان شائع کرے گا جس میں اس کا اظہار کیا جائے گا کہ وفاقی حکومت کے تمام اختیارات جو مختلف محکموں سے متعلق تھے اب اس کی ذات میں مرکوز ہوگئے ہیں سوائے وفاقی عدالت کے اختیارات کے۔ اس اعلان کے بعد اگر وہ مناسب سمجھے تو دوسرے اعلان میں کچھ تغیر و تبدل کرسکتا ہے۔ اس اعلان کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں منظوری لینا ضروری ہوگا۔ چھ ماہ کے بعد اگر ضرورت ہو تو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی اجازت سے اعلان کی مزید ۱۲ ماہ کے لیے توسیع ہوسکے گی۔ اس طرح اعلانوں کے ذریعے گورنر جنرل تین سال تک حکومت ہند کو چلا سکتا ہے۔ لیکن اس مدت کے بعد پارلیمنٹ میں قانون ہند سنہ ۱۹۳۵ء میں ترمیم کی جائے گی تاکہ نئے انتظامات عمل میں آئیں۔ اس ترمیم سے دیسی ریاستیں جو وفاق میں شریک تھیں متاثر نہ ہوں گی۔ اعلان کے بعد گورنر جنرل جو قوانین بنائے گا وہ دو سال تک نافذ رہیں گے۔ گورنر جنرل کے قوانین پر بھی وہی تحدید عائد ہوتی ہے جو وفاقی مقننہ کے منظور کردہ قوانین پر۔ اگر گورنر جنرل

کے قوانین میں کسی ایسے امر کے متعلق ہدایت یا حکم ہو جو وفاقی مقننہ کے حدود اختیار سے باہر ہو تو وہ قوانین مؤثر نہیں ہوں گے اور انھیں وفاقی مقننہ منسوخ کر سکے گی۔ گورنر جنرل ریزرو بنک کے گورنر اور نائب گورنر کو مقرر کرے گا اور ان کی تنخواہوں اور الاؤنس کا تعین کرے گا۔

ریزرو بنک کے نظما کو نامزد کرنے یا انھیں برطرف کرنے کا اسے اختیار ہوگا۔ وفاقی مقننہ میں اگر کوئی مسودۂ قانون ریزرو بنک کی کارگزاری یا زرِ مروّجہ کے متعلق پیش ہوگا تو ایسا ہونے سے پیشتر گورنر جنرل کی مرضی لینا ضروری ہوگا۔ اس طرح گورنر جنرل ریزرو بنک کو سیاسی جماعتوں کے اثر سے محفوظ رکھ سکے گا۔

گورنر جنرل وفاقی مقننہ کے ارکان میں سے زیادہ سے زیادہ دس وزرا نامزد کرے گا۔ جن کے ذمے وفاقی حکومت کے مختلف محکمے تقسیم کیے جائیں گے۔ اگر کوئی وزیر متواتر چھ ماہ تک وفاقی مقننہ کی رکنیت نہ حاصل کر سکے تو اس مدت کے اختتام پر وہ وزیر نہیں رہ سکے گا۔ وزرا گورنر جنرل کو مشورہ اور امداد دیں گے۔ وہ اس وقت تک اپنے عہدوں پر فائز رہیں گے جب تک کہ گورنر جنرل کی مرضی ہوگی۔ گورنر جنرل کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے مجلسِ وزرا کی صدارت کرے۔ وہ ان امور کے متعلق جو وزرا کے تحت ہیں اُن کی رائے طلب کرے گا لیکن وہ اُن کی رائے کا پابند نہ ہوگا اگر اس کی دانست میں ایسا کرنے سے اُس کی خصوصی ذمے داریوں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ وزرا کی تنخواہ کا تعین وفاقی مقننہ میں ہوگا اور اگر مقننہ کوئی تعین نہ کرے تو گورنر جنرل اپنے صواب دید پر ان کی تنخواہیں مقرر کرے گا جو اس وقت

تک تبدیل نہ ہوں گی جب تک کہ وہ اس خاص عہدے پر مقرر ہیں۔ امور مفوضہ کے تحت جن کا نظم و نسق وزرا کے تحت ہوگا مندرجۂ ذیل حدود عائد کیے گئے ہیں:-

(الف) وزرا ان امور کے متعلق گورنر جنرل کو مشورہ دینے کے مجاز نہ ہوں گے جن کی نسبت گورنر جنرل کو قانون دستور کی رو سے اپنے صواب دید پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہو۔

(ب) بعض امور میں گورنر جنرل اپنے وزرا کا مشورہ تو لے گا لیکن اپنے صواب دید پر عمل کرے گا۔

(ج) گورنر جنرل اپنی خصوصی ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برا ہونے کے لیے کلیتہً اپنے اختیار تمیزی کے بموجب عمل کرے گا اور اُن کے متعلق اس کی راے قطعی ہوگی جس پر بحث و تنقید کی گنجایش نہ ہوگی۔

مجلس عاملہ اور وفاقی حکومت کے متعلق گورنر جنرل ذیلی قواعد و ضوابط بنائے گا اور اس بات کا بھی تعین کرے گا کہ وزیر یا معتمد کس قسم کے معاملات کو اس کے استصواب کے لیے پیش کیا کریں۔

دستور جدید میں گورنر جنرل اور وزرا کے اختیارات کا جو تعین کیا گیا ہو اس کے بموجب مرکزی وفاقی حکومت میں اس طرح کی دوعملی وجود میں آئے گی جیسی کہ قانون حکومتِ ہند سنہ ۱۹۱۹ء کی رو سے صوبجاتی نظم و نسق میں قائم ہوئی تھی۔ دستور جدید کے بموجب وزرا کو صرف یہ دستوری حق حاصل ہوگا کہ وہ وفاقی نظم و نسق کے ایک حصے کے متعلق گورنر جنرل کو مشورہ دے سکیں وفاقی حکومت کا دوسرا حصہ

براہ راست گورنر جنرل کے تحت ہوگا۔ گورنر جنرل ان امورِ محفوظہ کے متعلق اپنے مشیر خود مقرر کرے گا جو اس کے سامنے جواب دہ ہوں گے اور جو مجلسِ وزرا کے رکن نہیں ہوں گے، اگرچہ مشیر اور وزرا آپس میں تبادلۂ خیال اور مشورہ کر سکیں گے۔ گورنر جنرل کے مشیر بدستور اُس وقت بھی اپنی خدمات پر فائز رہیں گے، جبکہ وزرا اپنی خدمات سے مستعفی ہو جائیں گے۔ دفاعی امور میں وزرا سے مشورہ کیا جائے گا اور اگر ہندستانی افسروں کے تقرر کا معاملہ درپیش ہوگا تو وزرا کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا یا اگر ہندستانی افواج کو باہر بھیجنا ہو تو وزرا کی رائے لینا ضروری ہوگا۔ وفاقی حکومت کے میزانیے کی سب سے بڑی مدِ اخراجات (یعنی دفاع کی مد) وزرا کے اختیار سے کلیتہً باہر ہوگی۔ جس کے باعث ان کے اختیارات محدود اور غیر حقیقی ہو جائیں گے۔

وفاقی مقننہ وفاقی مقننہ تین اجزا پر مشتمل ہوگی (۱) تاج، جس کی نیابت گورنر جنرل کرے گا (۲) مجلسِ مملکت (کونسل آف اسٹیٹ) اور (۳) جمعیتِ وفاقی (فیڈرل اسمبلی یا ہاؤس آف اسمبلی)

گورنر جنرل اپنے صواب دید پر وقتاً فوقتاً مجلسِ مملکت اور جمعیتِ وفاقی کے جلسے منعقد کرنے کا اعلان کرے گا۔ وہ ان جلسوں کو طویل مدت کے لیے ملتوی اور برخاست کرنے کا مجاز ہوگا۔ اگر ضرورت ہوگی تو وہ ان دونوں ایوانوں کو اپنی طرف سے کسی مجوزہ قانون یا کسی خاص مسئلے کے متعلق پیغام کے ذریعے حکومت کے عندیے سے مطلع کر سکے گا، وزرا، گورنر جنرل کے مشیر اور وکیل سرکار ہی دونوں ایوانوں

میں تقریر کرسکیں گے۔ لیکن انھیں حق رائے دہندگی صرف اس ایوان میں حاصل ہوگا جس میں وہ نامزد ہوئے ہوں یا رکن ہوں۔ ہر ایوان اپنا صدر اور نائب صدر منتخب کرے گا۔ صدر یا نائب صدر اگر ایوان متعلقہ کی رکنیت سے محروم ہوجائے تو وہ صدر یا نائب صدر نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ خدمت سے مستعفی ہونا چاہے گا تو اپنے دستخط سے اس کی بابت گورنر جنرل کو پہلے اطلاع کرے گا۔ صدر اور نائب صدر صرف اس وقت برطرف کیے جا سکتے ہیں جبکہ کل تعداد ارکان کی اکثریت اُن کے خلاف رائے دے اور کم سے کم ۱۴ روز قبل اس کے متعلق ایوان متعلقہ میں تجویز پیش کی گئی ہو۔ اگر کل تعداد ارکان کی ⅙ سے کم تعداد موجود ہو تو صدر کو جلسہ ملتوی کرنا ہوگا۔ اگر کسی تجویز میں آرا برابر ہوں تو صدر کو آخری فیصلہ کن رائے دینے کا اختیار ہوگا۔

مجلسِ مملکت ۱۵۶ برطانوی ہند کے نمایندوں اور ۱۰۴ دیسی ریاستوں کے نمایندوں پر مشتمل ہوگی۔ مجلس مملکت ایک مستقل جماعت ہوگی جس کے ارکان کی ⅓ تعداد ہر تیسرے سال منتخب ہوا کرے گی سوائے چھ کے برطانوی ہند کے باقی سب ارکان براہِ راست حلقہ ہائے انتخاب سے منتخب ہوا کریں گے۔ ان چھ کو پست اقوام، مستورات اور اقلیتوں میں سے گورنر جنرل نامزد کرے گا۔ مسلمانوں، سکھوں، یورپینوں، اینگلو انڈین اور دیسی عیسائیوں کے انتخابات صوبجاتی ایوانوں میں سے بالواسطہ منتخب ہوں گے۔ ہر صوبے کی نشستیں مقرر ہوں گی جن میں مختلف فرقوں اور مفادوں کو مدنظر رکھا جائے گا دیسی ریاستوں کے نمایندے نامزد کردہ ہوں گے اور ہر ریاست کے نمایندوں کی تعداد

متعلقہ ریاست کے مرتبے اور اس کی اہمیت کے مطابق ہوگی مجلس مملکت کی رکنیت کے لیے ۳۰ سال کی عمر کی شرط ہوگی۔ حق رائے دہندگی ملکیت اور جائیداد کے لحاظ سے محدود ہوگا۔ صرف دولت مند زمیندار، کارخانے دار اور تاجروں کی نمائندگی ہو سکے گی۔

جمعیت وفاقی ۲۵۰ برطانوی ہند اور ۱۲۵ دیسی ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ صوبجاتی مقننہ فرقے واری جداگانہ اصول کے مطابق نمائندے منتخب کرکے جمعیتِ وفاقی کے لیے بھیجے گی۔ ہر فرقے کے لوگ جنھیں جدید دستور میں جداگانہ نیابت کا حق دیا گیا ہے جمعیت وفاقی کے لیے اپنے نمائندے علاحدہ منتخب کریں گے۔ دیسی ریاستوں کی آبادی کے تناسب سے ان کے نمائندوں کی تعداد جمعیتِ وفاقی کے لیے مقرر ہوگی۔ قانونِ حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء کے بعد سے جو بلا واسطہ طریق انتخاب رائج کیا گیا تھا اس کو مسدود کرکے جدید دستور نے بالواسطہ طریقے کو ترجیح دی ہے۔ یہ اس مصلحت سے کیا گیا کہ حلقہ ہائے انتخاب جدید دستور کے بموجب اس قدر وسیع ہو جائیں گے کہ کسی امیدوار کے لیے سب رائے دینے والوں سے براہ راست تعلق قائم کرنا ناممکن ہوگا لیکن عام طور پر دوسرے ملکوں کے دستوروں میں اس کے خلاف پایا جاتا ہے، یعنی ایوانِ زیریں کے نمائندوں کو عام باشندے براہ راست منتخب کرتے ہیں اور ایوانِ بالا کے انتخاب میں ایسا نہیں ہوتا۔ ایوانِ زیریں میں اگر بلا واسطہ نیابت ہو تو مرکزی حکومت کا عام شہریوں سے براہ راست تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ جمعیت وفاقی کی رکنیت کے لیے ۲۵ سال کی شرط لازمی ہے۔

مقننہ (مجلسِ مملکت اور جمعیت وفاقی) کے ارکان مندرجہ ذیل حالتوں میں عہد رکنیت سے خارج تصور کیے جائیں گے :-
(۱) اگر کوئی رکن مستعفی ہو جائے۔ (۲) اگر کوئی رکن ۶۰ روز تک متواتر بلا اجازت ایوان کے جلسوں سے غیر حاضر رہے (۳) اگر کوئی رکن ہندستان میں تاج کی کوئی خدمت قبول کر لے، سوائے اس کے کہ وہ وزیر مقرر کر دیا گیا ہو (۴) اگر کوئی عدالت اس امر کی توثیق کرے کہ اس رکن کی دماغی حالت خراب ہو (۵) اگر کوئی رکن دوالیہ ہو گیا ہو (۶) کسی قصور کی بنا پر اُسے عبور دریاے شور یا کم سے کم ۵ سال کی سزا کا حکم ہوا ہو۔

ارکانِ مقننہ کو بحث و تنقید کی پوری آزادی حاصل ہوگی لیکن اس آزادی کے حدود کا تعین گورنر جنرل کرے گا۔ ہر دو ایوان میں جو مجوزات پیش ہوں گے یا کسی خاص معاملے کے متعلق کسی رکن نے جو تقریر کی ہو یا راے دی ہو اس کے متعلق اس پر کسی عدالت میں مقدمہ نہیں دائر کیا جا سکے گا۔ کوئی تقریر جو ایوان میں کی گئی ہو اس کو اگر اخبار میں چھاپا جائے اور وہ ازالۂ حیثیتِ عرفی کے تحت آتی ہو یا قانونی اعتبار سے قابلِ اعتراض ہو تو اس پر مقدمہ دائر ہو سکے گا۔ ارکانِ مقننہ کے الاؤنس کا تعین مقننہ ہی میں ہوگا۔ وفاقی مقننہ کی تمام کارروائیاں انگریزی زبان میں ہوا کریں گی سواے اس صورت کے کہ کوئی شخص انگریزی سے پورے طور پر واقف نہ ہو تو اس کو دوسری زبان میں تقریر کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

ایوان اپنے جلسوں کے لیے قواعد بنا سکتا ہے۔ لیکن گورنر جنرل ایوان بالا کے صدر اور ایوانِ زیریں کے اسپیکر کے مشورے سے ایسے

قواعد وضوابط وضع کرے گا جو ان کارروائیوں پر حاوی ہوں گے جن کے متعلق اس کو خصوصی ذمے داری سپرد کی گئی ہو اور جن کا تمام تر انحصار اس کے صواب دید پر ہو۔ مندرجہ ذیل امور کے متعلق مقننہ میں بحث د تنقید نہ ہو سکے گی سوائے اس کے کہ گورنر جنرل سے ان کے متعلق اجازت لے لی گئی ہو:۔

(۱) وفاقی امور کے علاوہ جن کا اطلاق دیسی ریاستوں پر ہوگا، کسی دیسی ریاست یا والئی ریاست کے معاملات معرضِ بحث میں نہ آسکیں گے جب تک کہ گورنر جنرل اپنے اختیار تمیزی سے یہ فیصلہ نہ کرے کہ زیرِ بحث مسئلے کا تعلق وفاقی مفاد سے ہے اور اس پر بحث کی اجازت دے۔

(۲) تاج یا گورنر جنرل کے تعلقات کسی دوسری مملکت یا وہاں کے مقتدرِ اعلیٰ کے ساتھ۔

(۳) قبائلی معاملات۔

(۴) صوبجاتی امور میں گورنر جنرل اپنے صواب دید سے جو کارروائی کرے۔ مقننہ میں کوئی ایسا مسودۂ قانون پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی جو:۔

(۱) پارلیمنٹ کے کسی منظور کردہ قانون کو منسوخ کرتا ہو یا اس میں ترمیم کرتا ہو یا اس کے منافی ہو۔

(۲) گورنر جنرل یا گورنر کے نافذ کردہ قوانین یا خصوصی احکام کو مسترد کرتا ہو یا اس کے منافی ہو۔

(۳) ان معاملات پہ اثر انداز ہوتا ہو جن کے متعلق گورنر جنرل کو اپنے

صواب دید پر عمل کرنے کی ہدایت کی گئی ہو۔

(۴) پولیس کے متعلق کسی قانون پر اثر انداز ہوتا ہو یا منسوخ کرتا ہو۔

(۵) یورپین برطانوی رعایا کے متعلق ضابطۂ فوجداری میں جس طرح کارروائی کرنے کی ہدایت ہو اس کی ترمیم کرتا ہو یا اس پر اثر انداز ہوتا ہو۔

(۶) ان اشخاص پر جو ہندستان میں سکونت پذیر نہیں ہیں بہ نسبت ان اشخاص کے جو ہندستان میں رہتے ہیں یا ان کمپنیوں پر جن کی نگرانی یا انصرام کلیتہً بیرونِ ہند سے ہوتا ہو، زیادہ شرح محصولات عائد کرے۔

(۷) وفاقی محصولات کے ذریعے ان مستثنیٰ اشخاص کی آمدنی پر اثر انداز ہو جن کی آمدنی پر انگلستان میں محصول عائد کیا جاتا ہو۔

(۸) تاج یا شاہی خاندان کو معرضِ بحث میں لاتا ہو۔

(۹) وفاقی ججوں کی کارروائیوں یا ان کی تنخواہ وغیرہ کو معرضِ بحث میں لاتا ہو۔

اگر گورنر جنرل خیال کرے کہ کسی خاص مسودۂ قانون کے پیش ہونے اور اس پر بحث کرنے سے اس کی کوئی خصوصی ذمے داری متاثر ہوتی ہو تو وہ اپنے اختیارِ تمیزی سے اس کو پیش ہونے سے روک سکتا ہے۔ دونوں ایوانوں کے مقررہ ضابطے پر عمل نہ کرنے کی صورت میں متعلقہ عہدہ داروں کے خلاف عدالتوں میں چارہ جوئی ممکن نہ ہوگی۔ قانون بننے کے لیے ہر مسودہ کا دونوں ایوانوں میں معمولاً منظور ہونا لازمی ہے سوائے ان تجاویز کے جن کا تعلق مالیات سے ہے۔ ہر تجویز کی تحریک

دونوں ایوانوں میں ہو سکتی ہے۔ اگر کسی مسودۂ قانون کو جمعیتِ وفاقی (فیڈرل اسمبلی) نے منظور کر لیا ہو اور وہ مجلسِ مملکت (کونسل آف اسٹیٹ) کے غور کے لیے پیش کیا گیا ہو اور اگر اس دوران میں جمعیتِ وفاقی برخاست ہو جائے تو وہ مسودۂ قانون خارج از میعاد تصور کیا جائے گا۔ اگر کوئی مسودۂ قانون ایک ایوان میں منظور ہو گیا ہو اور دوسرے ایوان میں مسترد کر دیا جائے یا دونوں ایوانوں میں اس کی ترمیمات کے متعلق اختلاف ہو تو گورنر جنرل دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس منعقد کرائے گا اور کثرت رائے سے فیصلہ کیا جائے گا۔ بالعموم اس قسم کی کارروائی وزرا کے مشورے کے بعد کی جائے گی لیکن اگر وہ ترمیماتِ مالیات یا ایسے امور سے متعلق ہوں جن میں اس کی خصوصی ذمے داری متاثر ہوتی ہو تو گورنر جنرل اپنے صوابدید پر دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس منعقد کرا سکے گا۔ بالعموم مشترکہ اجلاس چھ ماہ گزرنے کے بعد آیندہ میقات میں منعقد ہوگا۔ لیکن اگر گورنر جنرل اپنے اختیارِ تمیزی سے اس میقات میں دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس منعقد کرانا چاہے تو اس کے ایسا کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہوگا۔ دونوں کے مشترکہ اجلاس کے متعلق گورنر جنرل مجلسِ مملکت (کونسل آف اسٹیٹ) کے صدر اور جمعیتِ وفاقی (فیڈرل اسمبلی) کے اسپیکر سے مشورہ کرنے کے بعد قواعد و ضوابط بنائے گا جن کے مطابق ان مشترکہ جلسوں کی کارروائی عمل میں آسکے گی۔ دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں مجلسِ مملکت کا صدر صدارت کے فرائض انجام دے گا اور اس کی غیر موجودگی میں وہ شخص صدارت کرے گا جسے مشترکہ اجلاس کے قواعد و ضوابط کی رو سے صدارت کے فرائض انجام دینے چاہییں۔

ہر مسودۂ قانون جو مقننہ میں منظور ہوگا گورنر جنرل کی منظوری کے لیے پیش کیا جائے گا۔ گورنر جنرل چاہے تو دوبارہ اس پر غور کرنے کے لیے اس مسودۂ قانون کو کلیتہً یا جزواً مقننہ کو واپس بھیج دے یا اپنی طرف سے اس کے متعلق کوئی ترمیم پیش کرے تو مقننہ پر لازم ہوگا کہ اس کے متعلق غور کرے۔ اگر کوئی قانون نافذ ہوگیا ہو تو اس کے نفاذ کے ۱۲ ماہ کے اندر اس کو گورنر جنرل خاص مصالح کے تحت نامنظور کرسکتا ہے اور اس کے نفاذ کو روک سکتا ہے۔ لیکن وہ افعال ناجائز نہیں تصور کیے جائیں گے جو اس قانون کے حالت نفاذ کے دوران میں اس کے مطابق ہوئے ہوں۔ اس قسم کی منظوری کا آڈر اِن کونسل کے ذریعے اعلان کیا جائے گا۔

دونوں ایوانوں کے ارکان کو ملکی مسایل کے متعلق سوالات اور ضمنی سوالات کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اس کے مجاز ہوں گے کہ حکومت کی حکمت عملی پر بحث و تنقید کریں۔ ان کی نکتہ چینی قانونی گرفت سے باہر تصور کی جائے گی۔ ارکان اس کے مجاز ہوں گے کہ کسی اہم مسئلے کے متعلق عامہ کی توجہ مبذول کرانے کی غرض سے مقننہ کے اجلاس کو ملتوی کرنے کی تجویز پیش کریں

سالانہ وفاقی حکومت کا میزانیہ گورنر جنرل کی جانب سے پہلے جمعیت مقننہ میں اور پھر مجلس مملکت کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ تمام مالی مطالبات گورنر جنرل کی سفارش کے بعد مقننہ کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ میزانیہ کی بعض مدات " وفاقی مصارف " پر مشتمل ہوں گی۔ جن کی نسبت جمعیت وفاقی میں بحث ہوسکے گی۔ لیکن ان کی منظوری کی ضرورت نہ ہوگی۔ وہ مدات یہ ہیں :-

(۱) گورنر جنرل کی تنخواہ اور بھتہ اور اُس کے عہدے سے متعلق دُوسرے

اخراجات۔

(۲) مطالباتِ قرض جن کی ذمے داری وفاق پر عائد ہوتی ہو۔ ان میں سود اور ذخیرۂ ادائی اور دوسرے مطالبات بابت وائی قرض شامل ہوں گے۔

(۳) وزرا، ارکان کونسل، مشیر مال، وکیل سرکار، چیف کمشنر اور گورنر جنرل اور مشیر مال کے عملے کی تنخواہیں اور بھتّے۔

(۴) وفاقی عدالت کے ججوں کی تنخواہ، بھتّے اور پنشن اور ہائی کورٹوں کے ججوں کی پنشنیں۔

(۵) محکمۂ فوج، امورِ خارجی، کلیسا اور قبائلی معاملات کے متعلق تمام مصارف۔ کلیسا کے اخراجات پنشنوں کو چھوڑ کر ۴۲ لاکھ سالانہ سے زیادہ نہیں ہونے چاہییں۔

(۶) دیسی ریاستوں کے ساتھ تاج کے تعلقات برقرار رکھنے کے لیے جو مصارف درکار ہوں۔

(۷) اور کوئی مصارف جو قانونِ حکومت ہند سنہ ۱۹۳۵ء یا وفاق کے کسی منظور شدہ قانون کی رو سے وفاقی آمدنی پر عائد ہو سکتے ہیں۔

میزانیہ کا بیشتر حصہ جو تقریباً مصارف کے ۸۰ فی صدی اجزا پر مشتمل ہوگا، مقننہ کی منظوری کا محتاج نہ ہوگا۔ باقی ماندہ مطالبات برائے منظوری ۲۰ فی صدی رہ جاتے ہیں جن پر مقننہ کا اختیار محدود ہوگا۔ گورنر جنرل مجاز ہوگا کہ مقننہ کی کسی منظور شدہ مد کو مسترد کر دے اس لیے کہ ایسا کرنا اس کی خصوصی ذمّے داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہو۔ اگر

کسی مد کو جمعیت وفاقی نامنظور کردے تو وہ مجلس مملکت کی منظوری کے لیے نہیں پیش کی جائے گی سوائے اس کے کہ گورنر جنرل ایسا کرنے کا حکم دے۔ میزانیہ کے اس حصّے کی مدات کے لیے جن کی منظوری مقننہ کے اختیار میں ہو اگر دونوں ایوانوں میں اختلاف رونما ہو تو گورنر جنرل مشترک اجلاس منعقد کرائے گا جس میں موجودہ ارکان کی کثرت رائے سے فیصلہ ہوگا اور وہ دونوں ایوانوں کا فیصلہ متصور ہوگا۔ اگر نظم ونسق کے کسی شعبے کے لیے مزید اخراجات درکار ہوں گے تو گورنر جنرل کی جانب سے مقننہ میں ایک ضمنی بیان پیش کیا جائے گا جس پر بحث و تنقید کی اجازت نہ ہوگی۔

مقننہ کو کسی مسودۂ قانون کے ذریعے محصول عائد کرنے یا اس میں اضافہ کرنے، قرض لینے یا اس کی ضمانت دینے کا جس سے وفاق کی مالی ذمّے داری متاثر ہوتی ہو یا وفاقی آمدنی میں سے مصارف تجویز کرنے کا اختیار نہ ہوگا بلکہ ان کا انحصار تمام تر گورنر جنرل کی سفارش پر ہوگا۔ بغیر اس کی سفارش کے کوئی ایسی تجویز جس کا مالیات سے تعلق ہو، مقننہ میں منظور نہ ہوسکے گی۔ ایسی مالیاتی تجاویز جو صوبجاتی حکومتوں پر اثرانداز ہوتی ہوں، مقننہ میں بغیر گورنر جنرل کی منظوری کے پیش نہیں ہوسکیں گی، اس لیے کہ ان کے متعلق گورنر جنرل کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ گورنر متعلقہ کو خاص ہدایات دے۔ قانون دستور کی دفعہ ۱۱۱ میں مقننہ کو منع کیا گیا ہے کہ وہ برطانیہ میں سکونت پذیر برطانوی رعایا کے ہندستان میں داخلہ، سکونت یا ان کے واسطے جائداد کی خرید و فروخت یا ان کی سرکاری ملازمت، تجارت، کاروبار یا پیشہ اختیار کرنے پر کوئی قیود عائد کرے

یا اُنھیں ان کے حقوق و مراعات سے محروم کر سکے۔ ان برطانوی کمپنیوں کے خلاف جن کا قیام برطانیہ کے قوانین کے تحت ہوا ہو، مقننہ کوئی امتیازی محصول نہیں عائد کر سکے گی۔ اگر وفاقی حکومت ہندستانی کمپنیوں کو امداد یا اعانت دے گی تو برطانوی کمپنیاں جن کی رجسٹری برطانیہ میں ہوئی ہوگی اس کی حق دار قرار پائیں گی۔ جن جہازوں کی رجسٹری برطانیہ میں ہوئی ہوگی ان کے لیے وفاقی یا صوبجاتی حکومت ان جہازوں کے مقابلے میں جن کی رجسٹری برطانوی ہند میں ہوئی ہو، کوئی ایسا امتیازی طرزِ عمل نہیں اختیار کرے گی جس سے وہ جہاز یا ان کے مالک، افسر، جہازراں، مسافر یا مالِ تجارت متاثر ہوتے ہوں۔ لیکن اگر برطانیہ میں ان جہازوں کے خلاف امتیازی برتاؤ روا رکھا جائے جن کی برطانوی ہند میں رجسٹری ہوئی ہو تو ایسی صورت میں برطانوی جہازوں کے خلاف اس قسم کا برتاؤ حکومتِ ہند کرنے کی مجاز ہوگی۔

وفاقی مقننہ مندرجۂ ذیل امور کے متعلق وضعِ قوانین کی مجاز ہوگی:۔
بحری، بری اور فضائی افواج، مرکزی دفترِ خفیہ، فوجی ضروریات کے لیے تعمیرات، چھاؤنیوں کی بلدیات، امورِ خارجی، امورِ مذہبی، زرِ مروجہ اور سکّے، مبادلہ، وفاقی قرضِ عامہ، ٹپہ، تار اور پوسٹ آفس سیونگ بنک، فیڈرل پبلک سروس اور فیڈرل پبلک سروس کمیشن، وفاقی پنشنیں، وفاقی تعمیرات، امپیریل لائبریری کلکتہ، امپیریل میوزیم کلکتہ، امپیریل وار میوزیم، وفاقی تحقیقاتی انسٹیٹیوٹ، بنارس ہندو یونیورسٹی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، پیمایشِ طبقات الارض، حیوانات اور نباتات کی سروے، وفاقی موسموں اور فطری حوادث کی جانچ کا محکمہ، آثارِ قدیمہ، مردم شماری، بندرگاہوں کا قرنطینہ،

بحری اسپتال ، درآمد و برآمد کی چنگی ، وفاقی ریلوے ، بعض بڑے بندرگاہ علاقہ جاتی حدود کے باہر ماہی گیری ، فضائی بیڑہ ، ہوائی جہازوں کے اڈوں کی تعمیر اور ان کا انتظام ، کاپی رائٹ ، ایجادات اور تجارتی نشانات کی رجسٹری ، پرامسری نوٹ ، چیک اور بل آف ایکسچینج ، آتشی اسلحہ جات ، افیون کی کاشت یا برآمد ، پٹرولیم اور دوسری آتش گیر اشیا کی تجارت ، بیمہ کمپنیاں ، بنک اور تجارتی ٹریڈ کا لین دین کرتے ہیں ، وہ ملکی صنعتیں جن کے متعلق وفاقی قانون میں تخصیص کردی گئی ہو ، مزدور پیشوں کے متعلق قواعد و ضوابط بنانا ، کانیں اور تیل کے چشمے ، وفاقی مقننہ کے انتخابات ، وفاقی وزرا ، مجلس مملکت کے صدر اور نائب صدر اور جمعیت وفاقی کے اسپیکر اور نائب اسپیکر اور ارکان مقننہ کے الاؤنس اور ان کے مراعات ، مردم شماری ، محصول تمباکو ، نمک بنانا اور اس کا نرخ مقرر کرنا ، توطن ، اوزان اور پیمانے رانچی کا یورپین پاگل خانہ ، سوائے وفاقی عدالت کے دوسری عدالتوں کے حدود سماعت کا تعین ، محصول آمدنی اور کمپنیوں کے سرمایہ پر محصول ۔

وفاقی عدالت

وفاقی عدالت ایک میر مجلس اور چھ ججوں پر مشتمل ہوگی جن کا تقرر ہز مجسٹی ملک معظم کے شاہی دستخط سے ہوگا۔ میر مجلس اور جج ۶۵ سال کی عمر تک اپنے عہدوں پر فائز رہ سکیں گے۔ اگر گورنر جنرل کے توسط سے جمعیت وفاقی درخواست کرے کہ ججوں کی تعداد میں اضافہ کردیا جائے تو ہز مجسٹی ملک معظم ان کی تعداد میں اضافہ کردیں گے۔ وفاقی جج ہونے کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ کم سے کم پانچ سال تک برطانوی ہند یا ایسی دیسی ریاست کے ہائی کورٹ میں جو وفاق میں شریک ہو ، جج رہ چکے ہوں یا کم سے کم دس سال تک وکالت یا بیرسٹری کرچکے

ہوں۔ ظاہر ہے کہ ان شرائط کے تحت سول سروس کے ارکان کے لیے
وفاقی عدالت میں بحیثیت جج مقرر ہونے کا معمولاً موقع نہ ہوگا۔ میر مجلس
کے لیے یہ شرط لازمی ہوگی کہ وہ کم سے کم پندرہ سال تک وکالت
یا بیرسٹری کر چکا ہو۔ ہز میجسٹی ملک معظم اپنے اختیار تمیزی سے کسی جج کو
اس کے عہدے سے برطرف کر سکیں گے اگر اس جج کی صحت خراب ہو
یا اس کی دماغی حالت میں خلل پڑ گیا ہو بشرطیکہ پریوی کونسل ہز میجسٹی ملک
معظم کو ایسا کرنے کی سفارش کرے۔ مقننہ کے دونوں ایوانوں کے ایڈریس
پر گورنر جنرل کو ججوں کے تعطل یا برطرف کرنے کا اختیار ہوگا۔ مقننہ میں
وفاقی ججوں کے طرز عمل کو معرض بحث میں لانے کی اجازت نہ ہوگی۔
دستور کے تعطل کی حالت میں گورنر جنرل حکومت وفاق کے تمام اختیارات
اپنی ذات میں مرکوز کرے گا سوائے ان اختیارات کے جو وفاقی عدالت
کے لیے مختص ہیں۔ وفاقی عدالت کے ججوں کی تنخواہیں، بھتے، رخصت اور
پنشن کے قواعد کا تعین تاج بہ اجلاس کونسل کی جانب سے ہوگا۔ وفاقی
عدالت کا اجلاس دہلی میں یا کسی اور مقام پر جس کا تعین میر مجلس گورنر جنرل
کے مشورے کے بعد کرے گا، منعقد ہوگا۔ وفاقی عدالت کے حدود سماعت
تین نوعیت کے ہوں گے (۱) ابتدائی Original . (۲) مرافعہ اور
(۳) مشورتی Advisory

ابتدائی جانب وفاقی عدالت کے حدود سماعت ان مقدمات پر حاوی
ہوں گے جو حکومت وفاق، صوبوں اور ان دیسی ریاستوں کے درمیان
جو وفاق میں شریک ہیں، اپنے حقوق کے تعین کے متعلق پیدا ہوں۔ اگر
کسی دیسی ریاست کے متعلق وفاقی عدالت کو فیصلہ کرنا ہو تو قانون حکومت ہند

سنہ ۱۹۳۵ء یا آرڈران کونسل یا وفاقی حکومت کی عاملہ یا مقننہ کے حدود اختیارات معین کرتا ہوں گے جو دستاویز شرکت کی بدولت کسی ریاست کے متعلق حاصل ہوں گے۔ کسی وفاقی قانون کے کسی دیسی ریاست میں نافذ کرنے کے متعلق یا کسی ایسے امر کے متعلق وفاقی عدالت توجیہہ پیش کرنے کی مجاز ہوگی جس کی نسبت وفاقی مقننہ اس دیسی ریاست کے لیے وضع قانون کا اختیار رکھتی ہو۔ وفاقی عدالت کسی ایسے مسئلے پر فیصلہ صادر کرنے کی مجاز ہوگی جو حکومتِ ہند اور کسی دیسی ریاست کے درمیان کسی ایسے معاہدے سے پیدا ہوا ہو جو وفاق کے قیام کے بعد عمل میں آیا ہو، چاہے یہ مسئلہ دیسی ریاست اور حکومتِ وفاق کے درمیان ہو۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس معاہدے میں اس کی صراحت موجود ہونی چاہیے کہ وفاقی عدالت کے حدودِ سماعت اس مسئلے کے متعلق حاوی ہوں گے لیکن اگر معاہدے میں اس کی صراحت موجود ہو کہ فلاں مسائل وفاقی عدالت کے حدودِ سماعت سے باہر رہیں تو وہ وفاقی عدالت کے سامنے پیش نہ ہوں گے۔

وفاقی عدالت میں برطانوی ہند کے ہائی کورٹوں سے مرافعے کیے جائیں گے۔ ہائی کورٹ کی ڈگری یا فیصلے کا مرافعہ اس وقت ممکن ہوگا جبکہ متعلقہ ہائی کورٹ اس امر کی توثیق کرے کہ مقدمۂ زیرِ بحث قانون حکومتِ ہند سنہ ۱۹۳۵ء یا آرڈر ان کونسل کی تاویل سے متعلق ہو۔ اس قسم کے مقدمات کا مرافعہ پریوی کونسل میں نہ ہوگا۔ لیکن مقدمہ اس نوعیت کا ہونا ضروری ہو جس سے مفادِ عامہ وابستہ ہو یا ذاتی معاملے کی حیثیت سے اس میں ایسے پہلو نکلتے ہوں جو مفادِ عامہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے سول مقدمات بھی وفاقی عدالت میں پیش ہوسکیں گے جو وفاقی مقننہ

کے کسی منظور کردہ قانون کے بموجب وفاقی عدالت کے حدود سماعت میں آجائیں۔ وفاقی مقننہ اپنے قانون کے ذریعے یہ قاعدہ مقرر کرسکتی ہے کہ آیندہ سے سول مقدمات کا مرافعہ بجائے پریوی کونسل کے وفاقی عدالت میں ہوا کرے۔ اگر ایسی تجویز وفاقی مقننہ میں پیش کی جائے گی تو اس کے پیشتر گورنر جنرل سے اس کی نسبت منظوری لینا لازمی ہوگا۔ اس کا انحصار گورنر جنرل پر ہوگا کہ وہ منظوری دے یا نہ دے۔ اس بارے میں اس کے طرز عمل کو مقننہ میں معرضِ بحث میں نہ لایا جاسکے گا۔ اس طرح دستوری مقدمات کے علاوہ سول مقدمات کا آخری مرافعہ بھی وفاقی عدالت میں ممکن ہوگا۔

کسی دیسی ریاست کے ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف جو وفاق میں شریک ہوگئی ہو، وفاقی عدالت میں اس بنا پر مرافعہ ہو سکے گا کہ جس مقدمے کا فیصلہ کیا گیا ہے، اس میں امر واقعہ[1] کے بجائے امر قانونی[2] مضمر تھا جس کا تعلق قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۳۵ء یا آرڈر ان کونسل کی توجیہ سے ہے۔ اس لیے لابدی طور پر حکومت وفاق کے عاملانہ یا وضع قانون کے اختیار سے اس مسئلے کا تعلق پیدا ہوجاتا ہے جو دستاویز شرکت کے بموجب اس کو حاصل ہوا۔ اس قسم کے مختلف فیہ مسائل میں وفاقی عدالت میں مرافعہ ہوسکے گا اور اس معاملے کے متعلق وفاقی عدالت دیسی ریاست کے ہائی کورٹ سے متعلقہ مسلیں "درخواست نامہ" کے ذریعے طلب کرسکے گی۔ جہاں تک برطانوی ہند کے صوبوں کا تعلق ہے، وفاقی عدالت دستوری امور میں قطعی فیصلے صادر کرے گی۔ لیکن ان فیصلوں کا مرافعہ پریوی کونسل میں ممکن ہوگا۔

---

(۱) Question of fact (۲) Question of Law

دستور کی رُو سے وفاقی عدالت کو مشورتی حیثیت بھی حاصل ہو۔ گورنر جنرل اپنے صواب دید پر کسی قانونی مسئلے کو جو مفادِ عامہ سے تعلق رکھتا ہو وفاقی عدالت کو تحقیق کرنے کے لیے سپرد کرسکتا ہو جو اس کے متعلق اپنی رپوٹ مع اپنی راے کے پیش کرے گی۔

وفاقی عدالت کو اختیار ہوگا کہ اپنی کارروائیوں کے متعلق قواعد و ضوابط بنائے جنھیں گورنر جنرل سے منظور کرانا ہوگا۔ وفاقی عدالت اس وقت کسی مسئلے پر فیصلہ کرسکے گی جب کہ اس کا اجلاس کم سے کم ایک میر مجلس اور دو ججوں پر مشتمل ہو۔ فیصلے کھلی عدالت میں ہوا کریں گے اور جو جج موجود ہوں گے ان کی کثرت راے سے مقدمات کا تصفیہ ہوگا لیکن اقلیت کے فیصلے بھی سنائے جائیں گے۔ وفاقی عدالت کے مصارف کا بار وفاقی حکومت کے مالیہ پر ہوگا جنھیں گورنر جنرل اپنے صواب دید سے منظور کرے گا اور ان کے متعلق مقننہ کی منظوری لینا ضروری نہ ہوگا۔

قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۳۵ء یا آرڈر ان کونسل کی توجیہ کے متعلق وفاقی عدالت یا پریوی کونسل کے فیصلے قطعی ہوں گے جن کا برطانوی ہند اور ان دیسی ریاستوں میں جو وفاق میں شریک ہیں، نفاذ ہوگا۔

وفاقی مالیات وفاقی اور صوبجاتی مالیات میں ہم آہنگی قائم کرنے کے لیے سر آٹو نیمیر کی صدارت میں ایک پارلیمانی تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی گئی جس نے اپنی سفارشات جولائی سنہ ۱۹۳۶ء میں پیش کیں۔ اس کمیٹی نے ان تمام مالیاتی امور پر غور کیا جو جدید دستور

کے نفاذ میں مضمر ہیں۔ اس بات کی چھان بین کی گئی کہ جدید دستور کے نفاذ کے بعد آمدنی کے وسائل مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں میں کس اصول پر تقسیم کیے جائیں تاکہ آیندہ کوئی دشواری نہ پیدا ہو۔ کمیٹی کی رپوٹ میں وفاقی اور صوبجاتی ذرائع آمدنی کا تعین کر دیا گیا ہے لیکن چونکہ وفاقی حکومت کی مالی ذمّہ داریاں زیادہ اہم اور شہنشاہی نقطۂ نظر سے زیادہ دُور رس ہیں اس لیے وفاقی ذرائع آمدنی میں بہ نسبت صوبجاتی ذرائع آمدنی کے زیادہ لوچ رکھا گیا ہے تاکہ جب ضرورت پیش آجائے تو انھیں وسیع کیا جا سکے۔ اس کمیٹی کی رپوٹ کے مطابق محصول آمدنی کا ۵۰ فی صدی وفاقی حکومت صوبوں پر تقسیم کیا کرے گی۔ مدراس کو ۱۵ فی صدی، بمبئی کو ۲۰ فی صدی، بنگال کو ۲۰ فی صدی، صوبہ متحدہ کو ۱۵ فی صدی پنجاب کو ۸ فی صدی، بہار کو ۱۰ فی صدی، سی۔پی کو ۵ فی صدی، آسام کو ۲ فی صدی، صوبہ سرحدی کو ایک فی صدی، اڑیسہ کو ۲ فی صدی، اور سندھ کو ۲ فی صدی کل محصول آمدنی کا ملے گا۔ وفاقی حکومت کے قائم ہونے کے بعد پانچ سال کے بیے اس تقسیم کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ بشرطیکہ ریلوے کی آمدنی میں اس عرصے میں خاطر خواہ اضافہ ہو جائے اور مرکزی مالیات کی حالت قابلِ اطمینان ہو۔

وفاق قائم ہونے کے بعد بعض صوبجاتی حکومتوں کے نظم و نسق کے اعلیٰ معیار کو قائم رکھنے کے لیے وفاقی حکومت مندرجۂ ذیل رقوم بطور امداد و اعانت دیا کرے گی:۔

صوبۂ متحدہ ۲۵ لاکھ رُپے سالانہ پانچ سال تک۔

آسام ۳۰ لاکھ روپے سالانہ۔
صوبہ سرحدی ایک کروڑ روپے سالانہ
اڑیسہ پہلے سال ۴۷ لاکھ۔ اس کے بعد چار سال تک ۴۳ لاکھ اور پھر ۴۰ لاکھ سالانہ۔
سندھ پہلے سال ایک کروڑ دس لاکھ۔ اس رقم کو بتدریج کم کیا جائے گا، یہاں تک کہ وفاق قائم ہونے کے ۳۵ سال بعد یہ رقم ۵۵ لاکھ رہ جائے گی۔

سوائے صوبہ سرحدی کی رقم امداد کے دوسرے صوبوں کے لیے جو امدادی رقوم تاج بہ اجلاس کونسل مقرر کرے گا ان میں تغیر و تبدل اس وقت تک نہ ہو سکے گا جب تک کہ مقننہ کے دونوں ایوان تاج سے ایڈرس کے ذریعے ایسا کرنے کی درخواست نہ کریں۔

وفاق کے قائم ہونے کے دس سال بعد محصول شخصیہ (کارپوریشن ٹیکس) برطانوی صوبوں کی طرح ان دیسی ریاستوں میں بھی عائد ہوگا جو وفاق میں شریک ہوگئی ہیں۔ اگر کوئی دیسی ریاست چاہے تو ان شخصیوں پر جو اس کے حدود میں واقع ہیں وفاقی حکومت کے محصول کو براہ راست عائد نہ ہونے دے بلکہ جس قدر رقم ان شخصیوں کے محصول سے وفاقی حکومت کو واجب الادا ہو وہ یکمشت خود ادا کر دے اور بطور خود شخصیوں سے اسے وصول کرے۔ اگر کسی ریاست کو اس بات کا پوری طرح اطمینان نہ ہو کہ جو رقم وفاقی حکومت نے شخصیوں پر عائد کی ہو وہ قرین انصاف نہیں ہو تو وہ اس معاملے کو وفاقی عدالت میں پیش کرنے کی مجاز ہوگی اور اس کے متعلق وفاقی عدالت کا فیصلہ آخری اور قطعی تصور کیا

جائے گا۔

جو دیسی ریاستیں وفاق میں شریک ہوں گی ان میں سے اگر کوئی حکومت ہند کو اس کی بالا دستی کے سبب سے خراج ادا کرتی ہو تو قیام وفاق کے بعد ۲۰ سال تک وفاقی حکومت اس سے کچھ وصول نہیں کرے گی۔ اگر کسی ریاست نے عسکری خدمت کے عوض حکومت ہند کو کوئی علاقہ حوالے کیا ہو تو اس کے معاوضے میں وفاقی حکومت اس ریاست کو کچھ رقم ادا کر سکتی ہو۔ لیکن خراج سے دست کشی یا ریاستوں کو کسی رقم کی مستقل ادائگی اس وقت تک نہیں کی جا سکتی جب تک کہ وفاقی حکومت مالی اعتبار سے اس قابل نہ ہو جائے کہ وہ صوبوں کو محصول آمدنی (انکم ٹکس) میں سے ان کا مقررہ حصہ رسدی نہ دینے لگے۔ دیسی ریاستوں کی دستاویزات شرکت میں اس قسم کے تمام مسائل کا تعین کر دیا جائے گا جن کے مطابق وفاقی حکومت عمل کرے گی۔

وفاقی حکومت کی ملکیت پر کوئی صوبجاتی محصول عائد نہیں ہو سکتا۔ وفاقی حکومت اور صوبجاتی حکومتوں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ وزیر ہند کو مالی اعتبار سے اس قابل رکھیں کہ وہ ان کی واجب الادا رقوم کی انگلستان میں ادائگی کر سکے اور پنشنوں کی رقم ادا کر سکے۔

صوبجاتی حکومتیں قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۳۵ء کی رو سے وفاقی حکومت کی طرح صوبجاتی حکومت کے جملہ اختیارات بادشاہ کی ذات میں مرکوز ہوں گے جو گورنر کو اپنے خاص دستخط سے اپنا نائب مقرر کرے گا۔ گورنر کے ذمے گورنر جنرل کی طرح امور محفوظہ کا انصرام نہ ہوگا۔ اس پر اپنے صوبے کے مالی استحکام اور ساکھ قائم

کرنے کی ذمے داری بھی نہیں جس طرح گورنر جنرل پر وفاقی حکومت کے متعلق ہو۔ گورنر جنرل وفاقی مالیات کے تحفظ کے ضمن میں گورنر سے مطالبہ کرسکتا ہو کہ وہ اپنے صوبے میں خاص حکمت عملی اختیار کرے۔ جن امور کے متعلق صوبجاتی مقننہ وضع قوانین کا اختیار رکھتی ہو انھیں پر صوبجاتی عاملہ کے اختیارات موثر ہوں گے اور گورنر بذاتِ خود یا دوسرے حکام کے توسط سے اپنی حکمت عملی کا نفاذ کرے گا۔ صوبجاتی نظم و نسق کے لیے گورنر اپنی مرضی سے وزرا مقرر کرے گا جن سے وہ مشورہ کرے گا۔ وہ اپنے صواب دید پر ان کا تقرر کرے گا اور انھیں برطرف کرنے کا مجاز ہوگا۔ جب تک کہ مقننہ ان کی تنخواہیں نہ مقرر کرے وہ اُن کی تنخواہیں مقرر کرے گا۔ صوبجاتی نظم و نسق تین حصوں میں تقسیم ہوسکتا ہے: (۱) وہ امور جن کے انصرام میں گورنر اپنے وزرا کے مشورے کا پابند ہوگا۔ (۲) وہ امور جن میں وہ اپنے وزرا سے مشورہ لے گا لیکن اپنی مرضی کے مطابق عمل کرے گا۔ (۳) وہ امور جن میں وہ اپنے اختیارِ تمیزی سے کام کرے گا اور ان کے متعلق وزرا سے مشورہ نہیں کرے گا۔

اس امر کا تعین گورنر کرے گا کہ کوئی خاص مسئلہ متذکرۂ بالا تینوں شقوں میں سے کس سے تعلق رکھتا ہو اور اس کی نسبت اس کی رائے قطعی ہوگی اور مزید بحث و تنقید نہ ہوسکے گی۔ ان امور کے متعلق جن میں گورنر اپنے اختیارِ تمیزی سے کام کرے گا اس کے لیے لازمی ہوگا کہ پہلے گورنر جنرل سے استصواب کرلے اور اس کی ہدایت کے مطابق عمل کرے۔ گورنر جنرل جو اس کو ہدایات دے گا وہ اس "ہدایت نامہ" کے خلاف نہ ہونی چاہییں جو گورنر کو براہ راست ہز مجسٹی ملک معظم سے

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی منظوری کے بعد حاصل ہوگا۔

صوبے کے عام نظم ونسق میں گورنر اپنے وزرا کے مشورے کا پابند ہوگا۔ لیکن جن مسائل میں گورنر کو خصوصی ذمّے داری تفویض کی گئی ہو ان کے متعلق وہ تنہا اپنی مرضی اور رائے سے عمل کرے گا۔ جن امور میں وہ تنہا اپنی رائے سے فیصلہ کرے گا مندرجۂ ذیل ہیں :-

(۱) صوبے یا اس کے کسی حصّے کے امن میں خلل ڈالنے والے خطرات کا انسداد کرنا۔

(۲) اقلیتوں کے جائز حقوق و مفاد کا تحفظ کرنا۔

(۳) سرکاری ملازموں اور ان کے ورثا کے مفاد و حقوق کا تحفظ کرنا جو قانون دستوری کی رُو سے انھیں حاصل ہیں۔

(۴) برطانوی تجارت کا تحفظ کرنا اگر کوئی قانونی امتیازات اس کے خلاف قائم کیے جائیں۔

(۵) صوبے کے ان علاقوں میں نظم ونسق قائم رکھنا جو "علاقہ جات مستثنیٰ" (ایکسکلوڈڈ ایریاز) کہلاتے ہیں۔

(۶) دیسی روسا کے اعزاز اور دیسی ریاستوں کے حقوق کا تحفظ کرنا۔

(۷) گورنر جنرل کے صادر کردہ احکام کا نفاذ کرنا۔

سی۔ پی اور برار کے گورنر کا فرض ہوگا کہ وہ اس امر کا خیال رکھے کہ اس کے صوبے کی آمدنی کا ایک معقول حصّہ برار پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اس کا فرض ہوگا کہ ریاست حیدرآباد کے تجارتی اور معاشی مفاد کو بھی اپنے پیش نظر رکھے۔ سندھ کے گورنر پر لائڈ بیریج اور نہروں کی اسکیم کے متعلق خاص طور پر وزیر ہند کے سامنے ذمّے دار ہونا پڑے گا۔ صوبۂ سرحدی کا گورنر

جب قبائلی معاملات کے انصرام میں گورنر جنرل کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرے گا تو اس کا فرض ہوگا کہ اس کا لحاظ رکھے کہ اس کا کوئی فعل ایسا نہ ہو جو اس ذمے داری میں خلل پیدا کرے جو گورنر جنرل کے ایجنٹ کی حیثیت سے اس پر عاید ہوتی ہو۔ گورنر کی ان ذمّے داریوں کی نسبت جو اُس پر گورنر جنرل کی جانب سے عائد ہوتی ہیں، شاہی "ہدایت نامہ" میں مفصل ذکر ہوگا۔ گورنر کا فرض ہوگا کہ وہ صوبے کی آبادی کے مختلف فرقوں اور طبقوں میں اس کی ہمّت افزائی کرے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق صوبے کی حکومت میں شریک ہوں اور اقلیتوں کی تعداد کا تناسب ملازمتوں میں قائم رہے۔ ان دیسی ریاستوں کے حقوق کی نگہداشت کے لیے جو اس کے صوبے میں واقع ہیں، گورنر کو چاہیے کہ گورنر جنرل کی رائے طلب کرے جو تاج کے نمایندے کی حیثیت سے ان کے حقوق کا استقرار کرے گا۔ گورنر ان مسائل کے متعلق جو وفاق پر اثر انداز ہوتے ہیں، گورنر جنرل کو مطلع کرے گا لیکن اس کو اختیار ہوگا کہ وزیر ہند سے براہِ راست بھی خط و کتابت کر سکے۔

گورنر اپنے صواب دید پر ایک ایسے شخص کو جو ہائی کورٹ کا جج بن سکتا ہو وکیل سرکاری (ایڈووکیٹ جنرل) کے عہدے پر مقرر کرے گا۔ وکیل سرکاری اس وقت تک اپنے عہدے پر فائز رہے گا جب تک کہ گورنر کی مرضی ہوگی۔ اس کی تنخواہ بھی گورنر مقرر کرے گا۔ وکیل سرکاری صوبجاتی حکومت کے تمام قانونی معاملات سے متعلق فرائض انجام دے گا جو گورنر وقتاً فوقتاً اس کے سپرد کرے۔

سول اور فوجی پولیس کے متعلق گورنر اپنے اختیارِ تمیزی سے کام کرے گا۔ اگر صوبے میں نقضِ امن کا اندیشہ ہو یا کوئی سیاسی جماعت حکومت

کو درہم برہم کرنے کے درپے ہو تو ایسی حالت میں گورنر امن عامہ کے قیام کے جملہ فرائض اپنی ذات میں مرکوز کرسکتا ہے اور اپنے اختیارِ تمیزی سے کام کرسکتا ہے۔ ایسی صورت میں گورنر کو اجازت ہوگی کہ ایک سرکاری عہدے دار کو عارضی طور پر مقننہ میں اس واسطے مقرر کردے کہ وہ اس کی حکمتِ عملی کی وہاں ترجمانی کرسکے۔ اس عہدے دار کو وہی حقوق و اختیارات حاصل ہوں گے جو مقننہ کے کسی منتخب شدہ رکن کو حاصل ہوتے ہیں سوائے اس کے کہ وہ رائے دینے کا مجاز نہ ہوگا گورنر اپنے اختیارِ تمیزی سے ایسے قواعد و ضوابط بنا سکتا ہے جن کا منشا یہ ہو کہ سیاسی جرائم کے متعلق خفیہ طور پر جو حکومت کو معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ بغیر انسپکٹر جنرل پولیس یا پولیس کمشنر کی اجازت کے کسی دوسرے پر ظاہر نہ ہو پائیں۔ خفیہ کے محکمے کا تعلق وفاقی محکمہ خبررسانی سے ہوگا اور وہ وزارت کے حدود اختیار کے باہر ہوگا۔ مندرجہ ذیل معاملات میں گورنر اپنے اختیارِ تمیزی سے کام کرے گا

(الف) وزرا کا تقرر اور علیٰحدگی اور ان کی تنخواہوں کا تعین جب تک کہ مقننہ ان کی تنخواہیں مقرر نہ کرے۔

(ب) وزرا کے مابین انتظامی محکموں کی تقسیم۔

(ج) مجلسِ وزرا کی صدارت جب وہ چاہے۔

(د) صوبجاتی حکومت کے طریقِ عمل کے لیے قواعد و ضوابط بنانا۔ قواعد میں اس امر کی صراحت ہوگی کہ کن معاملات کو وزرا اور معتمدین گورنر کی اطلاع کے لیے بھیجا کریں۔ وہ امور جن سے گورنر کی خصوصی ذمے واری متاثر ہوگی اس کے سامنے ضرور پیش کرنا ہوں گے۔

گورنر جنرل کی طرح گورنر کو صوبے میں خصوصی احکام نافذ کرنے کا اختیار ہوگا۔ خصوصی احکام چھ ماہ کی مدت کے لیے ہوں گے۔ لیکن ان کی توسیع مزید چھ ماہ کے لیے ہوسکے گی۔ اگر گورنر چاہے تو چھ ماہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے انھیں اٹھالے۔ گورنر کے خصوصی احکام اسی طرح قانوناً موثر ہوں گے جس طرح صوبجاتی مقننہ کے منظور کردہ قوانین۔ گورنر کو اختیار ہوگا کہ کسی قانون کا مسودہ اپنی طرف سے مقننہ کی منظوری کے لیے پیش کرے۔ وہ بذات خود اس کا مجاز ہوگا کہ حسب ضرورت قانون بنائے تاکہ اپنی خصوصی ذمّے داریوں سے عہدہ برآ ہوسکے۔ اس کے بنائے ہوئے قانون "گورنری قانون" کہلائیں گے۔ اس کا بنایا ہوا قانون مقننہ کے وضع کردہ قانون کا حکم رکھے گا۔ "گورنری قانون" کے نفاذ کے لیے گورنر جنرل کی اجازت درکار ہوگی۔ گورنر جنرل اس کے مسودے کو وزیر ہند کے سامنے پیش کرے گا جو اس کے متعلق پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے منظوری حاصل کرے گا۔ صوبجاتی مقننہ میں کوئی ایسا مسودۂ قانون بغیر گورنر کی منظوری لیے ہوئے نہیں پیش ہوسکتا جس کا منشا گورنری قانون یا اس کے خصوصی احکام کی تنسیخ یا ترمیم ہو۔

گورنر کو صوبجاتی مقننہ کے منعقد، ملتوی اور برخاست کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ وہ جب چاہے مقننہ کو خطاب کرسکے گا۔ اگر کوئی مسودۂ قانون مقننہ کے سامنے پیش ہو تو وہ اس کے متعلق بذریعہ پیغام اپنی رائے سے مقننہ کو مطلع کرسکے گا۔ اگر کوئی مالیاتی مسئلہ درپیش ہو یا ایسا مسئلہ جس سے گورنر کی خصوصی ذمّے داری متاثر ہوتی ہو تو وہ مقننہ کے دونوں ایوانوں کا جلسہ منعقد کرائے گا (اگر اس صوبے کی مقننہ میں دو ایوان ہوں) بشرطیکہ ایوانِ زیریں میں اس کے متعلق کوئی قرار داد منظور ہوئے بارہ ماہ سے زیادہ

نہ گزرے ہوں۔ وہ چاہے تو مقننہ کے منظور کردہ قانون کو اپنی منظوری دے یا نہ دے یا کسی مسودہ قانون کو منظور کرنے سے قبل گورنر جنرل کے غور کے لیے بھیج دے۔ مقننہ کے دوبارہ غور کرنے کے لیے وہ کسی مسودہ قانون یا اس کے کسی خاص حصے کو واپس کر سکتا ہے۔ وہ کسی دیسی ریاست کے متعلق مقننہ میں سوالات کو منع کر سکتا ہے۔ اس طرح ہز مجسٹی ملک معظم، گورنر جنرل، یا کسی بیرونی والئی ملک کے متعلق بھی صوبجاتی مقننہ میں بغیر گورنر کی اجازت کے سوال نہیں کیا جا سکے گا۔

قانون دستور کی شکست یا اس کے تعطل کی حالت میں گورنر اعلان کے ذریعے سے نظم و نسق کے تمام عاملانہ اختیارات اپنی ذات میں مرکوز کرلے گا۔ اس اعلان کی متعلقہ دفعات سے قانون دستور کے وہ خاص حصے متاثر ہوں گے جن کا تعلق صوبجاتی حکومت سے ہے، سوائے ہائی کورٹ کے فرائض کے۔ گورنر اپنے اعلان کو اس وقت تک جاری نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے متعلق گورنر جنرل اور وزیر ہند کی مرضی نہ معلوم کرلی جائے۔ صوبے میں تاج کے کسی ملازم پر دیوانی یا فوجداری کا اس وقت تک دعوا نہیں دائر کیا جا سکتا جب تک کہ گورنر اپنے اختیار تمیزی سے اس کی اجازت نہ دے دے۔ تاج کے بعض ملازمین کو ضابطۂ فوجداری کے ذریعے جو تحفظ حاصل ہے اس کے خلاف بھی صوبجاتی مقننہ میں کوئی مسودۂ قانون بغیر گورنر کی اجازت کے نہیں پیش کیا جا سکے گا۔

صوبجاتی وزارت قانون حکومت ہند کی دفعہ ۵۰ کی رو سے ہر صوبے میں ایک مجلس وزرا ہوگی جس کا فرض ہوگا کہ وہ معمولاً گورنر کو مشورہ دیا کرے اور اس کے کاموں میں امداد کرے، سوائے ان امور کے جن میں گورنر اپنے اختیار تمیزی سے کام کرے گا۔ وزرا

کو گورنر مقرر کرے گا اور وہ اس وقت تک مجلسِ وزرا کی رُکنیت پر فائز رہیں گے جب تک کہ گورنر کی مرضی ہوگی۔ مجلسِ وزرا کی رکنیت حاصل کرتے وقت وہ اس بات کا حلف لیں گے کہ وہ کوئی سرکاری راز افشا نہیں کریں گے۔ اگر کوئی وزیر متواتر چھ ماہ تک مقننہ کا رکن نہ ہو تو وہ وزیر نہیں رہ سکے گا۔ وزرا کی تنخواہ کا تعین مقننہ وقتاً فوقتاً کرے گی۔ لیکن مقننہ کے ایسا کرنے سے قبل گورنر عارضی طور پر ان کی تنخواہیں مقرر کردے گا۔ کوئی عدالت اس کے متعلق استفسار کرنے کی مجاز نہ ہوگی کہ آیا گورنر نے کسی معاملے میں وزرا سے مشورہ کیا یا نہیں۔ قانون دستور میں اس کی نسبت کوئی صراحت موجود نہیں ہے کہ وزرا کی تعداد کیا ہوگی اور آیا ان سبھوں کی تنخواہیں برابر ہوں گی یا ان میں فرق رکھا جائے گا۔ وزرا کی سفارش پر پارلیمانی معتمدین مقرر کیے جائیں گے جو ان کے کام میں ان کی مدد کریں گے اگرچہ قانون دستور میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ گورنر کس جماعت میں سے اپنے وزرا مقرر کرے لیکن شاہی "ہدایت نامہ"[1] میں اس کی توضیح کر دی گئی ہے کہ وہ اس سیاسی جماعت میں سے اپنے وزرا مقرر کرے جو مقننہ میں اکثریت رکھتی ہو۔ گورنر کا فرض ہوگا کہ وزارت میں اقلیتوں کی نمایندگی کا انتظام کرے۔ اس کے متعلق کوئی صراحت نہیں کی گئی ہے کہ آیا وزرا جو مشورہ گورنر کو دیں گے وہ مشترک ذمے داری کے اصول پر دیا جائے گا یا گورنر وزرا سے علیحدہ علیحدہ مشورہ طلب کر سکے گا۔ وزرا کو حق ہوگا کہ جب چاہیں مقننہ کو خطاب کریں۔ اگر وزرا کو گورنر کی حکمت عملی سے اختلاف ہو تو گورنر ان کا استعفیٰ طلب کر سکتا ہے یا اگر وہ چاہے تو انھیں برطرف کر دے۔

---

(1) Instrument of instructions

مقننہ کو برخاست کرنے اور جدید انتخاب کرانے کا حق جیسا کہ قلمروی وزرا کو حاصل ہی، ہندستانی صوبوں کے وزرا کو حاصل نہ ہوگا بلکہ گورنروں کو حاصل ہوگا جو اپنے اختیارِ تمیزی سے اس حق کو استعمال کرسکیں گے۔

بلاشبہہ صوبجاتی وزرا کو جدید دستور کی رُو سے بہ نسبت سنہ ۱۹۱۹ء کے قانونِ حکومتِ ہند کے زیادہ انتظامی اختیارات حاصل ہوں گے۔ جدید دستور کے بموجب دوعملی کا خاتمہ کردیا گیا اور چند اہم امور کے علاوہ صوبے کا پورا نظم و نسق منتخب شدہ وزارت کے ہاتھ میں آجائے گا صوبجاتی وزارت میزانیہ تیار کرے گی اور اپنے حدُودِ اختیار کے اندر اس میں اپنی حکمتِ عملی کے مطابق ردوبدل کرسکے گی۔ پولیس کا محکمہ بھی عملاً وزیرِ متعلقہ کے تحت آجائے گا سوائے محکمۂ خفیہ کے جس کا تعلق انسپکٹر جنرل کے توسط سے گورنر اور مرکزی محکمہ خفیہ سے قائم رہے گا۔ اگر وزارت نے ان مصارف کو اپنے میزانیہ میں نہیں داخل کیا جن کا تعلق گورنر کی خصوصی ذمے داری سے ہو تو گورنر اپنے حکم سے ان مصارف کو میزانیہ میں داخل کرسکے گا۔ لیکن باوجود گورنر کے آخری اختیارات کے جو مالیات اور وضع قانون کے متعلق اسے حاصل ہوں گے وزرا اپنے اثر سے صوبجاتی نظم و نسق میں بہت کچھ تبدیلیاں کرسکیں گے۔

صوبجاتی مقننہ

دستورِ جدید کی رُو سے ہر صوبے میں ایک جمعیتِ مقننہ (لیجسلیٹو اسمبلی) ہوگی لیکن چھ صوبوں (بمبئی، بنگال، مدراس، صوبجات متحدہ، بہار اور آسام) میں اس کے ماسوا مجلسِ مقننہ (لیجسلیٹو کونسل) بھی ہوں گی۔ صوبجاتی جمعیت مقننہ کی میعاد پانچ سال ہوگی۔ اس مدت کے بعد وہ برخاست کردی جائے گی اور نئے انتخابات عمل میں

آئیں گے۔ صوبوں کی مجالسِ مقننہ (لیجسلیٹو کونسل) مستقل حیثیت رکھیں گی۔ ہر تیسرے سال ان کے ارکان کی ⅓ تعداد مقررکردہ قواعد وضوابط کے مطابق علیحدہ ہو جائے گی اور نئے ارکان ان کی جگہ منتخب ہوں گے مجلس مقننہ کے انتخاب کے واسطے صاحبِ ملکیت اشخاص کے ایک محدود طبقے کو رائے دہندگی کا حق حاصل ہوگا۔ وہ صوبے کے مستقل حقوق و مفاد رکھنے والوں کی نمایندگی کریں گے۔ مختلف صوبوں کی مقننہ کی ساخت کے متعلق قانونِ حکومتِ ہند سنہ ۱۹۳۵ء کے ضمیمہ ۵ میں وضاحت کردی گئی ہے۔ جمعیتِ مقننہ میں تعداد ارکان ۵۰ سے لے کر ۲۵۰ تک ہے۔ جمعیتِ مقننہ میں حق رائے دہندگی بہت وسیع کر دیا گیا ہے۔ ہر صوبے کے حق رائے دہندگی کے قواعد مختلف ہوں گے۔ ستمبر سنہ ۱۹۳۲ء کے میثاق پونا کی رُو سے جو شرائط پست اقوام کی نمایندگی کے لیے طے ہوئے ہیں، ان پر مختلف صوبجاتی مقننہ میں عمل کیا جائے گا۔

ہر رکنِ مقننہ کے لیے لازمی ہوگا کہ ایوان میں نشست کرنے سے پیشتر وہ ہزمجسٹی ملکِ معظم کا حلف وفاداری لے۔ اگر ۶۰ روز تک متواتر کوئی رکن ایوانِ متعلقہ کے جلسوں سے بغیر اجازت لیے ہوئے غیر حاضر رہے گا تو ایوان کو اختیار ہوگا کہ اس کی نشست کو خالی تصور کرے اور اس کے لیے ذیلی انتخاب عمل میں آئے۔ کوئی شخص بہ یک وقت صوبجاتی مقننہ کے ایوانِ زیریں اور ایوانِ بالا یا صوبجاتی مقننہ کے کسی ایوان اور وفاقی مقننہ کے کسی ایوان کا رکن نہیں ہو سکتا۔ مجلسِ مقننہ (لیجسلیٹو کونسل) کے ارکان کی تعداد بھی مختلف صوبوں میں علٰحدہ علٰحدہ ہوگی۔ سب سے زیادہ بنگال میں یعنی ۶۵ ہوگی اور سب سے کم آسام میں یعنی ۲۱۔ ان ارکان میں سے ایک

مخصوص تعداد کو گورنر نامزد کرے گا اور باقی ماندہ فرقے واری حلقہ ہائے انتخاب سے منتخب ہوا کریں گے۔ جمعیت مقننہ کے منظور کردہ مسودات قانون ایوان بالا میں منظوری کے لیے پیش ہونے چاہییں۔ مالیاتی تجاویز کی تحریک ایوان زیریں میں ہوگی۔ اگر کسی مسودۂ قانون کے متعلق دونوں ایوانوں میں اختلاف رائے ہو تو گورنر اپنے صواب دید پر دونوں کا مشترکہ اجلاس منعقد کرائے گا اور کثرت رائے سے جو فیصلہ ہوگا وہ قطعی تصور کیا جائے گا۔ مندرجۂ ذیل امور صوبجاتی مقننہ کے حدودِ اختیار سے باہر ہوں گے :-

(۱) گورنر کی تنخواہ، بھتہ اور اس کے دفتر کے مصارف۔

(۲) مطالبات قرض جو صوبجاتی آمدنی میں سے واجب الادا ہوں۔

(۳) وزراء، سرکاری وکیل اور ہائی کورٹ کے ججوں کی تنخواہیں اور بھتے۔

(۴) علاقہ جات مستثنیٰ کے مصارف۔

(۵) عدالتی فیصلوں کے نفاذ کے لیے جو مصارف صوبجاتی حکومت کو درکار ہوں۔

گورنر کی تنخواہ کے ماسوا متذکرۂ بالا امور پر مقننہ میں بحث و تنقید ہوسکتی ہے لیکن ان کے متعلق رائے نہیں طلب کی جائے گی۔ مندرجۂ بالا امور کے علاوہ صوبجاتی نظم و نسق کے دوسرے اخراجات کے لیے مقننہ کی منظوری لینا ضروری ہوگا۔

صوبجاتی مقننہ ایسے قوانین وضع کرنے کی مجاز نہ ہوگی جن سے بلاواسطہ یا بالواسطہ برطانیہ کی تجارت اور صنعتی مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اس کا فیصلہ گورنر کرے گا کہ آیا فلاں قانون اس نوعیت کا ہے یا نہیں اور اس کے فیصلے پر بحث و تنقید نہ ہوسکے گی۔

صوبجاتی حکومت کی ضروریات کے لیے مقننہ کو صوبے کی آمدنی کی ضمانت پر ہندستان میں قرض لینے کا اختیار حاصل ہوگا۔ بغیر وفاقی حکومت کی اجازت اور منظوری کے کوئی صوبجاتی حکومت ہندستان کے باہر قرض نہیں لے سکے گی۔ عملی طور پر صوبجاتی حکومتیں وفاقی حکومت ہی سے قرض لیں گی جس کی منظوری گورنر جنرل بہ اجلاسِ کونسل دے گا، لیکن وہ وفاقی حکومت کے علاوہ بازار میں بھی چاہیں تو قرض لے سکیں گی۔

ہر شخص جسے جمعیت مقننہ کے ارکان منتخب کرنے کے لیے حق رائے دہندگی حاصل ہو وہ اس کی رکنیت کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنے کا مجاز ہوگا بشرطیکہ اس کی عمر پچیس سال ہو۔ حق رائے دہندگی کے لیے ۲۱ سال کی عمر کی شرط ہوگی۔ مجلسِ مقننہ کی رکنیت کے لیے ۳۰ سال کی شرط رکھی گئی ہے تاکہ ناتجربہ کار نوجوان اس میں نہ جا پائیں۔ لیکن فی الحقیقت ۲۵ اور ۳۰ سال کی عمر میں کوئی خاص فرق ذہنیت کے اعتبار سے پیدا نہیں ہوتا۔ قانون حکومت کی دفعہ ۲۹۱ کی رو سے ہز مجسٹی بہ اجلاسِ کونسل کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ حلقہ ہائے انتخاب اور شرائطِ رائے دہندگی کا تعین کرے۔ شرائطِ رائے دہندگی مختلف صوبوں میں علحدہ علحدہ ہیں۔ فرقے داری نیابت کے علاوہ مختلف طبقات آبادی کی نمایندگی کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ مثلاً زمینداروں، تاجروں، اہل صنعت و حرفت اور مزدور پیشوں کی علحدہ نیابت ہوگی تاکہ یہ مختلف طبقے اپنے مفاد کا تحفظ کر سکیں۔ عورتوں کی نمایندگی کا بھی خاص انتظام کیا گیا ہے۔

وہ امور جن کے متعلق صوبجاتی مقننہ وضع قانون کرنے کی مجاز ہوگی،

مندرجہ ذیل ہیں :۔

قیام امن ؛ مال گزاری ؛ سوائے وفاقی عدالت کے دوسری عدالتیں، پولیس (بشمول ریلوے پولیس) ؛ جیل خانے ؛ صوبجاتی قرضۂ عامہ ؛ صوبجاتی پبلک سروس اور صوبجاتی پبلک سروس کمیشن ؛ صوبجاتی پنشنیں، صوبجاتی کتب خانے ؛ عجائب خانے ؛ صوبجاتی مقننہ کے انتخابات ، وزرا، جمعیتِ مقننہ کے اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کی تنخواہیں اور اگر اس صوبے میں مجلسِ مقننہ بھی ہو تو پریسیڈنٹ اور ڈپٹی پریسیڈنٹ کی تنخواہیں، صوبجاتی مقننہ کے ارکان کے الاؤنس، صوبجاتی کمیٹیوں کے آگے شہادتیں فراہم کرنا ؛ بلدیات ، شہروں کی آرائش کے ٹرسٹ ؛ مجالسِ ضلع ؛ صحتِ عامہ اور صفائی ؛ دواخانے ؛ پیدائش و اموات کا داخلہ ؛ تعلیمات ؛ سڑکیں ، پل اور چھوٹی ریلیں ؛ بلدیاتی ٹرامو ے ؛ آب پاشی ؛ زراعت ؛ مسائلِ اراضی (" زمینداروں اور کاشتکاروں کا تعلق") ؛ تقاوی ؛ کورٹس آف وارڈز ؛ جنگلات ؛ کان کنی اور ماہی گیری ، منڈیاں اور میلے منعقد کرانا ؛ صنعت و حرفت ؛ پیمانے ؛ منشیات (افیون بھنگ وغیرہ) ؛ انجمن ہائے امداد باہمی ؛ سائنٹفک اور علمی و ادبی انجمنیں ؛ پیمایشِ اراضی ؛ آبکاری ؛ زرعی آمدنی پر ٹکس، عمارتوں کا ٹکس ، پیشوں کا ٹکس ، مویشی اور کشتیوں کا ٹکس ؛ تعیشات کا ٹکس (جن میں سینما ، تھیٹر اور تماشے وغیرہ شامل ہیں) ؛ اسٹامپ اور عدالتی کاغذات ؛ راہ گیری ؛ مندرجۂ بالا امور کے متعلق تحقیقات یا اعداد و شمار کی فراہمی ۔

صوبجاتی اور مرکزی وفاقی امور کے علاوہ بعض امور ایسے بھی

ہیں جن کے متعلق وفاقی اور صوبجاتی دونوں حکومتیں وضع قوانین کی مجاز ہوں گی۔ قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء کے بموجب صوبجاتی حکومتوں کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اپنے صوبے کی حد تک مرکزی قوانین میں ردوبدل کرسکتی ہیں بشرطیکہ ان کے متعلق گورنر جنرل سے استصواب کرلیا گیا ہو۔ دستورِ جدید میں گورنر جنرل پر کوئی ایسی پابندی نہیں عائد کی گئی ہو کہ اگر وفاقی حکومت کسی ایسے امر کے متعلق وضع قانون کرے جو صوبجاتی فہرست امور میں شامل ہو تو وہ صوبجاتی حکومت سے اس کی بابت مشورہ کرے۔ شاہی "ہدایت نامہ" میں اس کی نسبت ہدایت کردی گئی ہو جس کے مطابق اسے عمل کرنا چاہیے۔ بالعموم مشترکہ امور کے متعلق قوانین کا نفاذ صوبجاتی حکومتوں کے سپرد کیا جائے گا اگرچہ ان کے متعلق گورنر جنرل ہدایت بھیجے گا تاکہ مختلف صوبوں میں حکومت کی عملی یکسانیت برقرار رہے۔ مندرجۂ ذیل امور کا شمار مشترکہ فہرست میں ہو جن کے متعلق مرکزی وفاقی اور صوبجاتی حکومت وضع قانون کی مجاز قرار دی گئی ہو:-

ضابطۂ فوجداری و دیوانی، قیدیوں کا ایک مرکز سے دوسرے مرکز پر لے جانا؛ شہادت؛ شادی و طلاق؛ توارث؛ وبائی امراض کا انسداد؛ انتقالِ اراضی علاوہ زرعی اراضی کے؛ دیوالیہ پن؛ قانونی اور طبی پیشے؛ پاگل خانے؛ جرائم پیشہ؛ کارخانجات، مزدوری پیشوں کے متعلق قوانین؛ بے روزگاری کا بیمہ؛ ٹریڈ یونین؛ قوت برقی کی تنظیم؛ سینما؛ متذکرۂ بالا امور کے متعلق تحقیقات یا اعداد و شمار فراہم کرنا۔

مرکز اور صوبوں کو مشترکہ امور کے متعلق حق وضع قوانین دینے سے ایک اعتبار سے صوبجاتی خود مختاری میں کمی پیدا ہوگی۔ لیکن صوبجاتی حقوق

کا تحفظ اس طرح کر دیا گیا ہو کہ وفاقی مقننہ کے کسی ایوان میں اُس وقت تک اس قسم کا کوئی مسودۂ قانون نہیں پیش کیا جا سکے گا جو صوبجاتی فہرست میں شامل ہو جب تک کہ گورنر اپنے صواب دید پر اس کی خاص طور پر اجازت نہ دے۔

وزیر ہند

وزیر ہند بہ اجلاس کونسل کے اختیارات دستوری اعتبار سے برطانوی کابینہ کے تحت ہوں گے۔ گورنر جنرل کا تقرر وزیر اعظم کرے گا۔ دوسرے اعلیٰ عہدوں کے تقررات کے متعلق وزیر ہند وزیر اعظم سے مشورہ کرے گا۔ وزیر ہند کی مجلس کے ارکان کم سے کم ۳ اور زیادہ سے زیادہ ۶ ہوں گے۔ ان میں سے نصف ایسے ہونے چاہئیں جو ہندستان میں کم سے کم دس سال تک تاج کی خدمت پر مامور رہ چکے ہوں اور انھیں سرکاری خدمت سے علٰحدہ ہوئے دو سال سے زیادہ نہ ہوئے ہوں۔ ارکان کی میعادِ عہدہ پانچ سال ہوگی۔ ایک مرتبہ رکنیت پر مقرر ہونے کے بعد دوبارہ اس خدمت پر تقرر نہ ہو سکے گا۔ وزیر ہند کو اختیار ہوگا کہ اپنی مجلس کے کسی رکن کو اس وجہ سے برطرف کر دے کہ اس کی دماغی حالت میں خلل پیدا ہو گیا ہے۔ وزیر ہند کو اختیار ہوگا کہ اپنی مجلس کے ارکان سے مجموعی یا انفرادی طور پر مشورہ کرے یا اگر وہ چاہے تو مشورہ نہ کرے۔ اس کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ ان کے مشورے پر چاہے تو عمل کرے اور چاہے نہ کرے۔ وزیر ہند کی کونسل کے ارکان کے لیے یہ لازمی نہیں ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے کسی ایوان کے رکن ہوں۔ وزیر ہند کا عملہ برٹش سول سروس سے تعلق رکھے گا اور اس کی تنخواہوں وغیرہ کے مصارف کا بار کچھ برطانوی خزانے

پر اور کچھ حکومت ہند کے خزانے پر پڑے گا۔ انڈیا آفس کلیتہً برطانوی حکومت کے تحت تصوّر کیا جائے گا۔ اگرچہ وزیر ہند کو اس کی املاک (کتب خانہ وغیرہ) پر تصرف حاصل رہے گا۔ حکومتِ ہند کے متعلق جو رقوم اب تک بنک آف انگلینڈ میں وزیر ہند بہ اجلاس کونسل کے نام سے جمع ہوتی تھیں وہ آیندہ سے وزیر ہند کے نام جمع ہوا کریں گی۔ مندرجۂ ذیل خدمات پر وزیر ہند کی جانب سے تقررات عمل میں آیا کریں گے:۔

(۱) انڈین سول سروس (۲) انڈین میڈیکل سروس (۳) انڈین پولیس سروس (۴) کلیسائی عہدہ دار (چیپلینز)۔ وزیر ہند امپیریل سروسز کے لیے قواعد و ضوابط بنائے گا جو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی منظوری کے بعد نفاذ پذیر ہوں گے۔ ان خدمات میں اگر کوئی خدمت خالی ہو تو بغیر وزیر ہند کی منظوری کے تین ماہ سے زائد خالی نہیں رہ سکتی اور نہ اس پر کوئی تقرر ہو سکتا ہے جب تک کہ وزیر ہند کی جانب سے نہ ہو اور نہ کوئی دوسرا شخص جو کسی دوسری خدمت پر مامور ہو، اس خدمت کے فرائض انجام دینے کے لیے مقرر کیا جا سکتا ہے۔

ہائی کمشنر اب تک ہائی کمشنر کا زیادہ تر غیر سیاسی معاملات سے تعلق تھا اس لیے کہ سیاسی مسائل انڈیا آفس میں طے ہوتے تھے۔ لیکن بین الاقوامی نوعیت کے اجتماعوں میں ہائی کمشنر حکومت ہند کی نمایندگی کرتا رہا ہے اور سنہ ۱۹۳۲ء کی اٹاوہ کانفرنس میں اس نے ہندستانی وفد کی قیادت کے جملہ فرائض انجام دیے۔ جدید دستور

کی رو سے حکومت ہند کے بعض تجارتی معاہدوں کی ذمے داری اس کے سپرد کی گئی ہو۔ گورنر جنرل اپنے اختیارِ تمیزی سے ہائی کمشنر کا تقرر کرے گا اور اس کی تنخواہ اور دوسری شرائط کا تعین کرے گا۔ ہائی کمشنر حکومتِ وفاق کی جانب سے گورنر جنرل کی ہدایات کے مطابق انگلستان میں ہندستانی تجارتی مفاد کی نگہداشت کرے گا۔ وفاقی حکومت کے ماسوا ہائی کمشنر صوبجاتی حکومتوں اور دیسی ریاستوں کی حکومتوں کے لیے بھی گورنر جنرل کی اجازت سے وہ تمام فرائض انجام دے سکے گا جو وہ وفاقی حکومت کے متعلق انجام دیتا ہو۔

پبلک سروس ہز مجسٹی بہ اجلاس کونسل کو اختیار ہوگا کہ محکمۂ دفاع کے تقررات کرے۔ وزیر ہند اپنی مجلس کے ارکان کے مشورے سے فوجی محکمے کے اعلیٰ عہدہ داروں کے لیے قواعد و ضوابط بنائے گا اوران کی شرائطِ خدمت کا تعین کرے گا۔ وفاقی محکموں کی مختلف خدمات پہ گورنر جنرل تقرر کرے گا جو سنٹرل سروسز سے متعلق ہوں گی۔ ان میں ریلوے، ٹپہ، تار اور چنگی کے محکمے شامل ہیں۔ انڈین سول سروس، انڈین میڈیکل سروس، اور انڈین پولیس سروس کے تقررات وزیر ہند کی جانب سے عمل میں آئیں گے اوران کے متعلق شرائطِ خدمت کا تعین پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی منظوری سے ہوگا۔ صوبوں میں آب پاشی کے محکمے کے اعلیٰ عہدوں پہ وزیر ہند اپنے صوابدید سے تقررات کرے گا۔ متذکرۂ بالا سروسوں میں اس وقت جو اشخاص شریک ہیں ان کے جملہ حقوق کا تحفظ کیا جائے گا اور اس کا بھی انتظام ہوگا کہ آیندہ جو لوگ ان میں شریک ہوں، وہ قدیم

روایات کو برقرار رکھ سکیں۔ جو نئے تقررات ان خدمات پر آئندہ کیے جائیں گے ان کے متعلق اس امر کی ضمانت کی جائے گی کہ اگر کوئی خدمت تخفیف کر دی جائے یا سیاسی وجوہ کی بنا پر کسی کو اپنی خدمت سے قبل از وقت سبکدوش ہونا پڑے تو ان اشخاص کو جو ان حالات سے متاثر ہوں گے، خاطر خواہ معاوضہ دیا جائے گا تاکہ ان کا کوئی مالی نقصان نہ ہو۔ متذکرہ بالا خدمات پر جو تقرر کرنے کا مجاز ہوگا اسی کو برطرف کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔ کوئی شخص جو متذکرہ بالا خدمات میں سے کسی پر فائز ہو وہ اس وقت تک برطرف یا معزول نہیں کیا جا سکے گا جب تک کہ اس کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ وفاقی محکموں کے متعلق گورنر جنرل اور صوبجاتی محکموں کے متعلق گورنر قواعد و ضوابط نافذ کرے گا جن کا اطلاق متذکرہ سروسوں کے اشخاص پر ہوگا۔ اینگلو انڈین لوگوں کے حقوق کا، ریلوے، ٹپہ، تار اور چنگی کے محکموں میں خاص لحاظ رکھا جائے گا۔ پروادنشل سروسز، آل انڈیا سروسز کے دوش بدوش صوبجاتی نظم و نسق کو چلائیں گی اور ان کے قابل اور سینیر ارکان کی مقررہ تعداد کو آل انڈیا سروسز میں شریک کیا جا سکے گا تاکہ وہ ترقی کے انتہائی زینے تک پہنچ سکیں۔

گورنر جنرل ایک وفاقی پبلک سروس کمیشن مقرر کرے گا۔ کمیشن کے نصف ارکان ایسے اشخاص ہونے چاہییں جو تقرر کے وقت کم سے کم تاج کی خدمت میں دو سال سے ہوں۔ گورنر جنرل کی اجازت سے وفاقی پبلک سروس کمیشن صوبوں کے لیے کام کر سکتا ہے۔ لیکن معمولاً صوبوں کے لیے علیحدہ صوبجاتی پبلک سروس کمیشن ہوں گے جن کے ارکان کا تقرر گورنر کریں گے۔ آپس کی مفاہمت سے کئی صوبے مل کر اپنے حدود

کے لیے ایک کمیشن مقرر کر سکتے ہیں۔ وفاقی پبلک سروس کمیشن کا صدر آیندہ ہندستان میں کسی سرکاری عہدے پر مامور نہ ہو سکے گا۔ یہ شرط اس لیے رکھی گئی ہے کہ وہ اپنے فرائضِ منصبی نہایت بے باکی اور غیر جانبداری سے ادا کرے اور چونکہ اس طرح اسے اپنے متعلق ہندستان میں کوئی توقعات نہ ہوں گی اس لیے وہ بلا رو رعایت تمام تقررات کرے گا۔ پبلک سروس کمیشن مختلف محکموں کے متعلق امیدواروں کے امتحان کا انتظام کرے گا اور گورنر جنرل کو مشورہ دے گا کہ تقررات کن اصول کے تحت ہونے چاہییں۔ مختلف محکموں میں ترقی اور تبادلے کے قواعد بھی کمیشن کے مشورے سے بنائے جائیں گے۔ بغیر گورنر جنرل کی اجازت کے مقننہ میں کوئی ایسا مسودہ قانون نہیں پیش کیا جا سکے گا جس سے پبلک سروس کمیشن کے وظائف میں توسیع یا تبدیلی پیدا ہو۔

مرکزی، وفاقی اور صوبجاتی حکومتوں کے متعلق قانون حکومتِ ہند سنہ ۱۹۳۵ع کا نفاذ ایک ساتھ نہیں ہو سکے گا اس لیے قانونِ مذکور میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے کہ صوبجاتی حکومتوں میں قانون مذکور کے نفاذ کے بعد وفاقی مقننہ کے جملہ فرائض جہاں تک برطانوی ہند کا تعلق ہے موجودہ مرکزی مقننہ انجام دے گی۔ وفاقی عاملہ کے اختیارات گورنر جنرل بہ اجلاسِ کونسل کو حاصل ہوں گے، لیکن گورنر جنرل اور گورنر جنرل بہ اجلاسِ کونسل دونوں اس وقت تک وزیرِ ہند کے احکام کے پابند ہوں گے جب تک کہ وفاق نہ قائم ہو جائے۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل اس کا مجاز ہوگا کہ وہ حکومتِ ہند کی ضروریات کے لیے انگلستان میں قرض لے سکے لیکن وزیرِ ہند پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد حکومتِ ہند کے لیے انگلستان میں

جدید صوبجاتی حکومتوں کے قیام اور مرکزی وفاق کے قیام سے پیشتر قرض لینے کا مجاز ہوگا۔ وفاق قدئم ہونے کے پیشتر وفاقی ریلوے کا خود مختار بورڈ، وفاقی پبلک سروس کمیشن اور وفاقی عدالت کا قیام عمل میں آسکے گا۔ ۳ جولائی سنہ ۱۹۳۶ء کے آرڈر ان کونسل میں اس امر کی صراحت کردی گئی ہے کہ جدید صوبجاتی حکومتوں کے قیام کا جہاں تک تعلق ہے، قانون دستور کا نفاذ یکم اپریل سنہ ۱۹۳۷ء سے ہو جائے گا۔ مرکزی حکومت میں اس کی وجہ سے جو تبدیلیاں عمل میں آئیں گی اور اس کی ذمے داری کی نوعیت میں جو فرق پیدا ہوگا اس کے متعلق بھی اس درمیانی زمانے کے لیے جب تک کہ وفاق کا قیام عمل میں نہ آئے، اس آرڈر ان کونسل میں ہدایت کردی گئی ہے۔

ہندستان کی موجودہ سیاسی حالت

قانونِ حکومتِ ہند سنہ ۱۹۳۵ء کے متعلق کانگریس کے اربابِ حل و عقد نے بے اطمینانی کا اظہار کیا اور اس کو اہلِ ہند کی خواہشات کے منافی ٹھیرایا۔ لکھنؤ کانگریس منعقدہ ۱۲-۱۴ اپریل سنہ ۳۶ء میں کانگریس نے جدید دستور کو غیر اطمینان بخش، رجعت پسند اور ناقابلِ قبول بتاتے ہوئے یہ قرارداد منظور کی کہ اس کی رو سے جو آیندہ صوبجاتی مقننات کے انتخاب ہوں ان میں کانگریسی ارکان اپنے آپ کو پیش کریں تاکہ ان مقننات میں اکثریت حاصل کر کے جدید دستور کے بروئے عمل آنے میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں۔ ۲۲۔ اگست سنہ ۳۶ء آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ایک انتخابی اعلان شائع کیا جس میں اس کی صراحت کر دی گئی کہ کانگریس کے نمایندے مختلف صوبجاتی مقننات میں حکومت سے تعاونِ عمل کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ ان کا واحد مقصد ایسا کرنے سے یہ ہے کہ جو کام ملک میں ہو رہا ہے اس کی تکمیل مقننات کے اندر کی جائے اور اس طرح دنیا کے سامنے ملک کی صحیح رائے عامہ کا اظہار کیا جائے۔ لکھنؤ کانگریس نے دیہات سدھار کا جو پروگرام پیش کیا تھا اور کراچی کانگریس سنہ ۱۹۳۱ء میں حقوقِ اساسی کے متعلق جو قرارداد منظور ہوئی تھی، اسے بھی اس انتخابی اعلان میں شامل کر لیا گیا۔ اس اعلان میں ملک کے ہر طبقے سے اپیل کی گئی کہ کانگریسی نمایندوں کو صوبجاتی مقننات کے لیے منتخب کر کے دنیا پر یہ بات ثابت کر دینی چاہیے کہ کانگریس ہی حقیقی معنے میں اہلِ ہند کی نمایندہ

ہو اور اس کی آواز پورے ملک کی آواز ہو۔

فیض پور کانگریس منعقدہ دسمبر سنہ ۳۶ء میں اس فیصلے کی توثیق کی گئی کہ کانگریس کو آئندہ انتخابات میں منظم طور پر حصہ لینا چاہیے تاکہ جدید دستور کو مقننہ میں جاکر تباہ کیا جائے۔ چونکہ انتخابات عنقریب ہونے والے تھے اس لیے کانگریس نے اپنی پوری قوت اپنے نمائندوں کو کامیاب بنانے کے لیے صرف کردی۔ چنانچہ جنوری اور فروری سنہ ۳۷ء میں جو صوبجاتی انتخابات ہوئے ان میں کانگریس نے گیارہ صوبوں میں سے چھ میں (یو پی، بہار، اڑیسہ، سی پی، مدراس اور بمبئی) میں اکثریت حاصل کرلی۔ صوبۂ سرحدی میں صرف چند کی کمی پوری ہوجانے سے کانگریس کی اکثریت ہوجاتی تھی چنانچہ چند ماہ بعد دوسری سیاسی جماعتوں کے ارکان کی شرکت سے اس صوبے میں بھی کانگریس کو اکثریت حاصل ہوگئی۔ بنگال، آسام، پنجاب اور سندھ میں غیر کانگریسی وزارتیں قائم ہوئیں۔

صوبجاتی انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد کانگریس کو اس اہم مسئلے کا حل تلاش کرنا تھا کہ آیا عہدے قبول کیے جائیں یا نہیں اور جن صوبوں کی مقننہ میں کانگریسی ارکان کو اکثریت حاصل ہو وہاں وزارتیں قائم کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی جائے یا نہیں۔ یہ مسئلہ دراصل دو سال سے متنازعہ فیہ چلا آرہا تھا۔ کانگریس کی ایک بااثر جماعت عہدوں کے قبول کرنے کو انگریزی حکومت سے تعاون عمل قرار دیتی تھی اور دوسری جماعت چاہتی تھی کہ جدید دستور کے ذریعے جو سیاسی اختیارات حاصل ہوئے ہیں ان سے اہل ملک کو فائدہ پہنچایا جائے۔

بالآخر یہ مسئلہ قطعی فیصلے کے لیے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس

دہلی منعقدہ ۱۸ مارچ سنہ ۳۷ء میں پیش ہوا۔ اس اجلاس میں قطعی فیصلہ کرنا اس واسطے ضروری تھا کہ یکم اپریل سنہ ۳۷ء کو قانون حکومت ہند سنہ ۳۵ء کے اس حصّے کا نفاذ جو صوبجاتی حکومتوں سے متعلق ہے، طے شدہ امر تھا۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے بہت بحث و مباحثہ کے بعد یہ قرارداد منظور کی کہ "جن صوبوں کی مقننہ میں کانگریسی ارکان کو واضح اکثریت حاصل ہے، ان میں انھیں اجازت دی جاتی ہے کہ وہ عہدے قبول کریں بشرطیکہ وزارت اس وقت تک قبول نہ کی جائے جب تک کہ مقننہ کی کانگریس پارٹی کے لیڈر کو اس امر کا اطمینان نہ ہو جائے اور اس کے متعلق وہ اعلان کر سکے کہ گورنر اپنے خصوصی اختیارات کو استعمال نہ کرے گا، یا وزرا کی رائے کو جو وہ دستوری امور کے متعلق ظاہر کریں گے، نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔"

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کے دوسرے روز آل انڈیا کنونشن کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ارکانِ آل انڈیا کانگریس کمیٹی، ارکان ورکنگ کمیٹی اور مختلف صوبجاتی مقننات کے منتخب شدہ کانگریسی ارکان نے شرکت کی۔ شرکائے اجلاس نے کانگریس کا حلف وفاداری اٹھایا اور وعدہ کیا کہ وہ مقننہ کے اندر اور باہر اپنے وطن کی سیوا کو اپنا مقصدِ حیات بنائیں گے۔

مارچ کے آخری ہفتے میں حسب دستور گورنروں نے کانگریس پارٹی کے لیڈروں کو وزارتیں قائم کرنے کی دعوت دی۔ انھوں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کی قرارداد کے بموجب اختیارات خصوصی کے متعلق اطمینان حاصل کرنے کی درخواست کی، لیکن گورنروں نے اس کا

یہ جواب دیا کہ قانونِ حکومتِ ہند سنہ ۳۵ء کے ماتحت گورنر خصوصی اختیارات کے متعلق مطلوبہ وعدہ نہیں کرسکتے۔ دستورِ جدید اور دستاویز ہدایات کی رُو سے خصوصی اختیارات کے استعمال اور اقلیتوں کے مفاد کے تحفظ کی بابت اُن پر جو ذمےداریاں عائد ہوتی ہیں وہ اسی نوعیت کی ہیں کہ اگر گورنر خود بھی ان اختیارات سے دست بردار ہونا چاہیں تو وہ ایسا نہیں کرسکتے۔

اس پر کانگریس پارٹی کے صوبجاتی مقننہ کے لیڈروں نے یہ کہہ کر کہ چونکہ گورنر عدمِ مداخلت کے متعلق باضابطہ یا بے ضابطہ طور پر اطمینان دلانے سے انکار کرتے ہیں اس لیے وہ وزارتیں قبول کرنے سے معذور ہیں۔ اس ضمن میں ۳۰ مارچ سنہ ۳۷ء کو گاندھی جی کا جو بیان شائع ہوا وہ نہایت اہم ہے۔ وہ کہتے ہیں:-

"اس تجویز کو پیش کرنے والا میں ہی تھا کہ وزارتوں کو مشروط طور پر قبول کیا جائے لیکن ایک ایسی شرط کے ساتھ جسے گورنر نہایت آسانی کے ساتھ قبول کرسکتے تھے۔ دراصل اس قسم کی پابندی کا کسی کو خیال بھی نہ تھا جس کی منظوری سے قانونِ حکومتِ ہند سنہ ۳۵ء میں کسی قسم کی معمولی سی بھی ترمیم یا تنسیخ کرنا پڑے۔ ہماری شرط ہرگز ایسی نہ تھی کہ اسے قبول کرنے کی وجہ سے گورنروں کی دستوری حیثیت متاثر ہوتی اس واسطے کہ کانگریسی لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ جدید دستور میں اب تبدیلی نہیں ہوسکتی، اس لیے انھوں نے اس نوع کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ اگر گورنروں اور ان کے وزرا کے درمیان یہ بات پہلے سے طے نہ ہوجائے کہ گورنر ان کی آئینی کارروائیوں میں مداخلت نہ کریں گے تو عہدے قبول کرنے کے بعد لازمی طور پر دونوں

میں دستوری جنگ شروع ہوجائے گی۔ ایسی صورت میں ایمان داری کا تقاضا یہی تھا کہ پہلے سے معاملے کو صاف کرلیا جائے۔ ایک زبردست سیاسی جماعت سے جس کی تائید میں رائے دہندوں کی صریح حمایت موجود ہو، یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے تئیں نازک صورت حالات میں ڈال دے گی اور گورنر جب چاہیں اس کے مساعی کو کالعدم کردیں۔ کیا میں نے سرسیمول ہور اور دوسرے برطانوی وزیروں کو یہ کہتے نہیں سُنا کہ معمولاً گورنر اپنے اختیارات کو استعمال نہیں کرے گا؟ میرے خیال میں کانگریس کے مطالبے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں مانگا گیا۔ حکومت برطانیہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قانونِ ہند صوبوں کو حکومتِ خود اختیاری عطا کرتا ہے۔ اب اگر یہ دعویٰ سچ ہے تو صوبوں کے عمدہ نظم و نسق کی ذمّے داری گورنروں پر نہیں بلکہ وزیروں کے کندھوں پر ہونی چاہیے جنھیں اپنے گوناگوں فرائض کا احساس ہے میں اپنی پوری رواداری کے باوجود حکومت کے موجودہ اقدام پر یہ کہنے کے لیے مجبور ہوں کہ اب حکومت قلم سے نہیں بلکہ تلوار کے زور پر ہوگی کیونکہ مجھے یقین ہے کہ میرے مطالبے کی بنا سو فی صدی ایمان داری پر تھی اور اس کو منظور کرلینے سے یہ نازک صورتِ حال نہ پیدا ہوتی۔"

اب ہندستان کے سیاسی حالات نے جو خطرناک صورت اختیار کی وہ برطانوی حکومت کے اربابِ حل و عقد کے لیے پریشانی کا باعث تھی۔ لارڈ لوتھین نے دارالامرا میں تقریر کرتے ہوئے صاف صاف کہا کہ "اگر برطانیہ نے اس نادر اور اہم موقع کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا تو ہندستان کی موجودہ بےچینی ایک دفعہ پھر انقلابی صورت میں تبدیل

ہوجائے گی "۔ انگلستان کی رائے عامہ میں ایک جماعت ایسی تھی جو کانگریس کے ساتھ مفاہمت کرنے اور اس کو جدید دستور کے چلانے میں حصّہ دینے کی طرفدار تھی۔ لیکن وزیر ہند لارڈ زٹلینڈ نے ۸ اپریل کو جو بیان پارلیمنٹ میں دیا اس کی وجہ سے معاملہ بگڑ گیا۔ انھوں نے گاندھی جی کے بیان پر تعجب ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"سر سیموئل ہور نے مجھے یہ کہنے کی اجازت دی ہے کہ انھوں نے اس بات کا کئی مرتبہ اظہار کیا کہ گورنروں کے خصوصی اختیارات کے استعمال کا موقع پیش نہ آئے گا۔ لیکن یہ کبھی نہیں کہا کہ گورنر اپنے اختیارات کو کبھی استعمال نہ کرنے کا پہلے سے وعدہ کریں۔ گورنروں سے جو وعدہ طلب کیا جا رہا ہے وہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ قانون حکومت ہند سنہ ۳۵ء میں ترمیم نہ کی جائے .... جدید دستور کی دفعہ (۵۲) کے بموجب گورنر کو چند خاص ذمّے داریاں سونپی گئی ہیں جن میں اقلیتوں کے جائز حقوق کا تحفظ بھی شامل ہے۔ جب تک اس قسم کی ذمّے داری ان پر عائد ہے ان کو مختلف موقعوں پر اپنے اختیار تمیزی کا استعمال کرنا ضروری ہوگا۔ لیکن اگر گورنر اس قسم کا وعدہ کرے جیسا کہ کانگریس نے طلب کیا ہے تو وہ اپنے صوابدید پر عمل کرنے کا مجاز نہیں رہے گا "......

موجودہ تعطل کو دُور کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے کوئی دعوت نہیں دی جاسکتی اگر مسٹر گاندھی وائسرائے سے ملنے کی درخواست کریں تو وائسرائے اُس پر غور کرے گا ....."

اقلیت کی وزارتیں بالکل جائز ہیں۔ مقننہ کا اجلاس منعقد ہونے پر

اکثریت کو حق ہو کہ انھیں معزول کر دے"۔

لارڈ زیٹلینڈ کے بیان کے متعلق انگلستان اور ہندستان میں سخت تنقیدیں ہوئیں اور کہا گیا کہ لارڈ موصوف نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے اپنے بیان میں کوئی حوصلہ افزا بات نہیں کہی جس کی پیچیدگیاں آئندہ خطرناک صورتِ حال پیدا کر سکتی ہیں۔

نائب وزیر ہند مسٹر بٹلر نے دار العوام میں جو بیان دیا اس میں بھی بعینہٖ وہی مطالب پیش کیے گئے جو لارڈ زیٹلینڈ کے بیان میں تھے۔ غرض کہ اب حکومت اور کانگریس کے تعلقات کی کشیدگی دن بدن پھر بڑھنے لگی۔ ان حالات میں صوبجاتی خود مختاری کا افتتاح ہوا۔

کانگریسی لیڈروں کے انکار پر گورنروں نے اقلیتوں کی نمایندہ عارضی وزارتیں قائم کرلیں۔ بہت دن تک یہ موضوع اخباروں میں زیرِ بحث رہا کہ آیا قانونی طور پر گورنر اس کے مجاز ہیں یا نہیں کہ اس قسم کی عارضی وزارتیں قائم کریں۔ حکومت کے حامیوں نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عارضی وزارتیں جائز ہیں۔ انگلستان کی گزشتہ صدی کی تاریخ میں اس کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں۔ چونکہ کانگریس نے باوجود اکثریت رکھنے کے بعض صوبوں میں وزارتیں قائم کرنے سے انکار کر دیا ہے اس لیے ان صوبوں کے گورنروں کے پاس اب کوئی چارۂ کار اس کے سوا باقی نہیں رہا کہ وہ ملکِ معظم کی حکومت کو چلانے کے لیے اقلیتوں کی وزارتیں قائم کریں۔ اس قسم کے غیر معمولی حالات میں گورنروں کو اپنے وزرا کے انتخاب میں کافی آزادی حاصل ہے۔ اس کے برخلاف کانگریس کے حامیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ موجودہ عارضی وزارتیں ناجائز اور

خلاف قانون ہیں۔ کانگریس کے قانون داں اصحاب کا یہ دعویٰ تھا کہ گورنر دستورِ جدید کی دفعات سے تجاوز کیے بغیر مجوزہ وعدے کر سکتے ہیں۔ لیکن اقلیتوں کے نمایندوں میں سے عارضی وزارت کی تشکیل ان کے حیطۂ اختیار سے باہر ہے۔ اس واسطے کہ گورنر کے دستاویز ہدایات کی دفعہ (۸) میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے کہ وزارت کی تشکیل گورنر اس شخص کے مشورے سے کرے گا جو مقننہ میں اکثریت حاصل کر سکے۔ اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:-

ہمارا گورنر مجلسِ وزارت کے تقرریات کرتے وقت پوری کوشش کرے گا کہ اس شخص کے مشورے سے اپنے وزرا مقرر کرے جو اس کی رائے میں مقننہ میں مستقل اکثریت حاصل کر سکتا ہو اور ایسے اشخاص کو وزیر مقرر کیا جائے گا (اہم اقلیتوں کے ارکان حتی الامکان وزارت میں شامل ہوں گے) جو مجموعی طور پر اپنے آپ کو مقننہ کے اعتماد کا اہل ثابت کریں۔"

کانگریس کے حامیوں نے بالخصوص آنریبل مسٹر راج گوپال اچاریہ نے اپنے مختلف بیانات میں یہ ثابت کیا کہ اقلیت اور مشترکہ پارٹیوں کی وزارتوں کی جو تاریخی مثالیں دی گئی ہیں وہ برطانوی صوبوں کی عارضی وزارتوں سے بالکل مختلف نوعیت رکھتی ہیں۔ یہ عارضی وزارتیں برطانیہ کی دستوری تاریخ کے کسی حوالے سے بھی حق بجانب نہیں کہی جا سکتیں۔ یہ استدلال بھی پیش کیا گیا کہ اگر گورنروں نے قانونِ ہند کے تحت وزرا کے معاملات میں دخل اندازی کی تو گویا عوام کی منتخب شدہ وزارت عاملہ کے ایک اہم جز کی ذمے دار نہ ہوگی بلکہ گورنر اس کا ذمے دار ہوگا۔ قانون ہند جب پارلیمنٹ میں زیر بحث تھا اس وقت صوبجاتی آزادی کی جو تصویر دکھائی جا رہی تھی وہ موجودہ صوبجاتی آزادی سے مختلف تھی۔ قیام امن و امان کی ذمے داری

جو گورنر کو دی گئی ہو وہ اس قدر وسیع مفہوم رکھتی ہو کہ وہ توضیعِ قوانین پر بھی اثر انداز ہو سکے گی۔ اس طرح گورنر کی حیثیت بجائے دستوری صدرِ عاملہ کے حقیقی صدرِ عاملہ کی ہو جاتی ہو۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ دستوری طور پر وہ وزرا اور مقننہ کے مقابلے میں زیادہ صاحبِ اقتدار اور با اثر ہوگا۔ ان حالات میں وزرا کے ہاتھ میں سوائے اس کے کہ معمولی نظم ونسق رہے حکومت کی اعلیٰ حکمتِ عملی سے انھیں سروکار نہیں رہتا۔ صوبجاتی حکومت خود اختیاری اور گورنر کے مداخلت کے حقوق ایک دوسرے کے نقیض اور ضد ہیں۔ اگر صوبجاتی آزادی سے یہ مُراد ہو کہ عوام کے منتخب کردہ وزرا کو صوبے کے نظم ونسق میں مکمل عاملانہ اختیارات حاصل ہوں گے۔ تو گورنر کے خصوصی اختیارات کیا معنے رکھتے ہیں۔ لیکن اگر یہ اختیارات محض دستوری نوعیت کے ہیں جو استعمال نہیں کیے جائیں گے تو اس کا بصراحت وعدہ کیوں نہیں کیا جاتا۔ گاندھی جی نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ حکومت کو چاہیے کہ وہ قانونِ ہند کی اس دفعہ کی وضاحت کے لیے جس میں گورنر کے خصوصی اختیارات مذکور ہیں ایک غیر جانب دار کمیٹی مقرر کرے جو تین ارکان پر مشتمل ہو۔ ان تین ارکان میں ایک کانگریسی ہو، دوسرا برطانوی حکومت کا نمایندہ ہو اور تیسرا وہ جس کے متعلق یہ دونوں ممبر متفق ہوں۔ یہ کمیٹی جو فیصلہ کرے وہ واجب التعمیل ہوگا۔ لیکن برطانوی حکومت نے یہ تجویز منظور نہیں کی۔ ادھر کانگریس اس بات پر اَڑی رہی کہ جب تک گورنر مطلوبہ اطمینان نہیں دلائیں گے اس وقت تک وہ عہدے قبول نہیں کرے گی۔ ۲۷۔۲۸۔ اپریل سنہ ۱۹۳۷ء کو الہ آباد میں کانگریس کی مجلسِ عاملہ (ورکنگ کمیٹی) کے اجلاس میں جو قرارداد منظور

ہوئی اس کا مفہوم یہ ہے :-

کانگریس ورکنگ کمیٹی کانگریس پارلیمانی جماعتوں کے لیڈروں کے اس فعل کو بہ نظرِ استحسان دیکھتی ہے کہ انھوں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی منعقدہ ۱۸۔مارچ سنہ ۳۷ء کی قرار داد کے بموجب گورنروں کے خصوصی اختیارات کے متعلق خاطر خواہ اطمینان حاصل نہ ہونے کی صورت میں وزارتیں قائم کرنے سے انکار کر دیا۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کو لائق قانون دانوں نے یقین دلایا ہے کہ گورنر دستورِ اساسی کی حدود کے اندر رہ کر مطلوبہ وعدے کر سکتے تھے۔ اس ضمن میں مارکوئس آف زیٹلینڈ اور مسٹر آر۔ اے بٹلر نے جو حکومتِ برطانیہ کی حکمتِ عملی کی توضیح کی ہے، وہ نہ صرف کانگریس کے مطالبات کو پورا کرنے سے قاصر ہے بلکہ اس سے کانگریس کے مقاصد کی غلط توجیہہ ہوتی ہے۔ اور جس انداز اور جس مالہٗ اور ماعلیہ کے ساتھ یہ اعلان کیے گئے ہیں، ان سے کانگریس اپنی تذلیل تصور کرتی ہے۔ برطانوی حکومت کا گزشتہ طرزِ عمل اور موجودہ رویہ اس کے مقتضی ہیں کہ کانگریس کو اس امر کا اطمینان دلایا جائے کہ عوام کے منتخب کردہ وزرا کے معاملات میں گورنر کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گا۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ گورنر کو وزارت کے برطرف کرنے اور صوبجاتی مقننہ کو برخاست کرنے کا اختیار حاصل نہ ہوگا جب کہ اس کے اور وزرا کے درمیان شدید اختلاف پیدا ہو جائے۔

غرض کہ اس دوران میں کانگریس اور حکومت کے سیاسی تعلق میں کشیدگی بڑھتی گئی۔ ان حالات میں برطانوی حکومت کے اربابِ حل و عقد نے مناسب سمجھا کہ اپنے لب و لہجے کو بدلا جائے۔ چنانچہ لارڈ زیٹلینڈ نے اپنی

تقریریں اور لارڈ لن لتھگو وائسرائے ہند نے اپنے طویل بیان میں صاف طور پر کہا کہ منتخبہ وزرا کی آزادیٔ عمل میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ وائسرائے نے یہ بھی کہا کہ انڈین سول سروس کے ارکان جیسا کہ گزشتہ تین مہینے کے تجربے سے ثابت ہوگیا ہے، نئے دستور کے تحت اسی طرح اپنے فرائضِ منصبی بجا لا رہے ہیں جس طرح وہ صوبوں کی پرانی حکومت کی حکمتِ عملی کو عملی جامہ پہنانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اگر کوئی گورنر اپنے وزرا کے مشورے پر عمل نہیں کرے گا تو وہ اپنی ذمّے داری پر ایسا کرے گا۔ ایسی صورت میں وزرا اس کے مجاز ہوں گے کہ وہ بذریعۂ اعلان اس کا اظہار کردیں کہ فلاں معاملے میں ان کی کوئی ذمّے داری نہیں ہے اور یہ کہ انھوں نے گورنر کو اس کے خلاف عمل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ معمولاً گورنر تمام معاملات میں جن میں اقلیتوں اور انڈین سول سروس وغیرہ کے معاملات بھی شامل ہیں، وزرا کے مشورے کے مطابق عمل کرے گا۔ لیکن صرف جب گورنر اپنی خصوصی ذمّے داریوں سے عہدہ برآ ہونا چاہے گا۔ اس وقت وہ اپنے صواب دید پر عمل کرنے کا مجاز ہوگا۔ ان خصوصی ذمّے داریوں میں اقلیتوں کے جائز حقوق کا تحفظ، قیامِ امن اور سروسوں کے حقوق کی حفاظت شامل ہے۔ ان خصوصی ذمّے داریوں کے علاوہ نظم و نسق کے کسی اور معاملے میں گورنر وزرا کے مشورے کے بغیر عمل نہیں کرے گا۔ وزرا کی ذمّے داری اپنی مقننہ کے روبرو رہے گی نہ کہ پارلیمنٹ کے روبرو۔

وائسرائے کے اس بیان میں جو مفاہمانہ اور مصالحانہ انداز اختیار کیا گیا تھا اس کا کانگریسی حلقوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ بالخصوص گاندھی جی اس بیان کے بعد کانگریسی وزارتیں قائم کرنے کے مؤید ہوگئے۔ چنانچہ ۷ جولائی ۳۷ء کو

وردھا میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے مندرجۂ ذیل اہم فیصلہ کیا:-

"ورکنگ کمیٹی نے بہت احتیاط کے ساتھ ان اعلانات پر (لارڈ زٹلینڈ، لارڈ اسٹینلے اور وائسرائے ہند لارڈ لن لتھگو کے اعلانات) غور کیا اور اس کی یہ رائے قرار پائی کہ باوجود اس کے کہ ان اعلانات سے کانگریس کے مطالبات کی طرف رجوع ہونے کی ایک خواہش ظاہر ہوتی ہے مگر وہ ان شرائط سے جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی قرارداد اور ورکنگ کمیٹی کی تصریحات سے واضح کردی گئی تھیں بہت کم ہیں۔ ورکنگ کمیٹی اس شرکتِ عمل کے نظریے کو (انگلستان اور ہندستان کے درمیان) قبول نہیں کرتی جو مندرجۂ بالا اعلانات میں پیش کیا گیا ہے بلکہ موجودہ تعلقات کی صحیح تصریح یہ ہوسکتی ہے کہ برطانوی حکومت اور اہلِ ہند کے درمیان جو تعلقات قائم ہیں وہ اس نوعیت کے ہیں جو استحصال کرنے والے اور ان لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں جن سے استحصال کیا جاتا ہے۔ پس ہر اس مسئلے کے متعلق دونوں کا نقطۂ نظر جداگانہ ہوگا۔ مگر کمیٹی محسوس کرتی ہے کہ حالات و واقعات کی بنا پر جو صورت پیدا ہوگئی ہے وہ ایسی ہے کہ گورنروں کے لیے اپنی خصوصی اختیارات کا استعمال کرنا آسان نہ ہوگا۔ کمیٹی نے متعلقات کے کانگریسی ارکان نیز عام کانگریسیوں کے خیالات پر بھی غور کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچی ہے اور اس نے فیصلہ کیا ہے کہ جن صوبوں میں کانگریسی ارکان کو وزارت قبول کرنے کی دعوت دی جائے وہاں وہ وزارت قبول کرلیں۔ مگر کمیٹی اس امر کی صراحت کردینا چاہتی ہے کہ عہدے قبول کرنے کے بعد دستوری اختیارات کو اسی طرح استعمال کیا جائے گا جس طرح کہ کانگریس کے انتخابی اعلان میں طے ہوچکا ہے نیز یہ کہ یہ اختیارات ایک طرف جدید دستور کا مقابلہ کرنے میں اور دوسری

طرف ایک تعمیری پروگرام کی تکمیل میں استعمال کرنے ہوں گے۔"
کانگریس ورکنگ کمیٹی کی قرارداد میں قانونِ ہند کو "تباہ کرنے" کے بجائے اس کا "مقابلہ کرنے" کے جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ نہایت معنی خیز ہیں۔

تعمیری پروگرام کی تکمیل کے لیے کانگریس ان اختیارات کو استعمال کرے گی جو جدید دستور کی رُو سے صوبجاتی حکومتوں کو حاصل ہوں گے تاکہ عوام کے افلاس وجہالت کو دُور کیا جائے، ان میں سیاسی شعور پیدا ہو اور ان کی اقتصادی حالت کو حتی المقدور بہتر کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کانگریس نے جدید دستور کو قابلِ اطمینان قرار دے کر قبول کرلیا۔ اس کا نقطۂ نظر یہ ہو کہ نئے اختیارات سے عوام کی بھلائی کے لیے جو کچھ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہو، اسے حاصل کیا جائے۔
کانگریس کے اس فیصلے سے ملک کی سیاسی اور دستوری زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ ملک کی سب سے بڑی اور منظم سیاسی جماعت جو عرصے سے حکومت کی مخالفت اور تخریبی پروگرام پر عمل کر رہی تھی اب تعمیری نقطۂ نظر کی طرف مائل نظر آتی ہو۔ وہ جو حکومت کے خلاف نفرت و بغاوت پھیلانا اپنا قومی فرض سمجھتے تھے، آج حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہو۔ ان حالات سے ملک کی سیاست نے ایسا پلٹا کھایا ہو کہ جس کے دُور رس نتائج کا غالباً کچھ عرصے بعد تاریخ کی روشنی میں جائزہ لینا ممکن ہوگا۔

گزشتہ ایک سال کے عرصے میں کانگریس نے یہ ثابت کر دیا کہ جس تعمیری مسلک کو پیش نظر رکھ کر اس نے عہدے قبول کیے ہیں ان کو

بروئے کار لانے کی تمام ممکنہ تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔ اس وقت تک کانگریس وزارتوں نے مختلف صوبوں میں سیاسی قیدیوں کو رہا کرایا، بعض مطابع اور اخبارات کی ضمانتیں واپس کرائیں اور بعض سیاسی مجالس کے خلاف امتناعی احکام کو موقوف کیا۔ تعلیم عامہ، انسدادِ شراب نوشی، جیل خانوں کی اصلاح اور صحتِ عامہ کے متعلق کانگریسی وزارتیں اہم اور دُور رس تجاویز کو عنقریب بروئے کار لانے والی ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر یہ کہ کانگریسی وزارتوں نے کاشتکاروں کی فلاح و بہبود کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر دی ہے۔ دیہات سدھار کانگریسی پروگرام کا اہم جز ہے۔ تخفیفِ لگان، قرضہ جات اور ملکیتِ اراضی کے متعلقہ مسائل پر عنقریب جو فیصلے کیے جائیں گے وہ ملک کی اقتصادی زندگی میں زبردست تغیرات کا پیش خیمہ ہوں گے اور اغلب گمان یہ ہے کہ گورنر ان اصلاحات کے نفاذ میں کسی طرح کی دخل اندازی نہیں کریں گے۔ لیکن ان اصلاحات کو نافذ کرنے سے کانگریسی حکومتوں کو بڑی دشواری کا سامنا کرنا ہوگا۔ تعمیرِ قومیت کے منصوبوں کے لیے جن مالی وسائل کی ضرورت ہوگی وہ انھیں حاصل نہیں ہیں۔ وہ کاشتکار کے لگان کی تخفیف سے اس کی زیر باری کم کرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسی تناسب سے مال گزاری میں بھی کمی ہوگی۔ شراب نوشی کے انسداد کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آبکاری کی کروڑوں کی آمدنی سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ حکومت کے مصارف میں زیادہ کمی اس لیے ممکن نہ ہوگی کہ انڈین سول سروس کے بڑے تنخواہ دار ملازموں کے حقوق قانون دستور کے ذریعے محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ کانگریسی حکومتیں زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتی ہیں کہ پراونشل سروس کے ملازموں کی تنخواہوں میں تخفیف

کر دیں لیکن اس سے کوئی بڑی رقم حاصل نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ ابھی حال میں حکومتِ مدراس نے اس قسم کا ایک قانون منظور کیا ہو جس کی تقلید دوسرے کانگریسی صوبوں میں یقیناً کی جائے گی۔ لیکن باوجود مصارف میں انتہائی کمی کرنے کے کانگریسی حکومتوں کو اپنی اصلاحات نافذ کرنے کے لیے قرض لینا پڑے گا۔ آمدنی بڑھانے کے جو لوچ[1] دار صیغے ہیں، یعنے ریلیں، ڈاک تار، محاصلِ تجارت اور زرِ مروجہ وہ سب کے سب مرکزی حکومت کے تحت ہیں۔ اب سوال یہ ہو کہ کانگریسی حکومتیں اپنے منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لیے کیا تدابیر اختیار کریں گی اور مالی وسائل کی دشواری کو کس طرح رفع کریں گی۔ ممکن ہو کہ آیندہ چل کر یہی مسئلہ مرکزی حکومت اور کانگریس کے درمیان وجہ آویزش بن جائے۔

پچھلے دنوں میں بمبئی، صوبہ متحدہ اور بہار میں کسانوں اور مزدوروں کی تحریکیں بڑے زور و شور کے ساتھ بڑھ رہی ہیں جن کے سبب سے کانگریسی وزارتوں کو پریشانی اور تشویش پیدا ہوگئی ہو۔ ان تحریکوں کی تہ میں اشتراکی عنصر چپکے چپکے اپنا کام کر رہا ہو۔ ان جماعتوں کے مبالغہ آمیز مطالبات نے بعض اوقات کانگریسی وزارتوں کو مجبور کیا ہو کہ وہ قیامِ امن کے لیے ان مدعیانِ آزادی کے خلاف تعزیراتِ ہند کی دفعات استعمال کریں۔ اس پر کانگریس کا اشتراکی عنصر موجودہ کانگریسی وزارتوں پر تنبیہ و تعریض کی بوچھار کر رہا ہو کہ یہ کیا بوالعجبی ہو کہ وہی قانون جس کی خلاف ورزی آج سے کچھ عرصے قبل کانگریس کا طرۂ امتیاز تھا آج کانگریس اس کو اپنے رفیقوں پر ایسی بے دردی کے ساتھ نافذ کر رہی ہو جس طرح کچھ عرصے

---

(۱) Flexible

قبل صوبوں کی غیر ذمّے دار حکومتیں اسے استعمال کرتی تھیں۔ لیکن کانگریس کے ذمّے دار حلقوں میں یہ محسوس کیا جا رہا ہو کہ اگر کانگریسی وزارتیں تشدد کا انسداد کرنا اپنا فرض منصبی تصور نہیں کریں گی تو ملک کا نظم ونسق درہم برہم ہو جائے گا۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۸ر جنوری سنہ ۳۸ء میں یہ فیصلہ کیا گیا ہو کہ تمام ایسے اشخاص یا جماعتوں کے خلاف جو علانیہ طور پر عدم تشدد کے بنیادی اصول سے انحراف کر رہی ہوں یا جن کے افعال و اقوال سے تشدد کے رجحانات مترشح ہوتے ہوں یا تشدد کے جذبات مشتعل ہونے کا اندیشہ ہو، کانگریسی وزارتیں ہر قانونی اور انسدادی کارروائی کر سکتی ہیں۔ اس طرح کانگریسی حکومتوں نے پچھلے چند ماہ میں جو طرزِ عمل اختیار کیا ہو اس کی توثیق ورکنگ کمیٹی نے کر دی۔ ان تمام حالات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ حکومت کے عملی حقائق کانگریسی وزرا کے نقطۂ نظر میں مصلحت اندیشی اور اعتدال کا عنصر پیدا کر رہے ہیں اور کانگریسی حکومتیں فی الواقع تعمیرِ قومیت کے منصوبوں کو امن و امان میں خلل پیدا کیے بغیر عملی جامہ پہنانا چاہتی ہیں۔ کانگریسی وزارتوں کے اعتدال و تدبّر کا اعتراف وائسرائے ہند لارڈ لن لتھگو اور وزیر ہند نے اپنی تقریروں میں کیا ہو۔

اگرچہ کانگریس قانون حکومت ہند سنہ ۳۵ء کے اس حصّے کو جس کا تعلق صوبجاتی حکومتوں سے ہو عملی جامہ پہنا رہی ہو، لیکن وفاقی تجاویز سے اسے سخت اختلاف ہو۔ ورکنگ کمیٹی کی ایک ذیلی مجلس ابھی حال میں اس لیے منعقد ہوئی تھی کہ وفاق کے متعلق پورے طور پر غور کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے۔ چنانچہ اس ذیلی مجلس نے اس امر کا اعتراف کیا ہو کہ

کانگریس کسی طرح بھی وفاق کو نافذ ہونے سے روک نہیں سکتی۔ اگر کانگریس مجوزہ وفاق میں شرکت سے انکار کرے تب بھی دوسری سیاسی جماعتوں اور دیسی ریاستوں کی بدولت وفاق قائم ہو سکے گا۔ کانگریس مجوّزہ وفاق کو ہندستانی مفاد کے خلاف سمجھتی ہو اس لیے کہ اس سے ملک کے رجعت پسند عناصر کو تقویت حاصل ہو جائے گی۔ جن صوبوں میں کانگریسی وزرا برسرِ اقتدار ہیں ان کی جمعیتِ ہائے مقننہ میں وفاق میں شرکت کے خلاف تجاویز منظور ہو رہی ہیں۔ چنانچہ بمبئی کی جمعیت مقننہ میں ۱۱ جنوری سنہ ۳۸ء کو جو قرار داد منظور ہوئی اس میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہو کہ "قانون ہند کا مجوّزہ وفاق صوبے کے لوگوں کی ظاہر کردہ مرضی کے خلاف ہو لہذا اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ جمعیتِ مقننہ حکومت سے درخواست کرتی ہو کہ وہ حکومتِ برطانیہ سے خواہش ظاہر کرے کہ صوبۂ بمبئی میں وفاق نافذ نہ کیا جائے" اس تجویز کی مسلم لیگ کے ارکان نے بھی موافقت کی اس لیے کہ وہ بھی مجوّزہ وفاق کو ناقابلِ قبول اور غیر اطمینان بخش سمجھتے ہیں۔ کانگریس یہ چاہتی ہو کہ مجوّزہ وفاق کے متعلق قانون حکومت ہند سنہ ۳۵ء کی دفعات میں کچھ تھوڑی بہت ترمیم ہو جائے لیکن بظاہر اس کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔

کانگریس کے اربابِ حل و عقد نے اس امر کا بار بار اظہار کیا ہو کہ کانگریسی وزرا صرف اس وقت تک عہدوں پر رہیں گے جب تک کہ وہ یہ سمجھیں کہ وہ قومی اصلاح و تعمیر کے کام میں مدد دے رہے ہیں۔ اگر کانگریس کی مجلسِ عاملہ یہ محسوس کرے کہ کانگریسی وزرا کے کام میں رکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں یا یہ کہ اپنے عہدوں پر فائز رہ کر وہ عوام کے لیے کوئی خاص خدمات

انجام نہیں دے رہے ہیں تو انھیں ہدایت کردی جائے گی کہ وہ اپنے عہدوں سے دست بردار ہو جائیں۔ اس کے خیال میں عہدوں کے قبول کرنے کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ کانگریسی وزرا اپنے اختیارات سے عوام میں سیاسی شعور اور بیداری پیدا کریں اور ان میں اپنے اثر کو مستحکم کریں تاکہ آیندہ جب ضرورت ہو تو اسے بروئے کار لایا جا سکے۔ کانگریسی زعما کے نزدیک کانگریس کی جائز اور پُرامن جد و جہد ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ صوبجاتی حکومتوں میں جو اختیارات دیے گئے ہیں وہ اسی وقت پوری طرح موثر ہو سکیں گے جب کہ مرکزی حکومت بھی اپنے ہاتھ میں ہو۔ مرکزی حکومت کے اختیارات حاصل کرنے کے لیے سخت آزمائشوں سے گزرنا ہوگا لیکن فی الحال حکومت اور کانگریس کے درمیان تصادم کا اندیشہ نہیں نظر آتا سوائے اس صورت کے کہ غیر معمولی حالات وقوع پذیر ہو جائیں جو کشمکش کو ناگزیر بنا دیں، اغلب گمان یہ ہے کہ کانگریس وفاق میں شریک ہوگی اور مخالف پارٹی کی حیثیت سے تنقید و تعریض کے فرائض انجام دے گی۔ یہ صورت حال کب تک باقی رہے گی اس کے متعلق کوئی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ سیاست میں بعض اوقات معمولی واقعات بھی دور رس نتائج کے حامل ہو جایا کرتے ہیں۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سات صوبوں میں جو کانگریس نے اقتدار حاصل کیا ہے اس کو وہ عوام میں اپنا اثر بڑھانے اور اپنے پروگرام کو روبہ عمل لانے کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہے۔ کانگریس کا انتہا پسند طبقہ جو کانگریسی وزارتوں سے فوری اصلاح و تنظیم کا متوقع تھا اس لیے ناخوش معلوم ہوتا ہے کہ اس کی توقعات پوری نہ ہوئیں۔ کانگریسی حکومتوں نے اب تک عوام کے لیے کوئی اطمینان بخش کام نہیں کیا لیکن کانگریسی وزرا محسوس

کر رہے ہیں کہ دیہات کی معاشرتی اور اقتصادی زندگی میں آناً فاناً کوئی انقلاب نہیں کیا جا سکتا۔ اس کام کی تکمیل کے لیے مدت چاہیے اور نمایاں نتائج دنیا کے روبرو ظاہر کرنے کے لیے بھی کچھ عرصہ درکار ہوگا۔ انھیں اس کا یقین ہو کہ اصلاح و تعمیر کا جو راستہ انھوں نے اختیار کیا ہو وہی صحیح ہو اور منزلِ مقصود کو پہنچانے والا ہو۔

فیض پور کانگریس میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ مسلم عوام کے ساتھ ربط ضبط بڑھانے اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں مسلمانوں کو کانگریس میں شریک کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اب تک یہ ہوتا آیا تھا کہ جداگانہ حلقوں کے انتخاب میں دوسرے فرقوں کے لوگ دخل نہیں دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مسلم حلقہ ہائے انتخاب میں جو جماعت سب سے زیادہ با اثر ہوتی تھی اس کے امیدوار منتخب ہو جاتے تھے۔ لیکن ۱۹۳۷ء کے شروع میں جو صوبجاتی مقننات کے انتخاب ہوئے اس میں کانگریسی ارکان نے مسلم حلقوں میں کھلم کھلا دخل اندازی کی۔ اور اپنے امیدوار کھڑے کیے اور اس کے ساتھ یہ دعویٰ پیش کیا کہ چونکہ کانگریس پورے ملک کی نمائندہ جماعت ہو اس لیے اس کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ ہندو حلقہ ہائے انتخاب کی طرح مسلم حلقہ ہائے انتخاب میں بھی رائے دہندوں کو صحیح مشورہ دے وہ سیاسی اور اقتصادی معاملات میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی تفریق نہیں کرتی۔ چنانچہ انتخابات ہوئے اور ان میں مسلم لیگ کے امیدواروں کے مقابلے میں کانگریسی امیدواروں کو شاذ و نادر کامیابی حاصل ہوئی۔ لیکن کانگریس کو گیارہ صوبوں میں سے چھ میں غیر مسلم حلقہ ہائے انتخاب میں زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور وہ مسلم لیگ یا کسی دوسری سیاسی جماعت

کی مدد کی چھ صوبوں کی مقننات میں حاجت مند نہ رہی۔ کانگریسی وزارتوں نے جن مسلمان ارکان کو شرکتِ عمل کی دعوت دی وہ مسلم لیگ کے خلاف ہوگئے۔ مسلم لیگ نے اس کا صاف طور پر اعلان کر دیا کہ کانگریس یہ بڑی غلطی کر رہی ہو کہ مسلمانوں کے مسلمہ لیڈروں سے معاملات طے کرنے کے بجائے وہ مسلمانوں سے انفرادی طور پر تعلق پیدا کر رہی ہو۔ اس کا جواب کانگریس کی طرف سے یہ دیا گیا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی نمایندہ جماعت نہیں ہو۔ ظاہر ہو یہ بات مسلم لیگ کے زعما کو ناگوار گزری اور انھوں نے یہ تہیہ کر لیا کہ وہ یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ وہی مسلمانانِ ہند کی نمایندگی کرتے ہیں۔

اکتوبر ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مسٹر محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس جلسے میں ملک کے مختلف الخیال مسلمانوں نے شرکت کی اور نہایت اہم تجاویز منظور کی گئیں۔ سب سے زیادہ اہم تجویز یہ تھی کہ مسلم لیگ کا نصب العین بجائے قلمروی رتبے کی حکومت کے ہندستان کی کامل آزادی ہوگا۔ مجوزہ وفاق کو ناقابل قبول اور غیر تسلی بخش بتایا گیا اور مسلمانانِ ہند کے تمدن، مذہب اور زبان کی حفاظت کے متعلق تجاویز منظور کی گئیں۔ یو۔ پی کے ذیلی انتخابات کے لیے مسلم لیگ کے امیدوار کھڑے کیے گئے اور سالانہ اجلاس کے فوراً بعد تیاریاں شروع کر دی گئیں تاکہ کانگریس پر ثابت کر دیا جائے کہ سوائے مسلم لیگ کے ٹکٹ کے کوئی مسلمان امیدوار آیندہ منتخب نہ ہو سکے گا۔ سوائے بجنور کے اور سب مقامات پر مسلم لیگ کے امیدواروں نے کانگریس کے مسلم امیدواروں کو شکست دی اس سے کانگریس کو

یہ تو ضرور معلوم ہو گیا کہ مسلم لیگ کی مسلمانوں میں ایک خاص حیثیت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اب کچھ دنوں سے کانگریسی اربابِ حل و عقد مسلم لیگ کے ساتھ سمجھوتا کرنے کی جانب مائل معلوم ہوتے ہیں۔ چونکہ مسلم لیگ کا نصب العین بھی ہندستان کی کامل آزادی ہے اس لیے سیاسی اعتبار سے وہ بہ نسبت دوسری سیاسی جماعتوں کے کانگریس سے قریب تر ہے۔ بظاہر ہندستان کے سیاسی مفاد کا اقتضا یہی ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ میں سنہ ۱۹۱۶ء کی طرح ایک میثاق طے ہوتا کہ اہل ہند کے متفقہ مطالبات میں زیادہ وزن پیدا ہو۔ دونوں جماعتوں میں اگر اتحاد اور اشتراکِ عمل کی سچی خواہش ہوگی تو یقیناً اس کی صورت بھی آیندہ ممکن ہوگی۔ اس وقت دونوں میں مصالحت کی جو کوشش کی جا رہی ہے اگر وہ بار آور ہوئی تو اس سے ہندستان کی سیاست میں نہایت دور رس نتائج بر آمد ہوں گے۔

ہندستان کی موجودہ سیاست کا ایک اہم اور پیچیدہ مسئلہ دیسی ریاستوں سے تعلق رکھتا ہے۔ قانونِ حکومتِ ہند سنہ ۳۵ء کے بموجب مجوزہ وفاق کی اس وقت تک تشکیل ممکن نہیں جب تک کہ دیسی ریاستوں کی اتنی تعداد وفاق میں برضا و رغبت شرکت کے لیے آمادہ نہ ہو جائے جن کے تحت کل دیسی ریاستوں کی آبادی کا نصف ہو اور وہ وفاقی ایوانِ بالا کی ریاستوں کی نصف نشستیں پُر کر سکیں۔ مسودۂ قانون ہند کی دفعہ (۶) میں والیانِ ریاست کے اصرار پر تھوڑی بہت ترمیم اس لیے کر دی گئی تاکہ ریاستیں دستاویزِ شرکت کے ذریعے وفاق میں شرکت کریں جو بمنزلۂ معاہدہ ہوگا نہ کہ پارلیمنٹ کے وضع کردہ قانون کے تحت۔ یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ وفاقی

مقننہ کے صرف اس نوعیت کے قوانین کا نفاذ ریاستوں میں ہوگا جن کی نسبت دستاویز شرکت میں صراحت کر دی گئی ہوگی لیکن یہ صرف لفظی بحث ہے اگرچہ والیان ریاست وفاق میں شرکت کے لیے آمادہ ہیں لیکن وہ اپنی تاریخی حیثیت کو بھی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے سامنے دوسرے ممالک کی مثالیں موجود ہیں کہ وفاقی حکومت کا بالعموم رجحان یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے سلسلے میں اجزا کے اختیارات پر دست درازی کرتی اور اپنے حیطۂ اقتدار کو وسیع کرتی ہے۔ ممالکِ متحدہ امریکہ اور آسٹریلیا کی اجزائی مملکتوں کو ایک ایک کرکے اپنے اختیارات سے دست بردار ہونا پڑا۔ اس لیے اگر دیسی ریاستیں اپنی اندرونی خود مختاری کو برقرار رکھنے کے لیے ہر قسم کے تحفظات چاہتی ہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ وہ حق بجانب نہیں ہیں؟ لیکن یہ عام طور پر دیسی ریاستوں میں محسوس کیا جا رہا ہے کہ ان کی قسمت کُل ملک کے مقدر کے ساتھ وابستہ ہے۔ وہ برطانوی ہند کی وحدت کے ساتھ ریلوں، تار، ڈاک، ٹیلیفون اور سڑکوں کے ذریعے وابستہ ہیں۔ برطانوی ہند کے زرِ مروّجہ اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے وہ بھی اسی طرح متاثر ہوتی ہیں جیسے ملک کا کوئی دوسرا حصہ۔ برطانوی ہند کی صنعتی و حرفتی ترقی یا تجارتی کساد بازاری یا حکومتِ ہند کے عائد کردہ محصولاتِ تجارت ان کے نظامِ اقتصادی پر بھی اسی طرح اثر انداز ہوتے ہیں جیسے ملک کے کسی دوسرے گوشے پر۔ پھر یہ بات بھی مسلم ہے کہ برطانوی بالادستی (پیرا مونٹسی) کے جو حقوق صراحتاً یا رسماً قائم ہو گئے ہیں ان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا کہ آیا دیسی ریاستیں وفاق میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ اس وقت ان کے اندرونی اقتدار پر جو تحدید عائد کی گئی ہے وہ

بالکل یک طرفہ ہو۔ وفاق میں شرکت کے بعد یہ تخدید تو رہے گی لیکن دیسی ریاستوں کو اس کا موقع ملے گا کہ وہ اپنے لیے کچھ فوائد بھی حاصل کرسکیں۔ غرض کہ یہ مسئلہ ابھی والیانِ ریاست کے زیرِ غور ہو کہ آیا وفاق میں شریک ہوں یا نہ ہوں لیکن قیاس یہ کہتا ہو کہ اس ملک کی پچھلے چند سال کی سیاسی روش کا یہی اقتضا ہو کہ دیسی ریاستیں اپنے اندرونی اقتدار کو محفوظ کرکے وفاق میں شریک ہوں گی اس لیے کہ نہ شریک ہونے میں جتنے خطرے ہیں اتنے شریک ہونے میں نہیں۔

Sagheer Azaz
At p.o. Pahsaul nay glalq
via Katra Muzaffarpur
(Bihar) 4-/92/93

صوبجاتی جمیعت ہائے مقننہ

نمبر شمار	صوبہ جات	عام نشستیں: جنرل (بشمول محفوظ)	عام نشستیں: پسماندہ اقوام (محفوظ)	پسماندہ علاقوں اور قبائل کے نمائندے	سکھ	مسلمان	اینگلو انڈین	یورپین	دیسی عیسائی	تجارت، صنعت، معدنیات اور باغات	زمیندار	یونیورسٹی	مزدوروں کے نمائندے	نسوانی نشستیں: جنرل	نسوانی نشستیں: سکھ	نسوانی نشستیں: مسلمان	نسوانی نشستیں: اینگلو انڈین	نسوانی نشستیں: دیسی عیسائی	کل تعداد
۱	مدراس	۱۴۶	۳۰	۱	۰	۲۸	۲	۳	۸	۶	۶	۱	۶	۶	۰	۱	۰	۱	۲۱۵
۲	بمبئی	۱۱۴	۱۵	۱	۰	۲۹	۲	۳	۳	۷	۲	۱	۷	۵	۰	۱	۰	۰	۱۷۵
۳	بنگال	۷۸	۳۰	۰	۰	۱۱۷	۳	۱۱	۲	۱۹	۵	۲	۸	۲	۰	۲	۰	۰	۲۵۰
۴	صوبہ جات متحدہ	۱۴۰	۲۰	۰	۰	۶۴	۱	۲	۲	۳	۶	۱	۳	۴	۰	۲	۰	۰	۲۲۸
۵	پنجاب	۴۲	۸	۰	۳۱	۸۴	۱	۱	۲	۱	۵	۱	۳	۱	۱	۲	۰	۰	۱۷۵
۶	بہار	۸۶	۱۵	۷	۰	۳۹	۱	۲	۱	۴	۴	۱	۳	۳	۰	۱	۰	۰	۱۵۲
۷	سی-پی و برار	۸۴	۲۰	۱	۰	۱۴	۱	۱	۰	۲	۳	۱	۲	۳	۰	۰	۰	۰	۱۱۲
۸	آسام	۴۷	۷	۹	۰	۳۴	۰	۱	۱	۱۱	۰	۰	۴	۱	۰	۰	۰	۰	۱۰۸
۹	صوبہ سرحدی	۹	۰	۰	۳	۳۶	۰	۰	۰	۰	۲	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۵۰
۱۰	اڑیسہ	۴۴	۶	۵	۰	۴	۰	۰	۱	۱	۲	۰	۱	۲	۰	۰	۰	۰	۶۰
۱۱	سندھ	۱۸	۰	۰	۰	۳۳	۰	۲	۰	۲	۲	۰	۱	۱	۰	۱	۰	۰	۶۰

صوبجاتی مجالس مقننہ

نمبر شمار	نام صوبہ	جملہ ارکان	عام نشستیں	مسلمان	یوروپین	دیسی عیسائی	جو نشستیں جمعیت مقننہ سے پُر ہوں گی	جو نشستیں گورنر کی جانب سے پُر کی جائیں گی
۱	مدراس	کم سے کم ۵۴ زیادہ سے زیادہ ۵۶	۳۵	۷	۱	۳	۰	کم سے کم ۸ زیادہ سے زیادہ ۱۰
۲	بمبئی	کم سے کم ۲۹ زیادہ سے زیادہ ۳۰	۲۰	۵	۱	۰	۰	کم سے کم ۳ زیادہ سے زیادہ ۴
۳	بنگال	کم سے کم ۶۳ زیادہ سے زیادہ ۶۵	۱۰	۱۷	۳	۰	۲۷	کم سے کم ۶ زیادہ سے زیادہ ۸
۴	صوبجات متحدہ	کم سے کم ۵۸ زیادہ سے زیادہ ۶۰	۳۴	۱۷	۱	۰	۰	کم سے کم ۶ زیادہ سے زیادہ ۸
۵	بہار	کم سے کم ۲۹ زیادہ سے زیادہ ۳۰	۹	۴	۱	۰	۱۲	کم سے کم ۳ زیادہ سے زیادہ ۴
۶	آسام	کم سے کم ۲۱ زیادہ سے زیادہ ۲۲	۱۰	۶	۲	۰	۰	کم سے کم ۳ زیادہ سے زیادہ ۴

جمعیت وفاقی (برطانوی ہند کے نمایندے)

نمبر شمار	نام صوبہ	عام نشستیں		سکھ	مسلمان	اینگلو انڈین	یورپین	دیسی عیسائی	تجارت و صنعت	زمیندار	مزدور پیشہ	نسوانی نشستیں	کل جملہ
		عام نشستیں جملہ	پست اقوام										
۱	مدراس	۱۹	۴	۰	۸	۱	۱	۲	۲	۱	۱	۲	۳۷
۲	بمبئی	۱۳	۲	۰	۶	۱	۱	۱	۳	۱	۲	۲	۳۰
۳	بنگال	۱۰	۳	۰	۱۷	۱	۱	۱	۳	۱	۲	۱	۳۷
۴	صوبہ جات متحدہ	۱۹	۳	۰	۱۲	۱	۱	۱	-	۱	۱	۱	۳۰
۵	پنجاب	۶	۱	۶	۱۴	۰	۱	۱	۰	۱	۰	۱	۳۰
۶	بہار	۱۶	۲	۰	۹	۰	۱	۱	۰	۱	۱	۱	۳۰
۷	سی۔ پی و برار	۹	۲	۰	۳	۰	۰	۰	۰	۱	۱	۱	۱۵
۸	آسام	۴	۱	۰	۳	۰	۱	۱	۰	۱	۱	۰	۱۰
۹	صوبۂ سرحدی	۱	۰	۰	۴	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۵
۱۰	اڑیسہ	۴	۱	۰	۱	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۵
۱۱	سندھ	۱	۰	۰	۳	۰	۱	۰	۰	۰	۰	۰	۵
۱۲	برطانوی بلوچستان	۰	۰	۰	۱	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱
۱۳	دہلی	۱	۰	۰	۱	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱
۱۴	اجمیر مارواڑ	۱	۰	۰	۱	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲
۱۵	کورگ	۱	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱
۱۶	غیر صوبجاتی	۴	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۴	۰	۱	۰	۴
		۱۰۵	۱۹	۶	۸۲	۴	۸	۸	۱۱	۷	۱۰	۹	۲۵۰

مجلس مملکت (برطانوی ہند کے نمایندے)

صوبہ یا فرقہ	عام نشستیں	پست اقوام	سکھ	مسلمان	نسوانی نشستیں	کل جملہ
مدراس	۱۴	۱	۰	۴	۱	۲۰
بمبئی	۱۰	۱	۰	۴	۱	۱۶
بنگال	۸	۱	۰	۱۰	۱	۲۰
صوبجات متحدہ	۱۱	۱	۰	۷	۱	۲۰
پنجاب	۳	۰	۴	۸	۱	۱۶
بہار	۱۰	۱	۰	۴	۱	۱۶
سی پی اور برار	۶	۱	۰	۱	۰	۸
آسام	۳	۰	۰	۱	۱	۵
صوبہ سرحدی	۱	۰	۰	۴	۰	۵
اڑیسہ	۴	۰	۰	۱	۰	۵
سندھ	۲	۰	۰	۳	۰	۵
برطانوی بلوچستان	۰	۰	۰	۱	۰	۱
دہلی	۱	۰	۰	۰	۰	۱
اجمیر مارواڑا	۱	۰	۰	۰	۰	۱
کرگ	۱	۰	۰	۰	۰	۱
اینگلو انڈین	۰	۰	۰	۰	۰	۱
یوروپین	۰	۰	۰	۰	۰	۷
دیسی عیسائی	۰	۰	۰	۰	۰	۲
	۷۵	۶	۴	۸	۷	۱۵۰

جمیعت وفاقی اور مجلس مملکت (دیسی ریاستوں کے نمائندے)

نمبر شمار	نام ریاست	جمیعت وفاقی	مجلس مملکت	نمبر شمار	نام ریاست	جمیعت وفاقی	مجلس مملکت
۱	حیدرآباد	۱۶	۵	۱۵	بیکانیر	۱	۲
۲	میسور	۷	۳	۱۶	الور	۱	۱
۳	کشمیر	۴	۳	۱۷	کوٹہ	۱	۱
۴	گوالیار	۴	۳	۱۸	بھرت پور	۱	۱
۵	بڑودہ	۳	۳	۱۹	ٹونک	۱	۱
۶	قلات	۱	۲	۲۰	اندور	۲	۲
۷	سکم	-	۱	۲۱	بھوپال	۱	۲
۸	رام پور	۱	۱	۲۲	ریوا	۲	۲
۹	بنارس	۱	۱	۲۳	کولھاپور	۱	۲
۱۰	ٹراونکور	۵	۲	۲۴	پٹیالہ	۲	۲
۱۱	کوچین	۱	۲	۲۵	بھاولپور	۱	۲
۱۲	اودے پور	۲	۲	۲۶	خیرپور	۱	۱
۱۳	جے پور	۳	۲	۲۷	کپورتھلہ	۱	۱
۱۴	جودھ پور	۲	۲	۲۸	نابھا	۱	۱

نوٹ:- دیسی ریاستوں کے نمائندوں کی تعداد مجلس مملکت (کونسل آف اسٹیٹ) میں (۱۰۴) اور جمیعت وفاقی (فیڈرل اسمبلی) میں ۱۲۵ ہوگی۔ ہم نے اس نقشے میں صرف بڑی بڑی ریاستوں کے نمائندوں کی تعداد جو مرکزی مقننہ کے دونوں ایوانوں کے لیے مقرر کی گئی ہے، ظاہر کی ہے۔ چونکہ دیسی ریاستوں کی تعداد (۶۰۰) کے قریب ہے اس لیے ظاہر ہے ان سب کی علیحدہ علیحدہ نمائندگی ممکن نہ تھی۔ چنانچہ قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۳۵ء کے بموجب متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ملا کر حلقے قائم کیے گئے ہیں۔ ان مختلف حلقوں میں جو ریاستیں شامل ہیں ان کی تاریخی اہمیت اور آبادی کے لحاظ سے ان کے نمائندوں کی تعداد دونوں ایوانوں کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ مثلاً فرید کوٹ، مالیر کوٹلہ اور لوہارو کا ایک حلقہ قائم کیا گیا ہے۔ اس حلقہ میں سے ایک نمائندہ مجلس مملکت اور ایک جمیعت وفاقی کو بھیجا جائے گا۔ اسی طرح اور دوسری چھوٹی ریاستوں کے حلقے ہیں جن کے نمائندے مجموعی طور پر فرائض نیابت انجام دیں گے۔

دی اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری

جس قدر اُردو انگلش ڈکشنریاں اب تک شایع ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ جامع اور مکمل یہ ڈکشنری ہی۔ اس میں تقریباً دو لاکھ انگریزی الفاظ اور محاورات کی تشریح کی گئی ہی۔ چند خصوصیات ملاحظہ ہوں: (۱) یہ بالکل جدید ترین لغت ہی۔ انگریزی زبان میں اب تک جو تازہ ترین اضافے ہوئے ہیں وہ تقریباً تمام کے تمام اس میں آگئے ہیں (۲) اس کی سب سے بڑی اہم خصوصیت یہ ہی کہ اس میں ادبی، مقامی اور بول چال کے محاورات کے علاوہ اُن الفاظ کے معنی بھی شامل ہیں جن کا تعلق علوم و فنون کی اصطلاحات سے ہی اسی طرح ان قدیم اور متروک الفاظ کے معنی بھی درج کیے گئے ہیں جو ادبی تصانیف میں استعمال ہوئے ہیں (۳) ہر ایک لفظ کے مختلف معنی اور فروق الگ الگ لکھے گئے ہیں اور امتیاز کے لیے ہر ایک کے ساتھ نمبر شمار دے دیا گیا ہی (۴) ایسے الفاظ جن کے مختلف معنی ہیں اور اُن کے نازک فروق کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا، ان کی وضاحت مثالیں دے دے کر کی گئی ہی (۵) اس امر کی بہت احتیاط کی گئی ہی کہ ہر انگریزی لفظ اور محاورے کے لیے ایسا اُردو مترادف لفظ اور محاورہ لکھا جائے جو انگریزی کا مفہوم صحیح طور سے ادا کر سکے اور اِس غرض کے لیے تمام اُردو ادب، بول چال کی زبان اور پیشہ وروں کی اصطلاحات وغیرہ کی پوری چھان بین کی گئی ہی۔ یہ بات کسی دوسری ڈکشنری میں نہیں ملے گی۔ (۶) ان صورتوں میں جہاں موجودہ الفاظ کا ذخیرہ انگریزی کا مفہوم ادا کرنے سے قاصر ہی، ایسے نئے مفرد یا مرکب الفاظ وضع کیے گئے ہیں جو اُردو زبان کی فطری ساخت کے بالکل مطابق ہیں۔ (۷) اس لغت کے لیے کاغذ خاص طور پر باریک اور مضبوط تیار کرایا گیا تھا جو بائبل پیپر کے نام سے موسوم ہی۔ طباعت کے لیے اُردو اور انگریزی ہر دو خوب صورت ٹائپ استعمال کیے گئے ہیں۔ جلد بہت پایدار اور خوش نما بنوائی گئی ہی۔ (ڈبل ڈیمائی سائز صفحات ۱۵۱۲ + ۳۲) قیمت سولہ رُپے علاوہ محصول ڈاک۔

اسٹوڈنٹس انگلش اُردو ڈکشنری

یہ بڑی لغت کا اختصار ہی۔ لیکن باوجود اختصار کے بہت جامع ہی۔ کم صرف متروک اور غریب الفاظ یا بعض ایسی اصطلاحات جن کا تعلق خاص فنون سے ہی اور ادب میں شاذ و نادر استعمال ہوتی ہیں، خارج کردی گئی ہیں۔

$\frac{22 \times 18}{8}$ سائز، حجم ۱۴۶۲ + ۱۹ صفحے قیمت سولہ رُپے علاوہ محصول ڈاک۔

انجمن ترقی اُردو (ہند) دریا گنج ۔ دہلی

اُردُو

انجمنِ ترقیٔ اُردُو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری۔ اپریل۔ جولائی اور اکتوبر میں شایع ہوتا ہی

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہی۔ تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں شایع ہوتی ہیں، ان پر تبصرے اس رسالے کی ایک خصوصیت ہی۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہی قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات رُپے سکۂ انگریزی (آٹھ رُپے سکۂ عثمانیہ) نمونے کی قیمت ایک رُپیہ بارہ آنے (دو رُپے سکۂ عثمانیہ)

رسالہ سائنس

انجمنِ ترقیٔ اُردُو (ہند) کا ماہانہ رسالہ

(ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد سے شایع ہوتا ہی)

اس کا مقصد یہ ہی کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو دانوں میں مقبول کیا جائے۔ دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں، یا جو بحثیں یا ایجادیں ہورہی ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہی اور ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہی۔ اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہلِ وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہی۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوا کرتے ہیں۔ قیمت سالانہ صرف پانچ رُپے سکۂ انگریزی (چھ رُپے سکۂ عثمانیہ)

خط و کتابت کا پتا: معتمد مجلسِ ادارت رسالہ سائنس جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

ہماری زبان

انجمنِ ترقیٔ اُردُو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

ہر مہینے کی پہلی اور سولھویں تاریخ شایع ہوتا ہی۔

چندہ سالانہ ایک رُپیہ۔ فی پرچہ ایک آنہ

انجمنِ ترقیٔ اُردُو (ہند) دہلی